التوحید الخالص

یعنی

عقیدۂ توحید کی تحقیق و تشریح

مؤلف

حضرت مولانا مفتی محمد شعیب اللہ خان صاحب مفتاحی دامت برکاتہم

بانی و مہتمم جامعہ اسلامیہ مسیح العلوم بنگلور (کرناٹک)

خلیفہ حضرت اقدس شاہ مفتی مظفر حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ

ناظم مظاہر علوم وقف سہارنپور

التوحید الخالص

یعنی عقیدۂ توحید کی تحقیق وتشریح

مؤلف

حضرت مولانا مفتی محمد شعیب اللہ خان صاحب مفتاحی دامت برکاتہم
بانی ومہتمم جامعہ جامعہ اسلامیہ مسیح العلوم
وخلیفہ حضرت اقدس شاہ مفتی مظفر حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ
ناظم مظاہر علوم وقف سہارنپور

ناشر:
فیصل پبلیکیشنز دیوبند

فہرست مضامین

عناوین	صفحہ

باب اول

توحید کی اہمیت، فضیلت، حقیقت واقسام

باب دوم

شرک کی حقیقت، تاریخ، اس کی مذمت واقسام

باب سوم

اسلام میں عقیدۂ توحید کی حفاظت کا اہتمام

باب چہارم
مسلم معاشرہ کا جائزہ توحید و شرک

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نگاہِ اولین

الحمد للّٰہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی سید المرسلین و علی آلہ وصحبہ اجمعین، اما بعد:

توحید کا عقیدہ اسلام میں سب سے زیادہ اہم اور نازک ہے، اسی پر اسلام کی پوری عمارت تعمیر کی گئی ہے، مگر اس کے باوجود اس عقیدے کو بہت سے لوگ کما حقہ نہیں جانتے اور جانتے ہیں تو نہیں سمجھتے، اور طرح طرح کی بدعقیدگیوں اور خرافات میں ملوث ہو جاتے ہیں، اس لیے ضرورت محسوس ہوئی کہ عقیدۂ توحید کی تشریح و تحقیق لوگوں کے سامنے پیش کی جائے اور اس کی نزاکتوں و باریکیوں کو واضح کیا جائے تاکہ یہ بنیادی و اساسی عقیدہ خرافات میں نہ کھو جائے۔

زیر نظر کتاب میں احقر نے ''عقیدۂ توحید'' کی تحقیق و تشریح پیش کی ہے تاکہ یہ بنیادی عقیدہ پوری بصیرت کے ساتھ سمجھا جا سکے اور اس کی باریکیوں و نزاکتوں کا لحاظ رکھا جا سکے۔ میں نے اس کتاب کو ایک تمہید اور چار ابواب پر مرتب کیا ہے:

تمہید میں عقیدۂ توحید کے بارے میں ایک اجمالی گفتگو کی گئی ہے جس میں اس کا اساسی عقیدہ ہونا، اور اس کا اسلامی معاشرے کے لئے ''خشت اول'' کی حیثیت ہونا اور اس عقیدے کے حاملین و علمبرداروں میں اس کی برکت سے بے پناہ ایمانی قوت کا پیدا ہو جانا بیان کیا گیا ہے، اور اس کے استشہاد میں تاریخ کے حوالے سے چند واقعات بھی نقل کیے گئے ہیں۔

باب اول میں توحید کی اہمیت و فضیلت، حقیقت و قسمیں، توحید کے عقیدے میں اسلام کا امتیاز اور غیر مسلموں کا اس کو خراج تحسین وغیرہ امور بیان کیے گئے ہیں۔

باب دوم میں شرک کی مذمت ،اس کی حقیقت واقسام ،اس کی تاریخ اور مختلف مشرک اقوام کے شرک کی نوعیت پر قرآن وحدیث اور تاریخ کی روشنی میں کلام کیا گیا ہے۔

باب سوم میں اسلام میں عقیدۂ توحید کی حفاظت کے اہتمام والتزام کے سلسلہ میں وارد تعلیمات اسلامیہ کو پورے شرح وبسط کے ساتھ پیش کیا گیا ہے جس سے اس سلسلہ میں اسلام کا امتیاز بھی واضح ہوتا ہے۔

باب چہارم میں موجودہ مسلم معاشرے میں توحید کے خلاف پھیلے ہوئے مشرکانہ عقائد ورسومات وباطل اعمال وافعال پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے اور یہ واضح کیا گیا ہے کہ یہ سب باتیں اسلام کے عقیدۂ توحید کے خلاف ومنافی ہیں۔

آخر میں اللہ سے دعا گو ہوں کہ وہ اس کتاب کو شرف قبول بخشے اور امت کے بھٹکے ہوئے لوگوں کے لئے مشعل ہدایت اور میرے لئے ذخیرۂ نجات بنائے ،آمین۔ وَاللّٰهُ هُوَ الْمُعِيْنُ وَهُوَ الْمُسْتَعَانُ۔

۶؍صفر المظفر ؍۱۴۲۹ھجری

۱۴؍فروری؍۲۰۰۸عیسوی

احقر محمد شعیب اللہ خان

مہتمم جامعہ اسلامیہ مسیح العلوم، بنگلور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تمہید

عقیدۂ توحید اسلام کی بنیاد:

''عقیدۂ توحید'' اسلامی عقائد میں سب سے زیادہ مہتم بالشان بنیادی واساسی عقیدہ ہے اور دنیا میں مروجہ مذاہب و ادیان سے اسلام کو خصوصی امتیاز بخشتا ہے۔ یہ عقیدہ اگرچہ تمام انبیاء علیہم السلام کی متفقہ میراث و دعوت، تمام شرائع الٰہیہ کا اساسی ومرکزی نقطہ اور تمام آسمانی کتابوں کی اولین تعلیم رہی ہے، مگر شریعت محمدیہ نے اس کی نزاکت کا لحاظ کرتے ہوئے جن جن باریکیوں اور احتیاطوں کو بروئے کار لایا ہے اور اس عقیدہ میں مزاحم ہونے اور اس میں خلل وخرابی ڈالنے اور اس کو کمزور وکھوکھلا کرنے والی چیزوں سے اس کی جس طرح حفاظت وصیانت فرمائی ہے، یہ بلاشبہ شریعت اسلامیہ کا طرۂ امتیاز ہے۔

پھر اسلامی معاشرے کی تعمیر وتشکیل میں اللہ کی وحدانیت پر ایمان اور توکل و اعتماد علی اللہ ایک اہم اور بنیادی عنصر اور خشت اول کی حیثیت رکھتا ہے، لہٰذا جب بھی اور جہاں بھی اسلامی معاشرے کی تعمیر کے لئے کوئی تحریک اور کارروائی وجود میں آئے گی تو اسکے لئے نہایت درجے ضروری ہے کہ وہ اسکے افراد میں اس عنصر کے پیدا کرنے کی طرف توجہ کریں۔

ایمان بالتوحید کی بے پناہ قوت:

چنانچہ اسلام نے جس معاشرے کی تشکیل وتعمیر کی اس کا سب سے اولین اصول یہی قرار دیا گیا کہ ایک اللہ پر ایمان ویقین رکھنے والے افراد پر مشتمل ہوگا، لہٰذا اسی اصول کے مطابق ''توحید خداوندی'' پر ایمان ویقین رکھنے والا ایک ایسا معاشرہ

وجود میں آگیا جو ایمان اور توحید میں بے مثال، توکل واعتماد علی اللہ میں بے نظیر تھا، جس کے ارکان وافراد میں توحید خداوندی پر ایمان نے توکل واعتماد کی بے پناہ قوت وطاقت پیدا کردی تھی کہ وہ لوگ دنیا کی کسی قوت وطاقت کو، حکومت وبادشاہت کو، اور اسباب وذرائع ووسائل کو خاطر میں نہ لاتے تھے، چند نہتے افراد اسی توحید خداوندی اور اعتماد علی اللہ کی طاقت کو لیکر بڑی سے بڑی فوج ولشکر سے بلا تأمل معرکہ آرائی ونبرد آزمائی کے لیے تیار ہو جاتے تھے۔

کیونکہ ایک اللہ کی ربوبیت والوہیت پر ایمان راسخ ویقین کامل انسان کو مخلوق سے بے نیاز اور اس سے بے خوف اور بے رغبت بنا دیتا ہے، مؤمن کی نظر میں خدا کی عظمت وجلالت کا سکہ ایسا جم جاتا ہے کہ اس کے سامنے دنیا کی بڑی سے بڑی طاقت اور بڑی سے بڑی شان وشوکت، عظیم ترین حکومت وسلطنت ہیچ معلوم ہوتی ہے، وہ دنیا کی دل فریبیوں سے، اسبابِ راحت وآسائش سے اور یہاں کے دلچسپ مظاہر ومناظر سے متأثر نہیں ہوتا۔

حضرت ربیع بن عامر کی رستم سے گفتگو:

یہ دیکھئے ایمانی قوت کا کرشمہ کہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی امارت وسرکردگی میں ایک لشکر ایرانیوں سے مقابلہ کے لئے گیا، ایرانی لشکر کا سپہ سالار مشہور زمانہ پہلوان وبہادر رستم تھا، حضرت خالد بن ولیدؓ نے رستم کی درخواست پر حضرت ربیع بن عامر رضی اللہ عنہ کو اس سے بات چیت کے لئے بھیجا، ایرانیوں نے رستم کا دربار خوب سجا رکھا تھا، ریشم وحریر کے گدے، بہترین قالین، سونے وچاندی کی اشیاء اور دیگر اسباب زینت سے آراستہ پیراستہ کردیا تھا، حضرت ربیع بن عامرؓ گھوڑے پر سوار، ہتھیارات سے لیس، پھٹے پرانے کپڑوں میں ملبوس، اس شان کے ساتھ رستم کے دربار میں پہنچے کہ ننگی تلوار آپ کے ہاتھ میں تھی۔ دربار میں رستم کا فرش بچھا ہوا تھا، آپ

گھوڑے کو اسی پر چلاتے ہوئے اندر جانے لگے، رستم پہلوان کے آدمیوں نے ان کو روکا اوران سے کہا کہ کم سے کم تلوار تو زیرِ نیام کرلیں۔ حضرت ربیع بن عامرؓ نے فرمایا کہ میں تمہاری دعوت پر آیا ہوں، میری مرضی اور خواہش سے نہیں، اگر تم اس طرح آنے نہ دوگے تو میں لوٹ جاؤں گا۔ جب رستم نے یہ دیکھا تو اپنے لوگوں سے کہا کہ ان کو اسی حالت میں آنے دو۔ چنانچہ آپ اسی شان کے ساتھ رستم کے پاس پہنچے اور فرش جگہ جگہ سے تلوار کی نوک کی زد میں آکر پھٹ گیا تھا۔ رستم نے پوچھا کہ آپ لوگ کیا چاہتے ہیں؟ حضرت ربیع بن عامرؓ نے ایسا جواب دیا جو ہمیشہ کے لئے لاجواب رہے گا، آپ نے کہا کہ: ”اللّٰه ابتعثنا لنخرج من شاء من عبادة العباد إلى عبادة اللّٰه ، ومن ضيق الدنيا إلى سعتها، ومن جورالأديان إلى عدل الإسلام “(اللہ نے ہمیں اس لئے مبعوث کیا ہے کہ ہم اللہ کے بندوں میں سے اللہ جن کو چاہے ان کو بندوں کی غلامی سے نکال کر اللہ کی بندگی کی طرف لائیں اور دنیا کی تنگیوں سے نکال کر اس کی وسعتوں میں لے جائیں اور دنیا کے مختلف مذاہب کے ظلم و جور سے اسلام کے عدل وانصاف کی طرف لائیں)۔(۱)

اس واقعہ سے اسلامی معاشرے کے افراد کی مظاہر کائنات سے، دنیا کی دلفریبیوں سے اور مادی طاقتوں سے بے رغبتی و بے خوفی کا عظیم الشان مظاہرہ رہا ہے، یہی چیز اسلامی معاشرے کو کفر وشرک سے نکالتی اور شیطانی وطاغوتی قوتوں کے مقابلہ میں روحانی وایمانی طاقت بخشتی ہے۔

اس معاشرے کے افراد کو توحید ربانی پر یقین کی وجہ سے اس آیت پر جس طرح یقین تھا، یہ کہا جا سکتا ہے کہ بلا شبہ وہی لوگ اس آیت کے مصداق تھے: ﴿ كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيْرَةً بِإِذْنِ اللّٰهِ ﴾ (کتنی ہی چھوٹی چھوٹی جماعتیں ایسی

(۱) تاریخ طبری: ۲/۴۰۱، البدایہ والنہایہ: ۳۹/۸

ہیں جو بڑی بڑی جماعتوں پر اللہ کے حکم سے غالب آگئیں) [البقرۃ:۲۴۹]

حضرت علی کا توکل علی اللہ:

حضرت علی کرم اللہ وجہہ شب میں نفلیں پڑھنے مسجد کو تشریف لایا کرتے تھے، بعض حضرات نے ایک بار انکو پہرا دیا، جب آپ نماز سے فراغت کے بعد باہر آئے اور ان لوگوں کو دیکھا تو پوچھا کہ آپ لوگ یہاں کیوں بیٹھے ہیں؟ لوگوں نے بتایا کہ آپ کی حفاظت کے لئے، حضرت علی نے پوچھا کہ آسمان والوں سے یا زمین والوں سے؟ لوگوں نے کہا کہ زمین والوں سے، یہ سن کر حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا کہ جب تک کسی بات کا فیصلہ آسمان میں نہیں ہوجاتا اس وقت تک کوئی چیز زمین پر رونما نہیں ہوتی، اور فرمایا کہ بیشک حقیقت یہ ہے کہ ایمان کی لذت کوئی شخص اس وقت تک نہیں پاسکتا جب تک یہ یقین نہ کرلے کہ جو کچھ (اچھا یا برا) اسے پہنچا ہے وہ ہٹنے والا نہ تھا اور جو اسے نہیں پہنچا وہ اسے پہنچنے والا نہیں تھا۔ (۱)

ایک روایت میں ہے کہ حضرت علیؓ کے پاس دو شخص فیصلے کے لئے آئے، آپ ایک دیوار کے نیچے بیٹھے ہوئے تھے، کسی شخص نے عرض کیا کہ حضرت! یہ دیوار گرنے والی ہے، آپ نے فرمایا کہ تو جا، اللہ حفاظت کے لئے کافی ہے، اس کے بعد آپؓ نے ان دونوں شخصوں کا مقدمہ طے کیا اور کھڑے ہوئے، اسکے بعد یہ دیوار گرگئی۔ (۲)

اسباب سے مسبب الاسباب تک:

حقیقت یہ ہے کہ ایمان کا رسوخ مؤمن کے قلب میں اللہ پر اعتماد و توکل کی بے نظیر قوت پیدا کردیتا ہے، مؤمن کی نظر سلسلۂ اسباب سے ہٹ کر مسبب الاسباب کی بے نظیر و بے مثال ذات پر جم جاتی ہے، وہ کھانے سے بھوک کا مرنا، پانی سے پیاس کا بجھنا، دواؤں سے بیماریوں کا زائل ہونا سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھتا ہے، مگر وہ

(۱) تاریخ ابن عساکر:۴۲/۴۲ ۵۵، کنز العمال:۱/۸۱-۸۲ (۲) دلائل النبوۃ لابی نعیم:۲۱۱

کھانے اور پینے کو اور دوا اور ڈاکٹر کو کسی طاقت کا حامل نہیں سمجھتا اور ان اسباب کو مؤثر بالذات نہیں خیال کرتا۔ وہ یہ دیکھتا ہے کہ آگ جلاتی ہے، چھری کاٹتی ہے، سمندر غرق کر دیتا ہے، مگر اس کے باوجود اسکی نظر آگ اور چھری اور سمندر جیسی حقیر چیزوں اور معمولی مخلوقات تک محدود نہیں رہتی، بلکہ اس کے توحید وایمان کا رسوخ ان چیزوں کے خالق و مالک اور ان کے اندر رکھی ہوئی قوتوں کے پیدا کرنے والے کی عظیم الشان اور بے عیب ذات تک اسکو پہنچاتا ہے۔

ایمانی قوت کے حیرت انگیز واقعات:

ہمارے اسلاف کے اس سلسلے میں جو حیرت انگیز واقعات تاریخی وثائق نے محفوظ کر کے ہم تک پہنچائے ہیں ان کی تعداد احصاء واحاطہ سے باہر ہے، یہاں مثال اور نمونے کے طور پر چند واقعات پیش کئے جاتے ہیں، تاکہ صرف ایک اللہ سے ہونے کا یقین اور اسی پر اعتماد وتوکل ہمارے اندر بھی پیدا ہو۔

(۱) حضرت عقبہ ابن نافع رضی اللہ عنہ نے افریقہ کے ایک جنگل میں شہر بسانا چاہا، تاکہ وہاں مسلمانوں کا لشکر قیام کر سکے، چنانچہ اس کے لیے جس جگہ کا انتخاب کیا گیا وہاں ہزاروں قسم کے جانور اور خونخوار درندے بسے ہوئے تھے۔ حضرت عقبہ بن نافع نے اللہ سے دعا کی پھر جنگل میں کھڑے ہوکر درندوں سے خطاب فرمایا کہ: ''اے جنگل کے سانپو اور درندو! ہم محمد رسول اللہ ﷺ کے صحابہ ہیں اور یہاں رہنا چاہتے ہیں، لہٰذا تم یہاں سے کسی اور جنگل میں چلے جاؤ، اس کے بعد جو بھی ہم کو یہاں ملے گا ہم اس کو قتل کر دینگے۔ یہ سن کر جنگل کے جانور اور درندے اپنے اپنے بچوں کو لے کر جنگل سے نکلنے لگے اور دوسری جگہ منتقل ہو گئے، مسلمانوں کی اس ایمانی قوت کے حیرت انگیز کرشمہ نے لوگوں کو متحیر کر دیا اور بربر قوم کے بہت سے قبائل نے اس دن ایمان قبول کیا۔ (۱)

---

(۱) الکامل لابن الأثیر: ۳۲/۳

(۲) حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں جب مصر فتح ہوا اور حضرت عمرو بن العاص وہاں کے گورنر مقرر ہوئے، اس زمانے میں ایک وقت حسب معمول دریائے نیل کی روانی ختم ہوگئی، اور وہ ٹھہر گیا، زمانہ جاہلیت سے وہاں پر یہ دستور چلا آرہا تھا کہ جب بھی دریائے نیل ٹھہر جاتا تو ایک حسین اور خوبصورت لڑکی کو قتل کر کے دریا کے حوالہ کر دیا جاتا اور دریائے نیل پھر حسب معمول چل پڑتا۔ اس موقعہ پر حضرت عمرو بن العاص سے لوگوں نے اس دستور کا ذکر کر کے اس کے مطابق عمل کی اجازت چاہی، حضرت عمرو بن العاص نے فرمایا کہ یہ جاہلیت کی رسم ہے، ہم ایسا نہیں کریں گے، البتہ امیر المومنین حضرت عمرؓ سے میں مشورہ کرونگا۔ چنانچہ حضرت عمرو نے امیر المومنین کو خط لکھا اور اس واقعہ کی پوری تفصیل بیان کر کے مشورہ چاہا۔ امیر المؤمنین حضرت عمرؓ نے اس کے جواب میں دریائے نیل کے نام ایک چٹھی روانہ فرمائی اور حضرت عمروؓ کو لکھا کہ وہ چٹھی دریائے نیل میں ڈال دیں، اس چٹھی کا مضمون یہ تھا کہ: ''یہ اللہ کے بندے عمر کی طرف سے دریائے نیل کے نام، اما بعد! اگر تو (اے دریائے نیل) اپنے طرف سے جاری ہوتا تھا تو مت جاری ہو اور اگر اللہ واحد قہار نے تجھ کو جاری کیا تو ہم اسی سے سوال کرتے ہیں کہ وہ تجھ کو جاری کر دے''۔ حضرت عمرو بن العاص نے یہ چٹھی دریائے نیل میں ڈال دی، ڈالنا ہی تھا کہ دریائے نیل خوب تیزی کے ساتھ رواں ہوگیا۔ (۱)

(۳) حضرت سعد بن عقبہ رضی اللہ عنہ شہر بہرسیر کے نیچے اترے، اور چند دنوں وہیں ٹھہرے کیونکہ دشمن کے مقابلہ کے لئے دریا پار کرنا تھا، حضرت سعد نے اللہ کے بھروسہ "نستعين بالله و نتوكل عليه، حسبنا الله ونعم الوكيل لا حول ولا قوة إلا بالله العلي العظيم" کا ورد کرتے ہوئے اپنے گھوڑے کو سمندر میں ڈال دیا، اور لشکر کو بھی حکم دیا کہ وہ بھی اس میں بے خطر کود جائے، چنانچہ سارا لشکر اپنے

(۱) البدایہ والنہایہ: ۷/۱۱۰، تاریخ الخلفاء: ۱۱۳

گھوڑوں کو لیکر دریا میں کود پڑا، جب دوسری طرف ساحل پر اُترے تو گھوڑوں کے کُھر بھی بھیگے نہیں تھے، اور یہ منظر دیکھ کر کفار کا لشکر حیرت میں پڑ گیا اور کہنے لگا کہ ''دیو آمدند'' (یعنی دیو آ گئے ہیں) اور یہ کہہ کر بھاک گیا۔ (۱)

(۴) حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ جو نبی اکرم ﷺ کے خادم تھے وہ ایک دفعہ روم کے علاقہ میں لشکر سے بھٹک گئے اور ایک جنگل میں لشکر کی تلاش میں تھے کہ سامنے سے ایک شیر آ گیا، حضرت سفینہ کہتے ہیں کہ میں نے اس سے کہا کہ: ''اے ابوالحارث (یہ شیر کی کنیت ہے) میں رسول اللہ ﷺ کا غلام اور خادم ہوں اور میں راستہ سے بھٹک گیا ہوں، یہ سن کر شیر دم ہلاتا ہوا آگے چلتا رہا اور میں اس کے پیچھے پیچھے چلتا رہا یہاں تک کہ لشکر سے مجھ کو ملا دیا۔ (۲)

(۵) ایک دفعہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ باہر نکلے تو دیکھا کہ ایک جگہ لوگوں کی بھیڑ لگی ہے، آپ نے پوچھا کہ کیا معاملہ ہے؟ آپ کو بتایا گیا کہ ایک شیر ہے جو لوگوں کا راستہ روکے ہوئے ہے اور لوگ اس سے خطرہ محسوس کر رہے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ اپنی سواری سے اترے اور شیر کے پاس گئے اور اس کا کان پکڑ کر موڑا اور اس کی گدی پر مارا اور اس کو راستہ سے ہٹا دیا۔ پھر فرمایا سرکار دو عالم ﷺ نے تیرے بارے میں سچ فرمایا تھا کہ ابن آدم پر یہ جب ہی مسلط کیا جاتا ہے جب ابن آدم اس سے ڈرتا ہے اور جب ابن آدم صرف اللہ سے ڈرے تو اللہ تعالی اس کو اس پر مسلط نہیں کرتا، ابن آدم کو اس کے حوالے کر دیا جاتا ہے جس سے وہ امید باندھتا ہے اور اگر وہ سوائے اللہ کے کسی سے امید نہ رکھے تو اللہ تعالی اس کو کسی اور کے حوالے نہیں کرتا۔ (۳)

(۶) حضرت عمرؓ کے دور خلافت میں حضرات صحابہؓ نے نبی اکرم ﷺ کی عظیم

---

(۱) تاریخ طبری: ۲/۴۶۰-۴۶۲، البدایہ والنہایہ: ۷/۶۴-۶۶ والبدایہ ۶/۱۵۵

(۲) البدایہ والنہایہ: ۶/۱۴۷ (۳) حیاۃ الصحابہ: ۴/۳۸۵

الشان پیشن گوئی کے مطابق شاہ ایران کسریٰ کے محل کی اینٹ سے اینٹ بجادی اور نہتے ہونے کے باوجود اپنی ایمانی قوت اور توکل علی اللہ واعتماد علی اللہ کی برکت سے حیرت انگیز ریکارڈ قائم کردیا، یہ محل اس عظیم حکومت کا بنایا ہوا تھا جس کے جاہ وجلال سے کبھی روم کے محلات لرزا کرتے تھے، مگر صحابۂ کرام نے اس طاقت کے غرور کو خاک میں ملادیا، اس محل کی ایک دیوار اب تک باقی ہے اور بوسیدگی اور فرسودگی کے باوجود شان وشوکت کی ایک تصویر نظر آتی ہے اور اس قدر مضبوط اور مستحکم ہے کہ حضرات صحابہ کے دور میں جہاں آج کل کی طرح محیر العقول ایجادات موجود نہیں تھیں، اس محل کا توڑا جانا ناممکن نظر آتا ہے، مگر صحابۂ کرامؓ کے جذبۂ ایمانی نے اس پیکر سطوت عمارت اور محل کو خاطر میں نہ لایا۔

حضرات صحابہؓ کی ایمانی قوت کا اندازہ اس واقعہ سے بھی ہوتا ہے جس کو علامہ خطیب بغدادی نے تاریخ بغداد میں لکھا ہے کہ خلیفہ منصور نے اپنے دور خلافت میں چاہا کہ کسریٰ کے محل کی اس موجودہ دیوار کو توڑ کر اس کے ملبے سے حاصل ہونے والی رقم سے انتفاع کیا جائے تو اس نے مشورہ کیا اور سبھی مشیروں نے بادشاہ کی حامی بھر لی، مگر ایک ایرانی مشیر نے کہا کہ آپ اس دیوار کو ہرگز نہ تڑوائیں، کیونکہ بعد کے لوگ جب دیکھیں گے کہ صحابہ نے ظاہری ضعف وکمزوری کے باوجود اور اس ایوان کے بادشاہ کے جلال وجبروت کے باوجود اس کو مقہور ومغلوب کردیا تو ان کو کوئی شک نہ ہوگا کہ یہ سب اللہ کے حکم سے ہوا ہے اور اللہ ہی کی ان کے ساتھ تائید ونصرت رہی ہے۔ مگر بادشاہ کی سمجھ میں اس کی بات نہیں آئی اور اس نے اس دیوار کو توڑنے پر مزدور لگادیے مگر چند ہی دنوں میں اندازہ ہوگیا کہ اس دیوار کو توڑنے پر جتنا خرچ آئیگا اس کا دسواں حصہ بھی اس کے ملبے سے حاصل نہ ہوگا؛ کیونکہ وہ انتہائی مضبوط اور مستحکم ہے، اسلئے بادشاہ نے اس کام کو رکوانے کا ارادہ کیا، مگر کام کو رکوانے سے پہلے اس نے اپنے اسی ایرانی مشیر کو پھر

بلایا اور صورت حال کو رکھکر مشورہ لیا تو مشیر نے کہا کہ آپ اس کام کو ہرگز نہ رکوائیں اور کہا کہ میں نے پہلے جو مشورہ دیا تھا کہ آپ اس دیوار کو نہ تڑوائیں اس کی وجہ یہ تھی کہ اس دیوار کے باقی رہنے سے صحابۂ کرام کی ایمانی قوت وطاقت کا اندازہ بعد میں آنے والوں کو ہوگا کہ ایسے مضبوط محل کو چند صحابۂ کرام نے کس طرح توڑا ہوگا؟ اور اب میں جو مشورہ دے رہا ہوں کہ آپ اس کام کو نہ رکوائیں وہ اس لئے کہ کام شروع کر کے رکوا دینے سے بعد میں آنے والے لوگ کہیں گے کہ ایرانیوں نے ایسا مضبوط محل بنایا تھا کہ اس کی دیوار کا ایک حصہ توڑنا بھی اسلامی حکومت کے بس میں نہیں تھا۔(۱)

علامہ ابن خلدون نے مقدمہ میں لکھا ہے کہ ایک بار ہارون رشید نے اس دیوار کو ڈھانے کا ارداہ کیا تھا اور اس پر مزدور لگا دئے اور اس سلسلہ میں کام بھی شروع ہو گیا مگر لگے ہوئے مزدور اس کے ڈھانے سے عاجز آ گئے۔ابن خلدون فرماتے ہیں کہ غور کیجئے کہ وہ حکومت کس قدر طاقت ور ہوگی جس نے ایسی عمارت بنوائی جس کے ڈھانے سے دوسری حکومت عاجز آ گئی حالانکہ بنانا دشوار ہے اور ڈھانا آسان ہے۔(۲)

(۷) علامہ ابن کثیر نے اپنی تاریخ ''البدایہ والنہایہ'' میں یہ عجیب وغریب واقعہ بیان کیا ہے کہ ہرقل کے زمانے میں ایک رومی فوج کا مسلمانوں سے مقابلہ ہوا اور رومی فوج کو شکست فاش کا سامنا کرنا پڑا، یہ شکست خوردہ رومی فوج جب واپسی کے موقع پر ہرقل سے ملتی ہے جبکہ ہرقل مقام انطاکیہ میں مقیم تھا، تو وہ ان رومیوں کی شکست کی خبر سن کر سوال کرتا ہے؟ مجھے اس قوم کے بارے میں بتاؤ جس کے ساتھ تمہارا مقابلہ ہوا ہے، کیا وہ تم ہی جیسے انسان نہیں تھے؟ فوجیوں نے اس کے جواب میں کہا کہ: ہاں! وہ ہم ہی جیسے انسان تھے جن سے ہمارا مقابلہ ہوا۔اس پر ہرقل دوسرا اور بامعنی سوال کرتا ہے کہ: اچھا بتاؤ کہ تعداد میں وہ زیادہ تھے یا تم؟ فوجیوں نے کہا کہ: ہم زیادہ تھے۔ ہرقل

(۱) تاریخ بغداد: ۱/۱۳۰-۱۳۱ (۲) مقدمہ ابن خلدون: ۱/۴۲۹

تیسرا سوال یہ کرتا ہے کہ: جب وہ تم جیسے انسان تھے اور تعداد میں تم سے کم تھے تو پھر تمہاری شکست کھا جانے کی کیا وجہ ہے؟ اس کا جواب اس رومی سپہ سالار نے بڑا عجیب دیا، اس نے کہا کہ: ''ان کو فتح اس وجہ سے ہوئی کہ وہ راتوں میں کھڑے ہوکر نماز پڑھتے ہیں اور دن میں روزہ رکھتے ہیں، امر بالمعروف ونہی عن المنکر کرتے ہیں، عہد پورا کرتے ہیں اور آپس میں انصاف کرتے ہیں'' اور کہا کہ ''ہماری شکست اس وجہ سے ہوئی کہ ہم شراب پیتے، زنا کرتے، عہد کو توڑتے، حرام چیزوں کو اختیار کرتے، برائی کو پھیلاتے اور اللہ کی مرضیات سے روکتے، اور زمین میں فساد مچاتے ہیں، یہ سن کر رومی بادشاہ ہرقل نے کہا کہ تم نے سچ کہا۔(۱)

(۸) ابو وائلؒ نے بیان کیا ہے کہ حضرت عبد اللہؓ نے کہا کہ شیطان اصحاب نبی ﷺ میں سے کسی ایک آدمی کو ملا اور ان سے کشتی کی، مسلمان نے اسے پچھاڑ دیا اور اس نے انگوٹھے کو کاٹا تو شیطان نے کہا کہ مجھے چھوڑ دے، میں تجھے ایسی آیت سکھاتا ہوں کہ ہم شیاطین میں سے جب کوئی اس کو سنتا ہے تو پیٹھ پھیر کر بھاگ جاتا ہے تو ان صحابی نے اسے چھوڑ دیا، مگر شیطان نے اس آیت کے سکھانے سے انکار کر دیا تو پھر ان میں کشتی ہوئی، مسلمان نے اسے پھر پچھاڑ دیا اور اسکا انگوٹھا دبایا اور کہا کہ وہ آیت بتادے، اس نے انکار کر دیا کہ وہ آیت سکھائے، سہ بارہ ان میں پھر کشتی ہوئی تو شیطان نے کہا کہ وہ آیت سورۂ بقرہ میں ہے، یعنی آیت الکرسی تو عبد اللہؓ سے پوچھا گیا کہ اے ابو عبد الرحمان! یہ کس صحابی کا تذکرہ ہے؟ انہوں نے کہا کہ سوائے حضرت عمرؓ کے کون ہو سکتا ہے۔(۲)

یہ چند واقعات نمونہ کے طور پر بیان کئے گئے ہیں جن سے یہ بات بخوبی واضح ہوتی ہے کہ اسلامی معاشرہ میں کارفرما قوت ایمانی کا یہ اثر تھا کہ انسان وحیوانات،

---

(۱) البدایۃ والنہایۃ: ۱۵/۷ (۲) حیاۃ الصحابہ: ۳۶۹/۴

جمادات ونباتات ، شیاطین و جنات ہر چیز ان کی فرمانبرداری اور اطاعت شعاری ، بندگی اور غلامی کے لئے تیار رہتی تھی ، انکے حکم کی تعمیل جنگل کے درندے اور جانور بھی کرتے تھے ، ٹھاٹیں مارتے ہوئے دریا بھی انکے خط کی تعمیل کرتے تھے ، جنگل کے درندے اور جانور بھی ان کی بات مانتے تھے ، جنگل کا بادشاہ شیر بھی ایک مومن کی غلامی میں فخر محسوس کرتا تھا ، شیاطین اور جنات ان کے سامنے سرنگوں اور عاجز ہو جاتے تھے۔

مشرکانہ ذہنیت کی بے راہ روی:

اس کے برخلاف ایمان سے خالی اور عاری دل آسمان کی بلندی ، زمین کی وسعت ، چاند وسورج کی تابانی ، سمندر کے طلاطم اور اس کی گہرائی و گیرائی وغیرہ مناظر قدرت سے اس قدر متأثر ہوتا ہے کہ انہیں کی پوجا وعبادت کو اپنا فرض منصبی سمجھنے لگتا ہے؛ کیونکہ اس کا قلب ایمان سے خالی اور معرفت خداوندی سے عاری اور جلالت وعظمت باری سے ناآشنا ہوتا ہے۔ یہی نہیں بلکہ ہر ہر چیز پر یقین جماتا ہے ، اس ذہنیت کو بے جان پتھروں اور اینٹوں میں بھی کچھ طاقت نظر آتی ہے ، دن ورات کے اوقات میں بھی نفع ونقصان دینے کی صلاحیت دکھائی دیتی ہے ، سال کے موسموں اور بعض مہینوں میں خیر وشر پہنچانے کی استعداد معلوم ہوتی ہے ، دھاگوں اور منکوں ، انگوٹھیوں اور کڑوں میں بھی صحت بخشنے اور بیماری پیدا کرنے کی قوت سمجھ میں آتی ہے ، یہ ذہنیت درختوں اور اس کی شاخوں ، جانوروں اور درندوں ، چاند وسورج وستاروں کو بھی خدا کی طرح مؤثر بالذات خیال کرتی ہے۔ الغرض دنیا کی ہر چیز کے پیچھے یہ ذہنیت دوڑتی ہے اور اس میں خدائی قوت وطاقت کا خیال جماتی ہے۔

کس قدر افسوس ہے کہ آج بہت سے اسلام کے نام لیوا بھی اسی قسم کی باتوں میں مبتلا ہو کر توحید کے اس عظیم وبنیادی عقیدہ سے دور ہو چکے ہیں اور اپنی وہم پرستی اور ایمانی کمزوری کی وجہ سے اس پر پورے نہیں اُترتے اور ایسے افعال واعمال اور

رواجات ورسومات میں مبتلا ہوجاتے ہیں جواس بنیادی عقیدہ کومتزلزل اوراس کی روح کو باطل کردیتے ہیں۔ وہ مخلوقات میں نفع ونقصان کا یقین کرتے اور خیر وشر پر مخلوقات کا اختیار مانتے ہیں، اس لئے مزاروں اورقبروں پر، جھنڈوں اور پنجوں پر، ماہ وایام پر، فال وشگون پر، گنڈوں اور منتروں پر وہی یقین رکھتے ہیں جو خدا کی ذات پر ہونا چاہئے، اور خدا کے علاوہ مختلف چیزوں کی نذرومنت، طواف وسجدہ، ان سے استمداد واستعانت، اوران سے خوف ومحبت وغیرہ امور کرتے رہتے ہیں۔

اگراسلامی معاشرہ خود ہی مظاہر کائنات کے سامنے سربسجود ہوجائے، طاغوت اورشیطان سے خوف زدہ ہوجائے، اور کفروشرک کے سامنے سرنگوں ہوجائے، تو پھر اسلامی معاشرے کا دیگر معاشروں سے امتیاز ہی کیا باقی رہے گا؟ جبکہ اس کی کیفیت یہ ہے کہ اس کا ایمان توحید کی لذتوں سے ناآشنا، لنگڑا اورلولا، بہرا اور گونگا، اندھا اور بے حس ہوچکا ہے، اورایک لاشی وبے جان چیز بن چکا ہے، اس لئے نہ وہ دیکھ سکتا ہے، نہ بول سکتا ہے، نہ سن سکتا ہے اور نہ کچھ کام کاج کرسکتا ہے، اور یہ بات ظاہر ہے کہ ایسے بے جان ایمان اوراپاہج یقین سے کوئی رعب ودبدبہ قائم ہوسکتا ہے، نہ کوئی چیز اسکے سامنے سرنگوں اورمغلوب ہوسکتی ہے، یہی وجہ ہے کہ آج کی اسلامی دنیا اور مسلم معاشرہ کا دیگر اقوام اور ملل میں کوئی خاص مقام اور مرتبہ نہیں سمجھا جاتا اور اسکو خاطر میں نہیں لایا جاتا۔

اگر وہی توحید، اور توکل واعتماد علی اللہ کی ایمانی قوت وطاقت جو صحابۂ کرام کے اسلامی معاشرے میں کارفرما تھی موجودہ مسلم معاشرہ بھی اپنے اندر پیدا کرلے تو اس کا بھی وہی رعب ودبدبہ دنیا میں قائم ہوجائیگا اور تمام مخلوق اس کے سامنے سرنگوں اور مغلوب ہوجائے گی۔

فضائے بدر پیدا کر، فرشتے تیری نصرت کو
اُتر سکتے ہیں گردوں سے، قطار اندر قطار اب بھی

لہٰذا اہل اسلام کو ایک طرف اللہ تعالیٰ کا شکر بجالانا چاہئے کہ اس نے ہمیں توحید کو ماننے والوں میں سے بنایا اور دوسری جانب ان تمام باتوں سے جو اس عظیم الشان عقیدے میں خلل واقع کرنے والی ہیں پرہیز کرنا چاہئے۔

باب اول

توحید کی اہمیت، فضیلت، حقیقت واقسام

توحید — اسلام کا بنیادی عقیدہ:

یہ بات پوشیدہ نہیں کہ عقیدۂ توحید اسلام کا بنیادی و اساسی عقیدہ ہے، اسلام سب سے پہلے اسی کی تعلیم دیتا ہے، اس کے بغیر کسی کے مسلمان ہونے کا تصور نہیں کیا جا سکتا، جو شخص اسلام میں داخل ہونا چاہے اس کے لیے اس کے بغیر کوئی چارہ نہیں کہ وہ سب سے پہلے توحید کا اقرار کرے، اسلام کی ساری عمارت اسی عقیدۂ توحید پر قائم ہے، اگر یہ نہ ہو تو اسلام کی عمارت باقی نہیں رہ سکتی۔

لہٰذا قرآن وحدیث میں اس عقیدہ کا بیان پوری صراحت ومکمل وضاحت کے ساتھ کیا گیا، اور تمام انسانوں کو اس کی جانب دعوت دی گئی ہے:

﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ وَالَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ﴾ [البقرة: ۲۱]

(اے لوگو! اپنے رب کی ہی عبادت کرو جس نے تم کو اور تم سے پہلے لوگوں کو پیدا کیا تا کہ تم دوزخ سے بچ جاؤ)

ایک اور جگہ فرمایا گیا کہ:

﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ ، اللّٰهُ الصَّمَدُ ، لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ ، وَلَمْ يَكُن لَّهُ كُفُوًا أَحَدٌ﴾ [الإخلاص: ۱-۴]

(اے نبی! آپ کہہ دیجئے کہ وہ اللہ ایک ہے، اللہ بے نیاز ہے، نہ اس نے کسی کو جنا اور نہ وہ کسی سے جنا گیا، اور نہ کوئی اس کا ہمسر ہے)

ایک موقعہ پر ارشاد ہے:

﴿ وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ حُنَفَاءَ وَيُقِيمُوا الصَّلَاةَ وَيُؤْتُوا الزَّكٰوةَ وَذٰلِكَ دِينُ الْقَيِّمَةِ ﴾ [البينة:۵]

(اوران کوصرف یہی حکم دیا گیا کہ وہ صرف ایک اللہ کی عبادت دین کواس کے لئے خالص کر کے بغیر کسی کجی کے کریں، اور نماز قائم کریں اور زکوۃ دیں، اور یہی مضبوط دین کی راہ ہے)

اوراحادیث میں بھی اس کا ذکر ہے، ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ:

"بُنِيَ الْإِسْلَامُ عَلٰى خَمْسٍ : شَهَادَةِ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَ أَنَّ مُحَمَّداً رَّسُوْلُ اللّٰهِ ، وَ إِقَامِ الصَّلَاةِ ، وَإِيْتَاءِ الزَّكَاةِ ،وَحَجِّ الْبَيْتِ وَصَوْمِ رَمَضَانَ" (اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے: ایک اس بات کی گواہی دینا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں، دوسرے نماز قائم کرنا، تیسرے زکوۃ دینا، چوتھے بیت اللہ کا حج کرنا اور پانچویں رمضان کے روزے رکھنا)(۱)

ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں:

" بُنِيَ الْإِسْلَامُ عَلٰى خَمْسَةٍ : عَلٰى أَنْ يُوَحَّدَ اللّٰهُ ، وَ إِقَامِ الصَّلَاةِ ، وَإِيْتَاءِ الزَّكَاةِ ، وَصِيَامِ رَمَضَانَ وَ الْحَجِّ " (اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے: اس بات پر کہ اللہ کو ایک مانا جائے ،دوسرے نماز قائم کرنا ،تیسرے زکوۃ دینا، چوتھے رمضان کے روزے رکھنا اور پانچویں حج کرنا)(۲)

الغرض اسلام کی بنیاد واساس اسی عقیدۂ توحید پر ہے، اور سب سے پہلے اسلام

---

(۱) بخاری:۸، مسلم: ۲۱، ترمذی:۲۶۰۹، نسائی:۵۰۰۱، مسند احمد:۴۷۹۸ (۲) مسلم:۱۹، سنن بیہقی:۴/۱۹۹

اسی کا ہر ایک سے مطالبہ کرتا ہے، تاکہ اسلام کی عمارت اسی پر قائم ہو۔

عقیدۂ توحید مدارِ نجات:

پھر یہ بھی ذہن نشین کیجئے کہ اسی عقیدہ پر انسان کی نجات کا دارومدار ہے، اس کے بغیر کسی کے نجات پانے کا کوئی تصور نہیں کیا جا سکتا، اسی لئے قرآن نے صاف کہہ دیا کہ: ﴿إِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُّشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَاءُ وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدِ افْتَرٰى إِثْماً عَظِيماً﴾ [النساء:٤٨]

(بے شک اللہ تعالےٰ نہیں بخشتا اس بات کو کہ شرک کیا جائے اور اس کے علاوہ دوسرے گناہ کو جس کے لئے چاہے معاف کردے گا، اور جس نے اللہ کے ساتھ کسی کو شریک کیا اس نے بڑی گناہ کی بات گھڑی)

اسی سورۂ نساء میں دوسری جگہ آیا ہے کہ:

﴿إِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُّشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَاءُ وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلاً بَعِيداً﴾ [النساء:١١٦]

(بے شک اللہ تعالےٰ نہیں بخشتا اس بات کو کہ شرک کیا جائے اور اس کے علاوہ دوسرے گناہ کو جس کے لئے چاہے معاف کردے گا، اور جس نے اللہ کے ساتھ کسی کو شریک کیا وہ بہت دور کی گمراہی میں جا پڑا)

معلوم ہوا کہ توحید ہی مدارِ نجات ہے، احادیث میں بھی یہ مضمون بہت شرح و بسط کے ساتھ بیان کیا گیا ہے، مثلاً:

۞ ایک حدیث میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کہ ایک اعرابی نبی کریم ﷺ کی خدمت میں آیا، اور عرض کیا کہ: ” دلني على عمل إذا عملته دخلت الجنة“ (کہ مجھے کوئی ایسا عمل بتا دیجئے کہ اگر میں اس کو انجام دوں تو جنت میں داخل ہو جاؤں) اس پر اللہ کے نبی ﷺ نے فرمایا کہ: ” تعبد الله ، ولا تشرك به

شیئاً ، و تقیم الصلاۃ المکتوبۃ ، و تؤ دي الزکوۃ المفروضۃ ، و تصوم رمضان" (تو اللہ ہی کی عبادت کر اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کر اور فرض نماز قائم کر، اور فرض زکوۃ ادا کر اور رمضان کے روزے رکھ)

اس شخص نے کہا کہ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے میں نہ اس پر (اپنی جانب سے) کوئی زیادتی کروں گا اور نہ اس میں کمی کروں گا، اس پر اللہ کے نبی ﷺ نے فرمایا کہ جسے کسی جنتی کو دیکھ کر خوش ہونا ہو وہ اس کو دیکھ لے۔(۱)

❁ ایک حدیث میں حضرت ابوذر غفاریؓ کہتے ہیں کہ میں اللہ کے نبی ﷺ کی خدمت میں آیا تو آپ سوئے ہوئے تھے، میں لوٹ گیا، دوبارہ آیا تو آپ بیدار ہو چکے تھے، آپ نے فرمایا کہ: " ما من عبد قال : لا إله إلا اللّٰه ، ثم مات علی ذلك إلا دخل الجنة "(جس بندے نے یہ کہا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، پھر اسی پر اس کی موت آ گئی تو وہ جنت میں داخل ہوگا) الخ (۲)

❁ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، کہتے ہیں کہ میں ایک موقعہ پر اللہ کے نبی ﷺ کے پیچھے آپ کے گدھے پر سوار تھا، میرے اور آپ کے درمیان کجاوے کی لکڑی کے سوا کوئی چیز حائل نہیں تھی، آپ نے فرمایا: اے معاذ! کیا تو جانتا ہے کہ اللہ کا کیا حق اس کے بندوں پر ہے؟ اور بندوں کا کیا حق اللہ پر ہے؟ میں نے کہا کہ اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں، آپ نے فرمایا کہ: "اللہ کا حق بندوں پر یہ ہے کہ وہ اسی کی عبادت کریں اور اسکے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ ٹھیرائیں، اور بندوں کا حق اللہ پر یہ ہے کہ وہ شرک نہ کرنے والے کو عذاب نہ دے۔ حضرت معاذ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ کیا میں اس کی بشارت لوگوں کو سنادوں؟ فرمایا کہ ابھی یہ بشارت نہ

(۱) بخاری: ۱۳۳۳، مسلم: ۱۵، مسند احمد: ۸۴۹۶، سنن بیہقی: ۸۳/۴ (۲) بخاری: ۵۴۸۹، مسلم: ۱۵۴، احمد: ۲۱۵۰۴

سناؤ، کہیں وہ اسی پر ٹیک لگالیں گے (اور عمل کرنا چھوڑ دیں گے)(۱)

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ ہی سے مروی ہے کہ میں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! مجھے ایسا کوئی عمل بتادیجئے جو مجھے جنت میں لے جائے اور دوزخ سے دور کردے؟ آپ نے فرمایا کہ تم نے بہت بڑی چیز کا سوال کیا ہے، اور وہ اسی پر آسان ہوتی ہے جس کے لئے اللہ آسان کردے، اور وہ یہ ہے کہ تو اللہ ہی کی عبادت کر اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کر اور نماز قائم کر اور زکوۃ ادا کر اور رمضان کے روزے رکھ اور بیت اللہ کا حج کر۔ (۲)

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آیا، اور عرض کیا کہ: " وما الموجبتان ؟ کہ دو واجب کرنے والی چیزیں کیا ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ:" من مات یشرك باللّٰه شیئا دخل النار، ومن مات لا یشرك باللّٰه شیئا دخل الجنة"(جو شخص اس حال میں مرا کہ وہ اللہ کے ساتھ شرک کرتا تھا وہ دوزخ میں داخل ہوا اور جو اس حال میں مرا کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کیا وہ جنت میں داخل ہوا)۔ (۳)

ان سب احادیث سے واضح طور پر معلوم ہوا کہ توحید کا عقیدہ اسلام میں اس قدر اہم ہے کہ وہ مدار نجات ہے، اور اس کے بغیر نجات نہیں ہوسکتی۔

عقیدۂ توحید کی فضیلت:

جب توحید کی اہمیت وضرورت واضح ہوگئی تو اب یہ بھی سننا چاہئے کہ توحید کی بڑی فضیلت ہے، اور کلمہ توحید کا بھی بڑا مقام ہے۔اس کی چند فضیلتیں بیان کی جاتی ہیں:

ایک یہ کہ وہ جہنم سے نجات کا ضامن ہے، حضرت عبادہ بن الصامت نے

(۱) بخاری:۱۰۱ ۲۷، مسلم:۴۸ (۲) ترمذی:۲۶۱۶، ابن ماجہ:۳۹۷۳، احمد:۲۲۰۶۹، مستدرک: ۲/ ۴۴۷ (۳) مسلم:۱۵۱، احمد:۱۵۲۳۷، مسند ابویعلی:۴/۱۸۸

روایت کیا ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ :" من شهد أن لا إله إلا اللّٰه و أن محمداً رسول اللّٰه حرم اللّٰه عليه النار"(جس نے یہ گواہی دی کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ کہ محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں تو اس پر اللہ تعالے جہنم کو حرام کر دیتا ہے)۔(۱)

❁ دوسری یہ کہ اس کی وجہ سے آدمی جنت میں داخل کیا جاتا ہے، جیسا کہ ابھی حضرت ابوذر غفاری سے گزرا کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ: " ما من عبد قال : لا إله إلا اللّٰه ، ثم مات على ذلك إلا دخل الجنة "(جس بندے نے یہ کہا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، پھر اسی پر اس کی موت آگئی تو وہ جنت میں داخل ہوگا) الخ۔(۲)

❁ تیسری یہ کہ یہ کلمہ تمام اعمال میں سب سے زیادہ وزن دار ہوگا، حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا ہے کہ اللہ تعالے میری امت کے ایک شخص کو قیامت کے دن سب مخلوقات کے سامنے نجات دیں گے پس اس کے سامنے اس کے نامۂ اعمال کے ننانوے دفتر کھولدئے جائیں گے، ان میں سے ہر دفتر اتنا بڑا ہوگا جہاں تک کہ نظر جائے گی، اللہ تعالی اس سے فرمائیں گے کہ کیا تو ان میں سے کسی کا انکار کرتا ہے؟ کیا میرے محافظ فرشتوں نے تجھ پر ظلم کیا ہے؟ وہ عرض کرے گا کہ نہیں، اے میرے پروردگار، اللہ تعالی فرمائیں گے کہ کیا تیرا کوئی عذر ہے؟ وہ کہے گا کہ نہیں اے میرے رب، اللہ تعالی فرمائیں گے ہاں ہمارے پاس تیری ایک نیکی ہے، اور آج تجھ پر کوئی ظلم نہیں ہوگا، پھر ایک پرچہ نکالیں گے جس میں لکھا ہوگا : " أشهد أن لا إله إلا اللّٰه و أشهد أن محمداً عبده ورسوله "، اللہ تعالی فرمائیں گے کہ چل تیرے عمل کا وزن کرلے، وہ عرض کرے گا کہ

(۱) مسلم:۴۸، ترمذی:۲۶۳۸، سنن کبری نسائی:۶/۷، احمد:۲۲۷۶۳ (۲) بخاری: ۵۴۸۹، مسلم:۱۵۴، احمد:۲۱۵۰۴

اے رب! یہ عمل ان گناہوں کے دفتروں میں کیا حیثیت رکھتا ہے؟ اللہ تعالے فرمائیں گے کہ تجھ پر ظلم نہیں کیا جائے گا، پھر اس کے گناہوں کے وہ دفتر ایک پلڑے میں اور یہ شہادت کی پرچی دوسرے پلڑے میں رکھی جائے گی ،تو وہ سارے دفتر بے وزن ہوجائیں گے اور یہ پرچی کا پلڑا بھاری ہوگا۔(۱)

۞ ایک فضیلت یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ:" الإيمان بضع و ستون – و في رواية : سبعون – شعبةً فأفضلها لا إله إلا الله ، و أدناها إماطة الأذى عن الطريق "(ایمان کے ساٹھ سے کچھ اوپر یا ستر سے کچھ اوپر شعبے ہیں،ان میں سے افضل " **لا إله إلا الله** "اورادنی راستے سے تکلیف دینے والی چیز کا ہٹادینا ہے)۔(۲)

۞ ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک مؤذن کو یہ کلمہ کہتے ہوئے سنا:" أَشْهَدُ أَن لَّا إِلٰهَ إِلَّااللّٰهُ "(میں گواہی دیتا ہوں کہ سوائے اللہ کے کوئی معبود نہیں) آپ نے فرمایا کہ تو دوزخ سے نکل گیا۔(۳)

بائیبل میں توحید کا بیان:

جب ہم نے یہ دیکھ لیا کہ اسلام میں عقیدۂ توحید کا کیا مقام ومرتبہ ہے اور اس کی کیا اہمیت ہے تو اب یہ جان لینا بھی مناسب ہے کہ توحید کا یہ پیغام تمام صحف سماویہ کی بھی دعوت رہی ہے ،اور اگرچہ آج ہمارے پاس وہ آسمانی صحائف اپنی اصلی شکل و صورت میں موجود نہیں ہیں ،اوران میں بے شمار تحریفات ہوچکی ہیں ،تاہم آج بھی اس میں ''توحید'' کا ذکر ملتا ہے، یہاں موجودہ ''بائیبل'' کے چند حوالے پیش کئے جاتے ہیں:

(۱) ترمذی: ۲۶۳۹، ابن ماجہ: ۴۳۰۰، احمد: ۶۹۹۴، صحیح ابن حبان: ۴۶۱/۱، مستدرک: ۴۶/۱، معجم اوسط طبرانی: ۹/۵۷، شعب الایمان: ۲۶۴/۱ (۲) بخاری: ۹، مسلم: ۵۷ (۳) مسلم ۱۶۶/۱، ترمذی ۲۹/۱، مسند احمد ۲۲۹/۳

(۱) تورات کی دوسری کتاب ''خروج'' میں ہے کہ:

''خداوند تیرا خدا جو تجھے ملک مصر سے اور غلامی کے گھر سے نکال لایا، میں ہوں، میرے حضور تو غیر معبودوں کو نہ ماننا، تو اپنے لئے کوئی تراشی ہوئی مورت نہ بنانا، نہ کسی چیز کی صورت بنانا، جو اوپر آسمان میں یا نیچے زمین پر یا زمین کے نیچے پانی میں ہے، تو ان کے آگے سجدہ نہ کرنا اور نہ ان کی عبادت کرنا، کیونکہ میں خداوند تیرا خدا غیور خدا ہوں''۔(۱)

(۲) اسی کتاب خروج میں ایک اور جگہ ہے:

'' تو ان کے معبودوں کو سجدہ نہ کرنا، نہ ان کی عبادت کرنا، نہ ان کے سے کام کرنا، بلکہ تو ان کو بالکل الٹ دینا اور ان کے ستونوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالنا، اور تو خداوند اپنے خدا کی عبادت کرنا، تب وہ تیری روٹی اور پانی پر برکت دیگا''۔(۲)

(۳) تورات کی پانچویں کتاب ''استثناء'' میں ہے:

''خداوند تیرا خدا تجھ سے اس کے سوا کیا چاہتا ہے کہ تو خداوند اپنے خدا کا خوف مانے اور اس کی سب راہوں پر چلے اور اس سے محبت رکھے اور اپنے سارے دل اور اپنی ساری جان سے خداوند اپنے خدا کی بندگی کرے اور خداوند کے جو احکام اور آئین میں تجھ کو آج بتاتا ہوں ان پر عمل کرے تاکہ تیری خیر ہو، دیکھ آسمان اور آسمانوں کا آسمان اور زمین اور جو کچھ زمین میں ہے یہ سب خداوند تیرے خدا ہی کا ہے''۔(۳)

(۴) تورات کی تیسری کتاب ''احبار'' میں لکھا ہے:

''تم اپنے لئے بت نہ بنانا اور نہ کوئی تراشی ہوئی مورت یا لاٹ اپنے لئے کھڑی کرنا اور نہ اپنے ملک میں کوئی شبیہ دار پتھر رکھنا کہ اسے سجدہ کرو، اس لئے کہ میں

---

(۱) کتاب خروج: باب ۲۰، آیات: ۲-۵ (۲) کتاب خروج: باب ۲۳، آیات: ۲۴-۲۵

(۳) استثناء: باب: ۱۰، آیات: ۱۲-۱۴

خداوند تمہارا خدا ہوں۔(۱)

(۵) یوشع کے صحیفہ میں ہے:

''اور نہ ان کے دیوتاؤں کے نام کا ذکر کرو اور نہ ان کی قسم کھاؤ اور نہ ان کی پرستش کرو، اور نہ ان کو سجدہ کرو، بلکہ خداوند اپنے خدا سے لپٹے رہو''۔(۲)

(۶) یرمیاہ نبی کے صحیفہ میں ہے:

''تم ان سے یوں کہنا کہ یہ معبود جنھوں نے آسمان اور زمین کو نہیں بنایا، زمین پر سے اور آسمان کے نیچے سے نیست ہو جائیں گے، اسی (اللہ) نے اپنی قدرت سے زمین کو بنایا، اسی نے اپنی حکمت سے جہاں کو قائم کیا، اور اپنی عقل سے آسمان کو تان دیا ہے۔ اس کی آواز سے آسمان میں پانی کی فراوانی ہوتی ہے اور وہ زمین کی انتہاء سے بخارات اُٹھاتا ہے، وہ بارش کے لئے بجلی چمکاتا ہے اور اپنے خزانوں سے ہوا چلاتا ہے، ہر آدمی حیوان خصلت اور بے علم ہو گیا ہے، ہر ایک سنار اپنی کھودی ہوئی مورت سے رسوا ہے کیونکہ اسکی ڈھالی ہوئی مورت باطل ہے، ان میں دم نہیں، وہ باطل فعل فریب ہیں۔(۳)

یہ بطور نمونہ چند حوالے پیش کئے گئے ہیں، ورنہ موجودہ بائیبل میں بہت سے مقامات پر توحید باری کا بیان صراحت و وضاحت کے ساتھ موجود ہے۔

ویدوں میں توحید کی تعلیم:

بائیبل کے بعد ذرا ہندو مذہب کی کتابوں پر بھی ایک نظر ڈالتے چلیں، ان میں بھی توحید کی تعلیم واضح اور کھلے الفاظ و انداز میں دکھائی دیتی ہے، اور شرک کی مذمت پوری صفائی کے ساتھ ملتی ہے، یہاں مولانا شمس نوید عثمانی کی کتاب ''اگر اب بھی نہ جاگے تو!'' کے حوالے سے ہندوؤں کے مقدس ''ویدوں'' کی چند عبارات پیش کی جاتی ہیں:

---

(۱) احبار: باب: ۲۶، آیت: ۱ (۲) صحیفہ یشوع: باب: ۲۳، آیت: ۷

(۳) صحیفۂ یرمیاہ: ۱۰/۱۱-۱۵

(۱) رگ وید میں ہے کہ:''وہ تمام جاندار اور بے جان دنیا کا بڑی شان و شوکت کے ساتھ اکیلا حکمراں ہے، وہ جو انسانوں اور جانوروں کا رب ہے (اسے چھوڑ کر) ہم کس خدا کی حمد کرتے ہیں اور نذرانے چڑھاتے ہیں؟''۔

(۲) رگ وید ہی میں ایک اور جگہ یوں آیا ہے:'' ایشور ہی اول اور تمام مخلوقات کا اکیلا مالک ہے وہ زمینوں اور آسمانوں کا مالک ہے، اسے چھوڑ کر تم کون سے خدا کو پوج رہے ہو؟''۔

(۳) اسی رگ وید میں ہے کہ''اسی سے آسمانوں میں مضبوطی اور زمین میں استحکام ہے، اسی کی وجہ سے اجالوں کی بادشاہت ہے اور آسمان محراب کی (شکل) میں ٹکا ہوا ہے، فضا کے پیمانے بھی اسی کے لئے ہیں، (اسے چھوڑ کر) ہم کس کی حمد کرتے ہیں اور نذرانے چڑھاتے ہیں؟''

(۴) یجر وید میں آیا ہے کہ:'' اس ہستی کی کوئی مورتی یا تصویر نہیں ہے، اس کا نام ہی سراپا حمد ہے''۔

(۵) یجر وید ہی میں آیا ہے کہ:''جو لوگ باطل وجود والے دیوی، دیوتاؤں کی عبادت کرتے ہیں وہ اندھا کر دینے والے گہرے اندھیرے میں ڈوب جاتے ہیں''۔

(۶) اتھر وید میں کہا گیا ہے:''وہ ایک ہی بہترین پرستش کئے جانے کے قابل رب ہے''۔

یہ چند حوالے نمونہ کے طور پر پیش کئے گئے ہیں جن سے یہ بات صاف طور پر معلوم ہوتی ہے کہ جس طرح اسلام کی تعلیم ایک خدا کی عبادت و پرستش کی ہے، اسی طرح ویدوں میں بھی وہ تعلیم دی گئی ہے اور شرک اور بتوں کی پوجا و پرستش سے منع کیا گیا ہے مگر افسوس کہ یہ ہندو قوم اس تعلیم سے غافل ہو کر ایک خدا کے بجائے ہزاروں خداؤں کی پرستش میں لگی ہوئی ہے۔

توحید باری پر عقلی دلائل:

توحید باری تعالی کا عقیدہ ان مسلمات میں سے ہے جن پر نہ صرف اہل شرائع کا اتفاق ہے، بلکہ اس پر اہل عقل و منطق بھی متفق ہیں، اور فلاسفہ ومناطقہ نے بھی اور دیگر اہل عقل ودانش نے بھی اس پر اپنے اپنے طریقے سے دلائل پیش کئے ہیں:

پہلی دلیل: یہ ہے کہ اگر خدا کی ہستی ایک سے زائد دو، تین مانی جائے تو یہ محال و ناممکن ہے؛ کیونکہ یہ بات تو یقینی و مسلم ہے کہ جس کو خدا کہا جائے وہ ہر طرح کے عیب ونقص سے پاک ومنزہ ہونا چاہئے؛ کیونکہ اگر خدا میں عیب ونقص ہوتو وہ خدا ہی نہیں ہوسکتا، اوراس میں اور بندوں میں کوئی فرق نہ رہے گا، لہٰذا خدا کا کامل ہونا اور ہر عیب وکمی سے پاک ہونا لازمی ہے۔ جب یہ بات معلوم ہوگئی تو اب ہم مثلاً سورج یا چاند کی تخلیق کے بارے میں سوال کرتے ہیں کہ ان کے وجود کی تین صورتوں میں سے کوئی ایک صورت ہوگی: یا تو دونوں کی پوری پوری طاقت وقدرت سے وہ وجود میں آئے، یا کسی ایک کی کامل قدرت سے وجود میں آئے یا دونوں کی تھوڑی تھوڑی قدرت سے وجود میں آئے۔ لیکن ان میں سے ہر صورت باطل ہے:

اول اس لئے کہ دو خداؤں کی پوری پوری طاقت وکامل قدرت جب استعمال ہوگی تو سورج یا چاند کے ایک وجود میں دو طاقتوں وقدرتوں کا کارفرما ہونا لازم آئے گا، اور یہ محال ہے کیونکہ ایک سانچے میں دو چیزیں سما نہیں سکتیں، ایک سیر اناج کے برتن میں دو سیر سما نہیں سکتے، اور اگر اس کی کوشش کی جائے کہ دو دو سما جائیں تو وہ ٹوٹ جاتے ہیں، اسی طرح اگر دو خداؤں کی کامل طاقت وقدرت نے اپنا اپنا اثر سورج یا چاند کی پیدائش میں دکھایا تو سورج و چاند کو وجود میں آنے کی گنجائش ہی نہ ہوگی، بلکہ اگر وجود میں آئیں بھی تو وہ ٹوٹ پھوٹ جائیں گے۔

دوسری اس لئے کہ جب ایک ہی کی طاقت سے سورج یا چاند مثلاً وجود میں آیا

تو وہ دو خداؤں کا نہ ہوا، لہٰذا خدا تو ایک ہی ہوا، جبکہ فرض یہ کیا گیا تھا کہ وہ دو یا تین ہیں، معلوم ہوا کہ دو خداؤں کا تصور باطل ہے۔

اور تیسری اس لئے کہ جب دو خداؤں کی تھوڑی تھوڑی قدرت سے یہ سورج یا چاند وجود میں آیا ہے تو سوال یہ ہے کہ ایسا کیوں ہوا؟ کیا اس لئے کہ وہ خدا دونوں کے دونوں اپنے اندر نقص و کمی رکھتے تھے، اس لئے سورج کے پیدا کرنے میں وہ ایک دوسرے کے محتاج ہوئے؟ اگر یہ بات ہے تو پھر وہ خدا ہی کیا ہوئے جن میں عیب و نقص ہے؟ خدا تو وہ ہوتا ہے جس میں کمال ہی کمال ہو، کوئی عیب و نقص و کمی نہ ہو۔

معلوم ہوا کہ دو خداؤں کا تصور محض باطل ہے، لہٰذا خدا صرف ایک ہی ایک ہے، اس کے ساتھ کوئی اور اس کا شریک و ساجھی نہیں، وہ "وحده لا شريك له" ہے۔

دوسری دلیل: یہ ہے کہ اگر دو خدا فرض کئے جائیں تو سوال یہ ہے کہ مخلوقات کو پیدا کرنے میں اگر ایک خدا ایک بات کو چاہے اور دوسرا اس کے خلاف دوسری بات کو چاہے تو کیا یہ ایک دوسرے کے خلاف اپنی اپنی منشا کو پورا کر سکتے ہیں یا نہیں؟ اگر یہ کہا جائے کہ وہ دو خدا ایک دوسرے کے خلاف اپنی اپنی منشا کے مطابق نہیں کر سکتے تو اس سے ان خداؤں کا عاجز و ناقص ہونا لازم آتا ہے کہ خدا ہو کر بھی اپنی منشا کے مطابق نہیں کر سکے۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ وہ ایک دوسرے کے خلاف اپنی اپنی منشا کے مطابق کر سکتے ہیں تو یہ بھی محض باطل ہے؛ کیونکہ اس صورت میں وہ مخلوق کیسے وجود میں آئے گی؟ جبکہ ایک خدا اس کو پیدا کرنا چاہتا ہے اور دوسرا اس کو پیدا کرنا ہی نہیں چاہتا، تو وہ مخلوق آخر کس کی منشا کے مطابق وجود میں آئے؟ اور اگر یہ کہا جائے کہ ان دو میں سے ایک کی منشا پوری ہوگی ایک کی نہ ہوگی تو اس صورت میں ہم کہیں گے کہ جس کی منشا پوری ہوئی وہی خدا ہے اور جس کی پوری نہیں ہوئی وہ خدا ہی نہیں، کیونکہ وہ عاجز ہے۔ اس سے بھی معلوم ہوا کہ دو خداؤں کا فرض کرنا ایک امر محال کو مستلزم ہے۔

تیسری دلیل: یہ کہ اگر دو خدا ہوں تو ان میں ایک دوسرے پر غلبہ پانے کے لئے آپس میں رسہ کشی ہوتی، جس کے نتیجہ میں نظام عالم درہم برہم ہو جاتا، کیونکہ ایک ہی مرتبے کے دو انسان بھی کسی ایک ادارے اور نظام کے متولی نہیں ہو سکتے، ورنہ ان میں رسہ کشی و تنازع ایک لازمی بات ہے، جس کی وجہ سے نظام میں اختلال و خرابی بھی لازمی ہے، اسی طرح دو خداؤں کو فرض کیا جائے تو یہی صورت حال لازم آتی، حالانکہ نظام عالم کی ہر شئ اپنی جگہ بہت مستحکم ہے جس کا ہم ہر وقت نظارہ کرتے ہیں، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دو خدا کا ہونا باطل ہے، ورنہ یہ نظام کیونکر باقی و مستحکم رہتا۔

قرآن میں اسی دلیل کی جانب اشارہ کیا گیا ہے:

﴿لَوْ كَانَ فِيهِمَا آلِهَةٌ إِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا﴾ [الانبیاء: ۲۲] (اگر زمین وآسمان میں اللہ کے سوا چند خدا ہوتے تو وہ دونوں زمین وآسمان برباد ہو جاتے)

ایک اور جگہ ارشاد ربانی ہے:

﴿مَا اتَّخَذَ اللّٰهُ مِنْ وَّلَدٍ وَمَا كَانَ مَعَهُ مِنْ إِلٰهٍ إِذاً لَّذَهَبَ كُلُّ إِلٰهٍ بِمَا خَلَقَ وَلَعَلَا بَعْضُهُمْ عَلىٰ بَعْضٍ سُبْحَانَ اللّٰهِ عَمَّا يَصِفُونَ﴾ [المؤمنون: ۹۱] (اللہ نے کوئی اپنا بیٹا نہیں بنایا، اور نہ اس کے ساتھ کوئی اور خدا ہے، اگر کوئی اور خدا اس کے ساتھ ہوتا تو اس وقت ہر خدا اپنی پیدا کردہ مخلوق کو لے جاتا اور ایک دوسرے پر چڑھائی کرتا، اللہ کی ذات ان سب باتوں سے پاک ہے جن سے یہ لوگ اس کو موصوف کرتے ہیں)

الغرض توحید کا مسئلہ عقل ونقل دونوں طریقوں سے ثابت ہے اور تمام اہل ملل کا متفقہ و مسلمہ عقیدہ ہے، اگر چہ ان ملتوں نے اپنی کتابوں میں اور اپنے مذہب و عقیدے میں تحریف وتبدیلی کر کے اس کو اپنی اصلی شکل وصورت میں باقی نہیں رکھا، اور اس طرح وہ اصل توحید سے دور بت پرستی وشرک میں مبتلا ہو گئیں۔

توحید خالص اسلام کی خصوصیت ہے:

لیکن اسی کے ساتھ اس حقیقت کو بھی فراموش نہیں کرنا چاہئے کہ توحید خالص جو ہر قسم کے شائبۂ شرک سے بھی پاک وصاف ہے وہ تو صرف اور صرف اسلام میں پائی جاتی ہے، کسی اور مذہب میں اس کا وجود نہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ حسبِ اعلان خداوندی اسلام ہی کو یہ اعزاز بخشا گیا ہے کہ وہ دیگر مذاہب وادیان کے مقابلے میں اپنی انتہائی و حتمی و مکمل صورت وشکل میں موجود ہے، جیسا کہ قرآن نے کہا :

﴿ اَلۡيَوۡمَ أَكۡمَلۡتُ لَكُمۡ دِيۡنَكُمۡ وَأَتۡمَمۡتُ عَلَيۡكُمۡ نِعۡمَتِيۡ وَرَضِيۡتُ لَكُمُ الإِسۡلاَمَ دِيۡناً ﴾ [المائدة:۳]

(آج کے دن میں نے تمہارے لئے تمہارے دین کو مکمل کر دیا اور میں نے تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور میں نے تمہارے لئے اسلام کو دین کے طور پر اختیار کرنے کے لئے پسند کر لیا)

اسلام سے پہلے اگر چہ ہر مذہب میں خدا کے ایک ہونے کا تصور وعقیدہ ملتا ہے، مگر ایک تو محرف شکل میں، دوسرے ناقص ونامکمل صورت میں، کیونکہ ان کے یہاں خود خدا کی ہستی کے بارے میں کوئی واضح و جامع نقشہ وتصور نہیں تھا، خدا کی ہستی کون ہے؟ کیسی ہے؟ کیا اس کی کوئی صورت وشکل ہے؟ یا وہ اس سے منزہ ہے؟ وہ ذات کن صفات وخصوصیات کی حامل ہے؟ اس کے بارے میں کیا سمجھا جانا چاہئے اور کن باتوں کو اس کی جانب منسوب کرنا روا ہے اور کن باتوں کا منسوب کرنا روا نہیں ہے؟ کیا وہ انسانوں کی طرح کسی چیز میں کسی کا محتاج ہوسکتا ہے یا نہیں؟ وہ مخلوقات جیسی صفات سے متصف ہوسکتا ہے یا نہیں؟ کیا وہ کسی اپنی مخلوق سے مرعوب بھی ہوتا ہے؟ یہ سارے سوالات ایسے ہیں جن کا کوئی جواب یا تو ان کے پاس نہیں ہے یا اگر ہے تو واضح طور پر نہیں ہے۔

میں یہاں صرف ایک دو نمونہ ما قبل ادیان کے حوالے سے دیتا ہوں جس سے اس بات کا اندازہ لگانا آسان ہوگا کہ ان لوگوں کے پاس خدا کی ہستی کے بارے میں کوئی واضح تخیل نہیں تھا۔

یہود و نصاری کی مستند کتاب توریت کی پہلی کتاب ''پیدائش'' میں ایک واقعہ حضرت یعقوب علیہ السلام کا لکھا ہے، اس کو پڑھنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ لوگ خدا کو کیا سمجھتے تھے؟ اب سنئے:

''رات اُٹھا اور اپنی دونوں بیویوں اور دونوں لونڈیوں اور گیارہ بیٹوں کو لے کر ان کو یبوق کے گھاٹ سے پار اُتارا، اور ان کو لے کر ندی پار کرایا اور اپنا سب کچھ پار بھیج دیا، اور یعقوب اکیلا رہ گیا اور پو پھٹنے کے وقت تک ایک شخص وہاں اس سے کشتی لڑتا رہا، جب اس نے دیکھا کہ وہ اس پر غالب نہیں ہوتا تو اس کی ران کو اندر کی طرف سے چھوا اور یعقوب کی ران کی نس اس کے ساتھ کشتی کرنے میں چڑھ گئی، اور اس نے کہا مجھے جانے دے کیونکہ پو پھٹ چلی، یعقوب نے کہا کہ جب تک تو مجھے برکت نہ دے میں تجھے جانے نہیں دوں گا، تب اس نے اس سے پوچھا کہ تیرا نام کیا ہے؟ جواب دیا یعقوب، اس نے کہا کہ تیرا نام آگے کو یعقوب نہیں بلکہ اسرائیل ہوگا، کیونکہ تو نے خدا اور آدمیوں کے ساتھ زور آزمائی کی اور غالب ہوا۔ (۱)

اس واقعہ میں یہ دکھایا گیا ہے کہ حضرت یعقوب کی نعوذ باللہ خدا سے کشتی ہوئی اور خدا کے مقابلہ میں یعقوب کو غلبہ حاصل ہوا اور اس زور آزمائی میں غالب ہونے کی بنا پر خدا کی طرف سے ''اسرائیل'' لقب پانے کے مستحق ٹھہرے۔ کیا ایک موٹی سے موٹی عقل رکھنے والا بھی اس واقعہ کو باور کر سکتا ہے؟ نہیں، مگر اس قدر بے سر و پا واقعہ یہود و نصاری دونوں کے نزدیک مستند و مسلم مذہبی کتاب کا جزو و حصہ ہے جس پر ایمان و اعتقاد

(۱) کتاب پیدائش: ۳۲/۲۲-۲۸

ان کے نزدیک لازم ہے۔

دوسری مثال ہندو قوم کے خداؤں کی پیش کی جاسکتی ہے جن کی تعداد تین کروڑ تک بتائی جاتی ہے، ان کے یہ خدا اگر چہ ان کے بقول خدا کی مختلف صورتیں یا مختلف صفات کے مظاہر ہیں، تاہم اس سے اس حقیقت پر خوب روشنی پڑتی ہے کہ ان کے نزدیک خدا کا تصور کس قسم کا ہے؟ نیز ان کے پاس ایک خدا ''براہما'' تخلیق کرتا ہے اور ایک ''''بقاء ونظام کا خدا ہے اور ایک ''وشنو'' تخریب کا مالک ہے، اس طرح خدا کو ایک ماننے کا جو تصور وید پیش کرتے ہیں وہ ان کے یہاں ایک بھول بھلیاں کے سوا کچھ نہیں۔ نیز ان لوگوں نے اپنے خداؤں کے بارے میں جو کہانیاں بنا رکھی ہیں اس سے بھی ان کے خدا کے بارے میں انتہائی غلط تصورات کا خوب اندازہ ہو جاتا ہے، مثلاً خداؤں کی آپسی لڑائیاں، خداؤں میں زنا اور بے حیائی وغیرہ جس کو بیان کرنے بلکہ تصور کرنے سے بھی گھن آتی ہے۔

مگر اسلام نے خدا کا وہ واضح تصور اور جامع تخیل پیش کیا جس کے بعد کسی طرح کے ابہام واشکال کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہی، اور یہ واضح ہو گیا کہ اللہ تعالی کے بارے میں ایک انسان کیا عقیدہ رکھے اور کیا نہ رکھے اور یہ کہ کیا اس کی جانب منسوب کرے اور کیا نہ کرے۔ اسی کے ساتھ ساتھ اسلام نے ایک کام اور کیا، وہ یہ کہ ماقبل ادیان و مذاہب میں جن جن راہوں سے شرک داخل ہوا اور ایمان وتوحید کے بگاڑ کا باعث بنا، اسلام نے ان راہوں اور راستوں ہی کو مسدود کر دیا، جس کی وجہ سے ''توحید خالص'' اسلام کا خاصہ وامتیاز قرار پاتا ہے، جیسا کہ اس کی تفصیلات ہم آگے چلکر بیان کریں گے۔

غیر مسلمین کا اسلامی توحید کو خراج تحسین:

یہی وجہ ہے کہ غیروں میں بھی جو لوگ انصاف پسند اور معتدل خیالات کے حامل اور تعصب و تنگ نظری سے دور ہیں، انہوں نے اسلامی خالص توحید کو خراج تحسین پیش کیا ہے اور اس کا دوسرے مذاہب سے موازنہ و مقابلہ کرنے کے بعد اس کی خوبی کے قائل ہوئے ہیں۔ یہاں اس سلسلہ میں چند بیانات نقل کئے جاتے ہیں:

ڈاکٹر اینڈریوز کہتا ہے کہ:

''تاریخ کے ایک نہایت نازک موڑ پر جب تمام دنیا بتوں کی پوجا کر رہی تھی تو اسلام نے '' لا إله إلا الله '' کی آواز بلند کی۔ اگر آج دنیا میں خدا کا ایک واضح اور غیر مبہم تصور ملتا ہے تو وہ اسلام اور مسلمانوں کی انتھک اور طویل جدوجہد کا نتیجہ ہے''۔(۱)

ڈاکٹر گبن نے کس قدر واضح الفاظ میں اس کا اعتراف کیا ہے:

''محمد ﷺ کا مذہب شک و ابہام سے بالکل مبرا ہے اور قرآن، خدا کی توحید کی درخشندہ شہادت ہے۔ نبی عربی نے بتوں، انسانوں اور اجسام سماوی کی پرستش کو اس بصیرت افروز دلیل کی بنا پر رد کر دیا کہ ''جو طلوع ہوتا ہے وہ غروب بھی ہوتا ہے، جو پیدا ہوتا ہے وہ مرتا بھی ہے، آپ کے دینی جوش و ولولہ نے جو مبنی علی البصیرت تھا، خالق کائنات کی صورت میں اس لا انتہاء ذات سرمدی کا اقرار کر کے اسے مرکز حمد و ستائش قرار دے دیا، جو صورت اور مکان کی جہت سے بلند و بالا اور اولاد اور مثیل کی کیفیتوں سے بالا تھی، وہ ذات جو ہمارے پوشیدہ خیالات تک میں موجود اور خود اپنی ذات سے قائم ہے اور جس کے سرچشمہ سے عقل و اخلاق کے جوہروں کی تکمیل ہوتی ہے .... لا إله إلا الله محمد رسول الله اسلام کا نہایت سادہ اور غیر متبدل عقیدہ ہے، اس کا خدائی تصور بھی کبھی غیر مرئی ہستیوں کا شرمندہ نہیں ہو سکا،

(۱) بحوالہ اسلام، قرآن، محمد غیر مسلموں کی نظر میں، از محمد انور بن اختر: ۱۵

رسول اللہ کا درجہ کبھی بشریت سے تجاوز نہیں کر سکا۔(۱)

امریکہ کے مشہور و ممتاز جریدہ ''لائف'' کے ایڈیٹر نے لکھا ہے کہ:

''عرب میں حضرت محمد ﷺ نے ایک توحیدی دین کی بنیاد ڈالی جس نے آگے چل کر پورے عالم انسانیت کو اپنے سائے میں لے لیا۔ اسلام جو دنیا کے عظیم اور عالم گیر مذاہب میں سب سے کم عمر ہے کئی طرح سے نہایت آسان اور واضح مذہب ہے، اس مذہب کے پیرو ایک خدا کی عبادت و بندگی کرتے ہیں جو ہر شے پر محیط ہے۔(۲)

ایڈورڈ ڈینی سن راس نے جارج سیل کے انگریزی ترجمۂ قرآن کے مقدمہ میں لکھا ہے:

''تاہم یہ حقیقت کبھی فراموش نہیں کرنی چاہئے کہ محمد ﷺ کا وہ بنیادی عقیدہ جس کی انہوں نے تبلیغ کی، خواہ وہ تبلیغ عرب کے معاصر باشندوں کو کی ہو جو ستارہ پرست تھے؛ خواہ وہ تبلیغ ایرانیوں کو کی ہو جو یزداں اور اہرمن پر ایمان رکھتے تھے؛ خواہ اہل ہند کو کی ہو جو بت پرست تھے اور خواہ ترکوں کو کی ہو جو عبادت کا کوئی مخصوص طریقہ نہیں رکھتے تھے، یہ تبلیغ بہر حال توحید خداوندی کی تبلیغ تھی اور ہمیں یہ بھی نہ بھولنا چاہئے کہ غازیوں کی تلوار سے کہیں زیادہ اس عقیدے کی سادگی نے اشاعت اسلام میں اہم کردار ادا کیا۔(۳)

ڈاکٹر راڈویل کہتا ہے کہ:

''یہ ضرور تسلیم کرنا پڑے گا کہ اللہ تعالی کا جو تخیل بلحاظ صفات قدرت، علم عام ربوبیت اور وحدانیت کے قرآن میں موجود ہے، اس جیسا کہیں نہیں، اس بنا پر قرآن

(۱) اسلام، قرآن، محمد غیر مسلموں کی نظر میں: ۱۵-۱۶ (۲) اسلام، قرآن، محمد غیر مسلموں کی نظر میں: ۵۶ (۳) اسلام، قرآن، محمد غیر مسلموں کی نظر میں: ۶۰

بہترین تعریف وتوصیف کا مستحق ہے۔(۱)

پروفیسراڈوائرمونتے نے لکھا ہے کہ:

''یہ (قرآن) وہ کتاب ہے جس میں ''مسئلۂ توحید'' ایسی پاکیزہ اور جلال و جبروت، وکمال یقین کے ساتھ بیان کیا گیا ہے کہ اسلام کے سوااور کسی مذہب میں اس کی مثال مشکل سے ملے گی''۔(۲)

یہ نمونہ کے لئے چند اہم لوگوں کے بیانات پیش کئے گئے ہیں، ورنہ اس سلسلہ میں اتنے بیانات موجود ہیں ان سب کا احصاء کیا جائے تو کئی جلدوں کی کتاب تیار ہوجائے۔

توحید کی حقیقت:

اس کے بعد اب یہ دیکھنا چاہئے کہ توحید کی حقیقت کیا ہے؟''توحید'' کے معنی اللہ تعالے کوایک ماننے کے ہیں، یعنی اللہ تعالے کے بارے میں یہ عقیدہ رکھنا کہ وہ اپنی ذات وصفات میں اور اپنے اسماء وافعال میں منفرد و یکتا ہے، اس کے سوا کوئی دوسرا نہ ذات کے لحاظ سے اس کا شریک ہے، نہ صفات کے اعتبار سے اسکی نظیر ہے اور نہ ناموں کے اعتبار سے اس کا ہمسر ہے، نہ اس کے افعال میں اس کا ساجھی ہے۔ بالفاظ دیگر نہ کوئی ذات اس کے جیسی ہے، نہ کسی کے اوصاف وصفات اس کے مثل ہیں اور نہ کسی کے نام وکام اس کے مشابہ ہیں۔

علامہ ابن حجر عسقلانیؒ توحید کی وضاحت کرتے ہوئے امام ابوقاسم تمیمی سے وضاحت کرتے ہوئے نقل کرتے ہیں کہ:''اعتقدتُ اللّٰه منفرداً في ذاته و صفاته ، لا شبيه له ولا نظير له ''(اللہ کوایک ماننے کا مطلب یہ ہے کہ میں اللہ

(۱) اسلام ،قرآن ،محمد غیر مسلموں کی نظر میں:۱۶۳ (۲) اسلام ،قرآن ،محمد غیر مسلموں کی نظر میں:۲۲۸

کواس کی ذات وصفات میں منفرد مانتا ہوں، اس کی کوئی نظیر ومثال نہیں ہے۔(۱)

علامہ ابوبکر جابر الجزائریؒ اپنی عظیم کتاب ''عقیدۃ المومن'' میں توحید کے معنی اپنے ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں کہ: "والتوحيد في عرف الشرع نفي الكفء والمثل عن ذات الله تعالى و صفاته ، و أفعاله ؛ ونفي الشريك في ربوبيته و عبادته عزّ وجلّ "(عرف شرع میں توحید یہ ہے کہ اللہ کی ذات وصفات اوراس کے افعال سے اس کے ہمسر اور مثل کی نفی کی جائے اوراس کی ربوبیت اورعبادت میں بھی اس کے شریک کی نفی کی جائے)۔(۲)

نیز علامہ ملاعلی قاریؒ شرح فقہ اکبر میں فرماتے ہیں:" والله تعالى واحد : أي في ذاته ، ولا شريك له ، لا في ذاته ولا في صفاته ولا نظير له ولا شبيه له "(اللہ ایک ہے اس کا کوئی شریک نہیں ، نہ اس کی ذات میں اور نہ اس کی صفات میں، نہ اس کی کوئی نظیر ہے اور نہ کوئی اس کی شبیہ ہے)۔(۳)

اس سلسلہ میں جامع ترین بیان علامہ حافظ بن احمد حکمی کا ہے، وہ اللہ کے احد و فرد ہونے کی تشریح یوں کرتے ہیں:" الأحد الفرد : الذي لا ضد له ولا ند له ولا شريك له في إلهيته و ربوبيته ولا متصرف معه في ذرة من ملكوته ولا شبيه له ولا نظير له في شيء من أسمائه و صفاته "(وہ یکتا وتنہا ہے جس کا اس کی عبادت یا ربوبیت میں نہ کوئی مقابل ہے، نہ برابر ہے، نہ کوئی شریک ہے، اور نہ اس کے ساتھ اس کی حکومت کے کسی ذرہ میں کوئی تصرف کرنے والا ہے اور نہ اس کے ناموں وصفتوں میں اس کی کوئی مثال ونظیر ہے)۔(۴)

ان تمام بیانات سے توحید کی شرعی تعریف بالکل واضح ہوگئی اوراس کا خلاصہ

(۱) فتح الباری: ۱۳/۳۴۴ (۲) عقیدۃ المومن: ۸۷ (۳) شرح فقہ اکبر: ۱۵ (۴) معارج الوصول: ۱/۸۸

یہی کہ توحید یہ ہے کہ اللہ تعالے اپنی ذات میں بھی اور صفات میں بھی، اپنے ناموں میں بھی اور کاموں میں بھی "لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ" (کوئی شی اس کے مثل نہیں ہے) کا مصداق، اور ہر لحاظ سے "وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ" ہے۔

توحید رُبوبیت:

اس کے بعد ایک نہایت ہی اہم نکتہ یہ سمجھنا چاہئے کہ توحید جس کا اوپر ذکر ہوا ہے اس کے دو مرتبے ہیں:

ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ کو ذات وصفات میں یکتا اس اعتبار سے مانا جائے کہ اللہ کی ذات ہی تنہا واجب الوجود ہے اور اس کی صفات ہی ازلی وابدی ہیں اور وہی اس پورے کارخانۂ قدرت کا تنہا مالک وکارساز ہے۔ کوئی اور ذات واجب الوجود نہیں، کسی کی صفات ازلی وابدی نہیں اور اس پورے کارخانۂ قدرت میں کسی کے فعل وعمل کو کوئی دخل نہیں، وہ رب المشارق والمغارب ہے، زمین وآسمان اسی کے ہیں، شمس وقمر کا، لیل ونہار کا نظام اسی کے اشارے سے قائم ہے، موت وحیات اسی کے قبضہ میں ہیں، دینا و لینا اسی کا کام ہے، ہدایت وضلالت اسی کے حکم سے ہے، عزت دینا اسی کا کام اور ذلت دینا اسی کا فعل ہے، رزق وہی دیتا ہے، کھیتیاں وہی اُگاتا ہے، بارش وہی برساتا ہے، ہوائیں وہی چلاتا ہے، وہ جو چاہتا ہے وہی ہوتا ہے، وہ جو نہ چاہے نہیں ہوسکتا، وہی سب کی سنتا ہے، وہی مشکل کشا وحاجت روا ہے، توحید کے اس درجہ کو توحید رُبوبیت کہا جاتا ہے۔

یہ چند آیات اس مضمون پر کافی ہیں، ان میں غور کیا جائے، چنانچہ ایک جگہ اللہ تعالی کی قدرت وطاقت اور اس کی مشیت کا بیان ان بلیغ جملوں میں ادا کیا گیا ہے:

﴿ قُلِ اللّٰهُمَّ مَالِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِى الْمُلْكَ مَنْ تَشَاءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَاءُ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَاءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَاءُ بِيَدِكَ الْخَيْرُ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ

قَدِيرٌ ، تُولِجُ اللَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَتُولِجُ النَّهَارَ فِي اللَّيْلِ وَتُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَتُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَتَرْزُقُ مَنْ تَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴾ [آل عمران: ٢٦-٢٧]

(آپ کہیئے کہ اے اللہ! اے سلطنت کے مالک! تو ہی جس کو چاہتا ہے حکومت دیتا ہے اور جس سے چاہتا ہے چھین لیتا ہے، اور جس کو چاہتا ہے عزت دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے ذلیل کرتا ہے، تیرے ہی قبضہ میں تمام خیر ہے، بلاشبہ تو ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے۔ تو ہی رات کو دن میں داخل کرتا ہے اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے، اور تو ہی زندہ سے مردے کو اور مردہ سے زندے کو نکالتا ہے، اور تو ہی جسے چاہتا ہے بے حساب رزق دیتا ہے)

اور ایک جگہ بڑی تفصیل سے ارشاد فرمایا گیا ہے:

﴿أَمَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ وَأَنزَلَ لَكُم مِّنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَنبَتْنَا بِهِ حَدَائِقَ ذَاتَ بَهْجَةٍ مَّا كَانَ لَكُمْ أَن تُنبِتُوا شَجَرَهَا أَإِلٰهٌ مَّعَ اللَّهِ بَلْ هُمْ قَوْمٌ يَعْدِلُونَ ﴾ [النمل: ٦٠]

(بھلا کس نے پیدا کئے آسمان و زمین اور تمہارے لیے آسمان سے پانی اُتارا، پھر اس سے ہم نے رونق والے باغات بنائے، جن کے درخت پیدا کرنا تمہارے بس میں نہیں، کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود ہے؟ کوئی نہیں، یہ قوم راہ سے مڑتی ہے)

﴿ أَمَّنْ جَعَلَ الْأَرْضَ قَرَاراً وَجَعَلَ خِلَالَهَا أَنْهَاراً وَجَعَلَ لَهَا رَوَاسِيَ وَجَعَلَ بَيْنَ الْبَحْرَيْنِ حَاجِزاً أَإِلٰهٌ مَّعَ اللَّهِ بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴾ [النمل: ٦١]

(بھلا کس نے زمین کو ٹھہرنے کے لائق بنایا، اور اس کے بیچ میں نہریں بنائیں، اور اس کے ٹھہرانے کو پہاڑ بنائے اور دو سمندروں (کھارے و میٹھے) کے

درمیان آڑ بنائی، کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود ہے؟ کوئی نہیں، ان میں سے بہت سے لوگوں کو علم نہیں ہے)

﴿ أَمَّن يُجِيبُ الْمُضْطَرَّ إِذَا دَعَاهُ وَيَكْشِفُ السُّوءَ وَيَجْعَلُكُمْ خُلَفَاءَ الْأَرْضِ أَإِلَٰهٌ مَّعَ اللَّهِ ،قَلِيلًا مَّا تَذَكَّرُونَ ﴾ [النمل:٦٢]

(بھلا کون سنتا ہے پریشان حال کی جب وہ اس کو پکارتا ہے، اور اس کی مصیبت دور کرتا ہے اور تم کو زمین میں اگلے لوگوں کا نائب بناتا ہے؟ کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود ہے؟ بہت کم تم نصیحت پکڑتے ہو)

﴿ أَمَّن يَهْدِيكُمْ فِي ظُلُمَاتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَمَن يُرْسِلُ الرِّيَاحَ بُشْرًا بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهِ أَإِلَٰهٌ مَّعَ اللَّهِ، تَعَالَى اللَّهُ عَمَّا يُشْرِكُونَ ﴾ [النمل:٦٣]

(بھلا کون ہے جو تم کو جنگل و دریا کی اندھیریوں میں راہ دکھاتا ہے؟ اور کون ہے جو اپنی رحمت یعنی بارش سے پہلے خوشخبری دینے والی ہوائیں چلاتا ہے؟ کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود ہے؟ اللہ تعالی بلند ہے ان سب سے جن کو یہ لوگ اللہ کے ساتھ شریک قرار دیتے ہیں)

﴿أَمَّن يَبْدَأُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ وَمَن يَرْزُقُكُم مِّنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ أَإِلَٰهٌ مَّعَ اللَّهِ قُلْ هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ ﴾[النمل:٦٤]

(بھلا کون ہے جو از سر نو پیدا کرتا ہے پھر اس کو دوبارہ پیدا کرتا ہے؟ اور کون ہے جو تم کو زمین و آسمان سے رزق دیتا ہے؟ کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود ہے؟ آپ کہہ دیجئے کہ اگر تم سچے ہو تو اپنی دلیل لاؤ)

﴿ قُل لَّا يَعْلَمُ مَن فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ الْغَيْبَ إِلَّا اللَّهُ وَمَا يَشْعُرُونَ أَيَّانَ يُبْعَثُونَ ﴾ [النمل:٦٥]

(آپ فرما دیجئے کہ اللہ کے سوا کوئی بھی آسمانوں اور زمین میں غیب کا جاننے والا نہیں، اوران کو خبر نہیں کہ کب دوبارہ اُٹھائے جائیں گے)

ایک اور موقعہ پر قدرت کے پیدا کردہ عجائب کا بیان کرتے ہوئے ارشاد ربانی ہے:

﴿أَلَمْ نَجْعَلِ الْأَرْضَ مِهَاداً، وَالْجِبَالَ أَوْتَاداً ،وَخَلَقْنَاكُمْ أَزْوَاجاً وَجَعَلْنَا نَوْمَكُمْ سُبَاتاً ، وَجَعَلْنَا اللَّيْلَ لِبَاساً، وَجَعَلْنَا النَّهَارَ مَعَاشاً ، وَبَنَيْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعاً شِدَاداً ، وَجَعَلْنَا سِرَاجاً وَهَّاجاً ،وَأَنزَلْنَا مِنَ الْمُعْصِرَاتِ مَاءً ثَجَّاجاً ، لِنُخْرِجَ بِهِ حَبّاً وَنَبَاتاً ، وَجَنَّاتٍ أَلْفَافاً﴾ [النبأ:٦-١٦]

(کیا ہم نے زمین کو بچھونا نہیں بنایا، اور پہاڑوں کو میخیں، اور ہم نے تم کو جوڑا جوڑا بنایا، اور تمہاری نیند کو آرام کا ذریعہ بنایا اور رات کو اوڑھنا اور دن کو ذریعہ معاش بنایا اور تمہارے اوپر سات مضبوط آسمان بنائے، اور ایک چمکتا ہوا چراغ بنایا، اور ہم نے نچوڑنے والی بدلیوں سے پانی کا ریلا اُتارا، تاکہ اس سے ہم اناج وسبزہ اور پتوں میں لپٹے ہوئے باغ نکالیں)

سورۃ الشوریٰ میں تخلیق میں اپنی یکتائی اور لڑکے یا لڑکی یا دونوں کے عطاء کرنے میں اپنی شان انفرادیت کا ذکر اس طرح کیا گیا ہے:

﴿لِلَّهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ يَهَبُ لِمَنْ يَشَاءُ إِنَاثاً وَيَهَبُ لِمَن يَشَاءُ الذُّكُورَ ،أَوْ يُزَوِّجُهُمْ ذُكْرَاناً وَإِنَاثاً وَيَجْعَلُ مَن يَشَاءُ عَقِيماً إِنَّهُ عَلِيمٌ قَدِيرٌ﴾ [الشوریٰ:٤٠-٥٠]

(اللہ ہی کے لیے آسمانوں اور زمین کی حکومت ہے، جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے جس کو چاہتا ہے لڑکیاں دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے لڑکے دیتا ہے اور جس کے لئے چاہتا ہے لڑکے ولڑکیاں دونوں دیتا ہے، اور جس کو چاہتا ہے بانجھ بنا دیتا ہے بلاشبہ وہ

جاننے والا قدرت والا ہے)

مخلوق کو نفع ونقصان پہنچانے میں اپنی شان وحدت کا ذکر ان الفاظ میں کرتے ہیں:

﴿وَإِن يَمۡسَسۡكَ ٱللَّهُ بِضُرّٖ فَلَا كَاشِفَ لَهُۥٓ إِلَّا هُوَۖ وَإِن يُرِدۡكَ بِخَيۡرٖ فَلَا رَآدَّ لِفَضۡلِهِۦۚ يُصِيبُ بِهِۦ مَن يَشَآءُ مِنۡ عِبَادِهِۦۚ وَهُوَ ٱلۡغَفُورُ ٱلرَّحِيمُ﴾ [یونس:۱۰۷]

(اور اگر اللہ تعالےٰ تجھے کوئی تکلیف دے تو سوائے اس کے کوئی اس کو دور کرنے والا نہیں اور اگر وہ تجھے کوئی خیر پہنچانا چاہے تو کوئی اس کے فضل کو روکنے ولا نہیں، وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہے اپنا فضل پہنچادے، اور وہ بہت مغفرت کرنے والا بہت رحم کرنے والا ہے)

ان سب آیات میں ربوبیت وخالقیت ومالکیت ،قدرت وطاقت،مشیت و ارادہ،خلق وتدبیر میں اللہ تعالی کا یکتا وتنہا ہونا مذکور ہے۔

حضرت ابراہیم اور نمرود کا مناظرہ:

اللہ کی ربوبیت میں کفار ومشرکین کو بھی کوئی شک وشبہ نہیں تھا،اوراس پر عموماً کفار ومشرکین بھی ایمان رکھتے تھے،ہاں تاریخ میں اکے دکے افراد ایسے ملتے ہیں جو اللہ کی ربوبیت میں بھی اختلاف کرتے تھے،اور اللہ کے رب ہونے کا بھی انکار کرتے تھے،اور جب ربوبیت کا انکار کرتے تھے تو یہ ظاہر ہے کہ اُلوہیت کا بھی ضرور انکار کرتے تھے۔

ان میں سے ایک نمرود بھی تھا جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانے میں بادشاہ تھا،قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اللہ کی ربوبیت والوہیت کا منکر تھا اور خود کو خدا قرار دیتا تھا۔

قرآن میں ہے کہ:

﴿ أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِي حَاجَّ إِبْرَاهِيمَ فِي رَبِّهِ أَنْ آتَاهُ اللَّهُ الْمُلْكَ إِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّيَ الَّذِي يُحْيِي وَيُمِيتُ قَالَ أَنَا أُحْيِي وَأُمِيتُ قَالَ إِبْرَاهِيمُ فَإِنَّ اللَّهَ يَأْتِي بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَأْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ فَبُهِتَ الَّذِي كَفَرَ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ﴾ [البقرة: ۲۵۸]

(کیا آپ نے اس کو نہیں دیکھا جس نے حضرت ابراہیم کے ساتھ ان کے رب کے بارے میں مباحثہ کیا تھا جبکہ اللہ نے اس کو بادشاہت دی، جب ابراہیم نے کہا کہ میرا رب وہ ہے جو زندہ کرتا اور موت دیتا ہے، وہ کہنے لگا کہ میں بھی زندہ کرتا ہوں اور مارتا ہوں، ابراہیم نے کہا کہ بے شک اللہ سورج کو مشرق سے نکالتا ہے تو اس کو مغرب سے نکال دے، پس یہ کفر کرنے والا مبہوت رہ گیا، اور اللہ ظالم قوم کو ہدایت نہیں دیتا)

حضرات مفسرین اور علماء نے بیان کیا ہے کہ اس آیت میں جس کا ذکر ہے وہ بابل کا بادشاہ ''نمرود بن کنعان'' ہے، کہا جاتا ہے کہ اس نے چار سو برس تک حکومت کی اور انتہائی سرکشی و بغاوت پر اتر آیا تھا، ظلم و جبر اس کا مزاج تھا، جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس کو اللہ کی وحدانیت کی طرف دعوت دی تو اس نے کہا کہ وہ اللہ اور تیرا رب کون ہے؟ حضرت خلیل نے کہا کہ ''میرا رب وہ ہے جو موت وحیات کا مالک ہے، جس کو چاہتا ہے زندگی دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے موت دیتا ہے، یہ مختلف چیزوں میں موت وحیات کے مناظر اسی اللہ وحدہ لاشریک لہ کی قدرت وطاقت کی کرشمہ سازی ہے، اور اس کا وہی یکتا وتنہا مالک ہے۔ یہ دلیل سن کر اپنے لوگوں کو بے وقوف بنانے اور عوام الناس کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کے لئے اس نے کہا کہ یہ کام میں بھی کرتا ہوں، لہٰذا میں بھی خدا ہوں، حضرت سدی وقتادہ وغیرہ مفسرین نے کہا ہے کہ اس نے اس موقعہ پر دو آدمی جن پر کسی مقدمہ کی وجہ سے قتل کا حکم صادر ہو گیا تھا، ان میں سے

ایک کو قتل کر دینے کا حکم دیدیا اور ایک کو چھوڑ دیا، اور کہا کہ دیکھو یہ موت وحیات میرا کام ہے۔ حضرت ابراہیم نے اس کی غباوت کا اندازہ کر کے اس دلیل سے اعراض کر کے دوسری اس سے بھی زیادہ عام فہم اور واضح دلیل اللہ کی ربوبیت پر دی، آپ نے کہا کہ اللہ تو وہ ہے جو روزانہ مشرق کی جانب سے سورج نکالتا ہے اور مغرب میں ڈبو دیتا ہے، اگر تیرا دعوی ہے کہ تو خدا ہے تو ذرا سورج کو مشرق کے بجائے مغرب سے نکال کر بتا دے؟ یہ سن کر وہ مبہوت رہ گیا اور اس کا کوئی جواب نہیں دے سکا۔(۱)

حضرت موسی وفرعون کا مناظرہ:

اللہ تعالی کی ربوبیت واُلوہیت کا انکار کرنے والوں میں ایک فرعون بھی ہے جو حضرت موسی علیہ السلام کے زمانے میں مصر کا بادشاہ تھا۔ قرآن میں حضرت موسی اور فرعون کے ایک مباحثہ کا ذکر ہے جو اس وقت پیش آیا تھا جب حضرت موسی علیہ السلام کو اللہ نے فرعون کے پاس ہدایت کا پیغام دیکر بھیجا تھا، حضرت موسی نے اس سے کہا کہ مجھے میرے رب نے رسولوں میں سے بنالیا ہے:

﴿ قَالَ فِرْعَوْنُ وَمَا رَبُّ الْعَالَمِيْنَ ، قَالَ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا إِنْ كُنْتُم مُّوقِنِيْنَ ، قَالَ لِمَنْ حَوْلَهُ أَلَا تَسْتَمِعُوْنَ ، قَالَ رَبُّكُمْ وَرَبُّ آبَائِكُمُ الْأَوَّلِيْنَ ، قَالَ إِنَّ رَسُوْلَكُمُ الَّذِىْ أُرْسِلَ إِلَيْكُمْ لَمَجْنُوْنٌ ، قَالَ رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَمَا بَيْنَهُمَا إِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ ، قَالَ لَئِنِ اتَّخَذْتَ إِلَهاً غَيْرِىْ لَأَجْعَلَنَّكَ مِنَ الْمَسْجُوْنِيْنَ ، قَالَ أَوَلَوْ جِئْتُكَ بِشَىْءٍ مُّبِيْنٍ ، قَالَ فَأْتِ بِهِ إِنْ كُنْتَ مِنَ الصَّادِقِيْنَ ﴾ [الشعراء: ۲۳ - ۳۱]

(فرعون نے کہا کہ رب العالمین کیا ہے؟ موسی نے فرمایا کہ وہ آسمانوں اور زمین اور ان کے مابین کی چیزوں کا رب ہے، اگر تم یقین مانو، وہ اپنے اردگرد جمع اپنے

(۱) تفسیر طبری: ۲۵/۳، تفسیر ابن کثیر: ۴۱۹/۱

لوگوں کو دیکھکر کہنے لگا کہ کیا سنتے نہیں کہ کیا کہہ رہا ہے؟ حضرت موسی نے فرمایا کہ وہ تمہارا اور تمہارے پچھلے باپ دادوں کا بھی رب ہے، اپنے لوگوں سے کہنے لگا کہ بلا شبہ یہ رسول جو تمہاری طرف بھیجا گیا ہے مجنون ہے حضرت موسی نے کہا کہ وہ مشرق ومغرب کا اور ان کے درمیان کی چیزوں کا بھی رب ہے اگر تم عقل سے کام لو، کہنے لگا کہ اگر تو نے میرے علاوہ کسی اور کو خدا بنایا تو میں تجھے قیدیوں میں ڈالدوں گا، فرمایا کہ کیا اگرچہ میں کھلی دلیل لے آؤں تب بھی؟ کہنے لگا کہ پھر دلیل لے آ، اگر تو سچوں میں سے ہے)

اس میں فرعون کا اللہ کی خدائی سے انکار اور اپنے خدا ہونے کا دعوی موجود ہے، اور قرآن میں یہ بھی ہے کہ وہ اپنے کو رب اعلی کہتا تھا، چنانچہ ارشاد ربانی ہے کہ:

﴿ فَقَالَ أَنَا رَبُّكُمُ الْأَعْلَى، فَأَخَذَهُ اللّٰهُ نَكَالَ الْآخِرَةِ وَالْأُولَى، إِنَّ فِيْ ذَلِكَ لَعِبْرَةً لِّمَن يَخْشَى﴾ [النازعات:۲۴-۲۶]

(پس اس نے کہا کہ میں تمہارا سب سے بڑا رب ہوں، پس اللہ نے اس کو آخرت اور دنیا کی سزا میں گرفتار کیا، بلا شبہ اس میں ڈرنے والے کے لئے عبرت کا سامان ہے)

الغرض اس قسم کے نہایت متکبر اور معاند بے وقوفوں کے سوا کوئی اللہ کی ربوبیت کا انکار کرنے والا نہیں تھا، بلکہ مشرکین بھی اللہ کی ربوبیت کو اسی طرح مانتے تھے جیسے مؤمن مانتے ہیں۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اپنی کتاب ''حجۃ اللہ البالغۃ'' میں توحید کے چار مراتب بیان کئے ہیں ایک یہ کہ واجب الوجود ہونے کو صرف اللہ تعالی میں منحصر ماننا، دوسرا یہ کہ عرش اور زمین وآسمان اور تمام جواہر کی تخلیق کو اللہ میں منحصر ماننا، اس کے بعد لکھتے ہیں:

" وهاتان المرتبتان لم تبحث الكتب الإلٰهية عنهما ولم يخالف

فيهما مشركو العرب و لا اليهود ولاالنصارىٰ ، بل القرآن العظيم ناصٌّ على أنهما من المقدمات المسلمة عندهم "

(ان دو مراتب سے کتب الٰہیہ میں بحث نہیں کی گئی ہے اوران میں نہ عرب کے مشرکین نے اختلاف کیا ہے، نہ یہود نے اور نہ نصاریٰ نے اختلاف کیا ہے، بلکہ قرآن عظیم اس بات کی تصریح کرتا ہے کہ توحید کے یہ دو مرتبے ان لوگوں کے نزدیک بھی مسلمات میں سے ہیں)(۱)

توحیدِ اُلوہیت:

توحید کا دوسرا درجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی کو اِلہ یعنی قابل پرستش ولائق عبادت اور مستحق الوہیت مانا جائے اور کسی بڑے وچھوٹے کے لیے عبادت وپرستش نہ کی جائے اور نہ اس کا کسی اور کو مستحق سمجھا جائے ،اس درجۂ توحید کو توحیدِ اُلوہیت کہتے ہیں۔

یہاں یہ بات فراموش نہیں کرنا چاہئے کہ یہی توحید الوہیت دراصل قرآن اور تمام دیگر کتب سماویہ اور تمام انبیاء کا منشأ ومقصد اور دعوت ہے۔

قرآن کریم پورا اسی کی دعوت سے لبریز ومعمور نظر آتا ہے، چند آیات ملاحظہ کیجئے:

﴿ يَا أَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُواْ رَبَّكُمُ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ وَالَّذِيْنَ مِن قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ﴾ [البقرة:۲۱]

(اے لوگو! اپنے رب کی ہی عبادت کرو جس نے تم کو اور تم سے پہلے لوگوں کو پیدا کیا تاکہ تم دوزخ سے بچ جاؤ)

﴿ هُوَ الْحَىُّ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ فَادْعُوهُ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ ﴾ [الغافر:۶۵]

(وہی زندہ ہے جس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، پس تم اسی کو اخلاص کے

(۱) حجۃ اللہ البالغۃ: ۱/۱۷۵

ساتھ پکارو، دین اسی کے لئے ہے، تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جو تمام عالموں کا پروردگار ہے)

﴿ شَهِدَ اللّٰهُ أَنَّهُ لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ وَالْمَلَائِكَةُ وَأُولُوا الْعِلْمِ قَآئِماً بِالْقِسْطِ لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴾[آل عمران:۱۸]

(اللہ نے اور فرشتوں اور اہل علم نے گواہی دی کہ بلا شبہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں، اس حال میں کہ وہ انصاف کو قائم رکھنے والا ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں، عزت والا حکمت والا ہے)

﴿وَإِلٰهُكُمْ إِلٰهٌ وَاحِدٌ لَّا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ الرَّحْمَنُ الرَّحِيمُ ﴾ [البقرة: ۱۶۳]

(اور تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے اس کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں، جو رحمٰن و رحیم ہے)

اس قسم کی آیات سے قرآن بھرا ہوا ہے، اور قرآن یہ بھی بتاتا ہے کہ اسی کی دعوت تمام انبیاء نے اپنی قوموں اور امتوں کو دی ہے، یہ تمام انبیاء کی متفقہ دعوت رہی ہے، چنانچہ ایک جگہ صراحت سے فرماتے ہیں:

﴿وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَّسُولاً أَنِ اعْبُدُواْ اللّٰهَ وَاجْتَنِبُواْ الطَّاغُوتَ ﴾ [النحل:۳۶]

(ہم نے ہر امت میں یہ دعوت دیکر رسول بھیجے کہ اللہ کی عبادت کرو، اور طاغوت وشیطان کی عبادت سے بچو)

نیز قرآن کریم میں متعدد انبیاء کے حالات میں اس کا ذکر ہے کہ انہوں نے اسی کا پیغام امت کو سنایا تھا، حضرت نوح کے بارے میں کہتے ہیں:

﴿ لَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوحاً إِلَى قَوْمِهِ فَقَالَ يَا قَوْمِ اعْبُدُواْ اللّٰهَ مَا لَكُم مِّنْ

إِلـٰهٍ غَيْرُهُ إِنِّيَ أَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيمٍ ﴾ [الأعراف:٥٩]

(البتہ تحقیق کہ ہم نے نوح کو ان کی قوم کی جانب بھیجا، پس انہوں نے کہا کہ اے میری قوم! تم صرف اللہ کی عبادت کرو، تمہارا اس کے سوا کوئی معبود نہیں، میں تم پر بڑے دن کے عذاب کا خوف کرتا ہوں)

اور حضرت ھود علیہ السلام کے بارے میں کہا ہے:

﴿ وَإِلَى عَادٍ أَخَاهُمْ هُوداً قَالَ يَا قَوْمِ اعْبُدُواْ اللّٰهَ مَا لَكُم مِّنْ إِلـٰهٍ غَيْرُهُ أَفَلاَ تَتَّقُونَ ﴾ [الأعراف:٦٥]

(اور ہم نے قوم عاد کی جانب ان کے بھائی ھود کو بھیجا، انہوں نے کہا کہ اے میری قوم! تم صرف اللہ کی عبادت کرو، تمہارا اس کے سوا کوئی معبود نہیں، کیا تم نہیں بچو گے)

اور حضرت صالح علیہ السلام کے متعلق ارشاد ہے:

﴿وَإِلَى ثَمُودَ أَخَاهُمْ صَالِحاً قَالَ يَا قَوْمِ اعْبُدُواْ اللّٰهَ مَا لَكُم مِّنْ إِلـٰهٍ غَيْرُهُ ﴾ [الأعراف:٧٣]

(اور ہم نے قوم ثمود کی جانب ان کے بھائی صالح کو بھیجا، پس انہوں نے کہا کہ اے میری قوم! تم صرف اللہ کی عبادت کرو، تمہارا اس کے سوا کوئی معبود نہیں)

اور حضرت شعیب علیہ السلام کے تذکرہ میں فرمایا گیا ہے:

﴿وَإِلَى مَدْيَنَ أَخَاهُمْ شُعَيْباً قَالَ يَا قَوْمِ اعْبُدُواْ اللّٰهَ مَا لَكُم مِّنْ إِلـٰهٍ غَيْرُهُ ﴾ [الأعراف:٨٥]

(اور ہم نے مدین کی جانب ان کے بھائی شعیب کو بھیجا، انہوں نے کہا کہ اے میری قوم! تم صرف اللہ کی عبادت کرو، تمہارا اس کے سوا کوئی معبود نہیں)

الغرض یہ توحید الوہیت ہی دراصل تمام انبیاء اور تمام صحائف سماویہ کی دعوت و

پکار اور مقصد اعظم و منشائے ربانی ہے، لہٰذا یہاں یہ بات ہرگز فراموش نہیں کرنا چاہئے کہ محض توحید رُبوبیت کا عقیدہ اسلام میں داخل ہونے اور مسلمان رہنے کے لیے کافی نہیں، بلکہ اسلام میں داخل ہونے کے لیے بھی اور مسلمان باقی رہنے کے لیے بھی توحید کے ان دونوں مراتب پر ایمان و یقین لازم وضروری ہے۔ جس طرح اللہ کی ربوبیت پر ایمان اور اس میں اس کی وحدانیت و یکتائی پر یقین اسلام کے لیے لازم ہے، اسی طرح اس بات کو ماننا بھی ضروری ہے کہ صرف اللہ ہی عبادت کا مستحق ہے، اور پوجا اور پرستش کا سوائے اللہ کے کوئی مستحق نہیں، اور یہ کہ عبادت کے تمام مراسم اور پرستش کے تمام طریقے صرف اور صرف ''اللہ وحدہ لاشریک لہ'' کے لیے مختص ہیں۔

جو شخص اللہ تعالیٰ کو ربوبیت میں واحد و یکتا مانتا ہو مگر اُلوہیت میں اس کو یکتا نہ مانتا ہو وہ قطعاً مسلمان نہیں اور اس کا اسلام میں کوئی حصہ نہیں ہے؛ کیوں کہ اس نے توحید کے ایک درجہ اور مرتبہ کو مانا اور ایک سے انکار کر دیا۔ اور یہ ظاہر ہے کہ توحید کے کسی ایک درجہ کا انکار کرنا بھی اسلام کے خلاف ہے۔

شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں: ''توحید ربوبیت جس کا مخلوق اقرار کرتی ہے اور اہل کلام جس کی تقریر کرتے ہیں یہ کافی نہیں''۔ (۱)

توحید رُبوبیت و توحید اُلوہیت میں تلازم:

اور حقیقت یہ ہے کہ توحید ربوبیت و توحید الوہیت میں تلازم ہے کہ اگر کوئی شخص اس بات کو مانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی تنہا رب العالمین ہے، وہی ساری کائنات کا خالق و مالک ہے، وہی سب کا رازق و حافظ ہے، وہی اس قدرت کے کارخانہ کا مدبر و منتظم ہے، تو لامحالہ اس کو اس بات کا اعتراف و اقرار کرنا پڑے گا کہ صرف اور صرف اللہ ہی معبود ہے، لائق عبادت و قابل پرستش ہے؛ کیوں کہ یہ بات باقتضائے عقل بھی مسلم

(۱) فتاوی ابن تیمیہؒ: ۱/۲۳

ہے کہ عبادت اسی کے لیے سزاوار ہے جس نے ان ساری مخلوقات کو پیدا کیا، اور وہ ان کا مالک ورازق، ان کا رب ومربی، ان کا محسن وناصر، ان کا حاجت روا ومشکل کشا اور ان کا مدبر ومنتظم ہے۔ اور یہ بات عقل کے بالکل خلاف ہے کہ خالق، مالک، رازق، مدبر ومنتظم تو کسی کو مانا جائے اور عبادت کسی اور کے لیے کی جائے اور عبادت میں اس کے ساتھ کسی اور کا بھی حق وحصہ مانا جائے۔

چنانچہ قرآن مجید میں جگہ جگہ توحید رُبوبیت سے توحید اُلوہیت پر استدلال کیا گیا ہے۔ ایک جگہ فرمایا گیا ہے:

﴿ إِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ فِيْ سِتَّةِ أَيَّامٍ ، ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ ، يُدَبِّرُ الْأَمْرَ ، مَا مِنْ شَفِيْعٍ إِلَّا مِنْ بَعْدِ إِذْنِهٖ ، ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ أَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴾ [یونس :۳]

(بلاشبہ تمہارا رب اللہ ہے جس نے آسمانو ں اورزمینوں کو چھ دن میں پیدا کیا، پھر عرش پر مستوی ہوا، تمام امور کی تدبیر کرتا ہے، کوئی سفارش کرنے والا نہیں مگر اس کی اجازت کے بعد، وہی اللہ تمہارا رب ہے، پس تم اسی کی عبادت کرو، کیا تم نصیحت نہ پکڑوگے)

اس آیت میں پہلے اللہ کی ربوبیت کو پیش کیا ہے، پھر اس پر اس کی اُلوہیت کو مرتب فرمایا ہے کہ جب وہی آسمانوں اور زمینوں کا خالق اور تدبیر کا مالک ہے تو وہی عبادت کا مستحق ہے۔

اسی طرح ایک اور جگہ فرمایا ہے:

﴿يٰٓا أَيُّهَاالنَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ، الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ فِرَاشًا وَّالسَّمَاءَ بِنَاءً وَّ أَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَاءً فَأَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرَاتِ رِزْقًا لَّكُمْ ، فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ أَنْدَادًا

وَّاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ﴾ [البقرۃ:۲۱-۲۲]

(اے لوگو! اپنے رب کی عبادت کرو جس نے تم کو اور تم سے پہلے لوگوں کو پیدا کیا؛ تاکہ تم (جہنم کے عذاب سے) بچ جاؤ، وہ رب جس نے تمہارے لیے زمین کو بچھونا اور آسمان کو چھت بنایا اور آسمان سے پانی نازل کیا، پھر تمہارے رزق کے طور پر اس سے پھل پیدا کیے، پس تم اللہ کے لیے شریک نہ بناؤ حالاں کہ تم جانتے ہو)

ان آیات میں بھی اللہ کے مالک، خالق ورازق ہونے کو بیان کر کے صرف اور صرف اللہ کی عبادت کرنے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

ان آیات کے علاوہ سینکڑوں آیات میں اس مضمون کو شرح وبسط کے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔ کہیں آسمان وزمین کی تخلیق کا ذکر ہے، کہیں شمس وقمر کی تسخیر کا بیان ہے، کہیں عرش وکرسی کی پیدائش کا تذکرہ ہے، کہیں خلق وامر میں اللہ کے مختار کل ہونے کی تقریر ہے، کسی جگہ بارش کے برسانے کا، کسی جگہ کھیتیوں اور پھلوں کے اُگانے کا، کسی جگہ ہواؤں کے چلانے کا اور کسی جگہ حوادث کے لانے کا ذکر فرمایا گیا ہے۔ بعض جگہ پہاڑوں کی مستحکم تخلیق کا، سمندروں کی وسعت کا، بادلوں کی کثرت کا تذکرہ کیا گیا ہے۔

یہاں صرف ان آیات کی طرف اشارہ کرتا ہوں۔ ایک موقعہ پر فرمایا گیا ہے:

﴿إِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلاَفِ اللَّیْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِیْ تَجْرِیْ فِیْ الْبَحْرِ بِمَا یَنفَعُ النَّاسَ وَمَا أَنزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَاءِ مِن مَّاء فَأَحْیَا بِهِ الأرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِیْهَا مِن كُلِّ دَآبَّةٍ وَتَصْرِیْفِ الرِّیَاحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخِّرِ بَیْنَ السَّمَاءِ وَالأَرْضِ لآیَاتٍ لِّقَوْمٍ یَعْقِلُوْنَ﴾ [البقرۃ:۱۶۴]

(آسمانوں اور زمین کی پیدائش، رات ودن کا آنا جانا، کشتیوں کا لوگوں کو نفع دینے والی چیزوں کو لئے ہوئے سمندروں میں چلنا، آسمان سے پانی اُتار کر، مردہ زمین

کو زندہ کردینا، اس میں ہر قسم کے جانوروں کو پھیلا دینا، ہواؤں کے رخ بدلنا، اور بادل، جو آسمان اور زمین کے درمیان مسخر ہیں، ان سب میں عقلمندوں کے لئے قدرت کی نشانیاں موجود ہیں)

سورۂ یونس میں فرماتے ہیں:

﴿ قُلْ مَن يَرْزُقُكُم مِّنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ أَمَّن يَمْلِكُ السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ وَمَن يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَمَن يُدَبِّرُ الْأَمْرَ فَسَيَقُولُونَ اللَّهُ فَقُلْ أَفَلَا تَتَّقُونَ، فَذَٰلِكُمُ اللَّهُ رَبُّكُمُ الْحَقُّ فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ إِلَّا الضَّلَالُ فَأَنَّىٰ تُصْرَفُونَ ، كَذَٰلِكَ حَقَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ عَلَى الَّذِينَ فَسَقُوا أَنَّهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ، قُلْ هَلْ مِن شُرَكَائِكُم مَّن يَبْدَأُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ قُلِ اللَّهُ يَبْدَأُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ فَأَنَّىٰ تُؤْفَكُونَ، قُلْ هَلْ مِن شُرَكَائِكُم مَّن يَهْدِي إِلَى الْحَقِّ قُلِ اللَّهُ يَهْدِي لِلْحَقِّ أَفَمَن يَهْدِي إِلَى الْحَقِّ أَحَقُّ أَن يُتَّبَعَ أَمَّن لَّا يَهِدِّي إِلَّا أَن يُهْدَىٰ فَمَا لَكُمْ كَيْفَ تَحْكُمُونَ ﴾

[یونس: ۳۱-۳۵]

(آپ فرمادیجئے وہ کون ہے جو تمہیں آسمان سے اور زمین سے رزق دیتا ہے، یا وہ کون ہے جو کانوں اور آنکھوں کا مالک ہے، اور وہ کون ہے جو زندہ کو مردہ سے اور مردہ کو زندہ سے نکالتا ہے، اور وہ کون ہے جو تمام کاموں کی تدبیر فرماتا ہے، تو وہ ضرور یوں کہیں گے کہ اللہ ہی ہے، تو آپ فرمادیجئے کہ پھر کیوں نہیں ڈرتے ہو، سو وہ اللہ تمہارا حقیقی رب ہے، سو پھر حق کے بعد گمراہی کے سوا کیا ہے؟ پھر کہاں پھرے جارہے ہو۔ اسی طرح آپ کے رب کی یہ بات نافرمانوں کے بارے میں ثابت ہو چکی ہے کہ یہ لوگ ایمان نہ لائیں گے، آپ فرمادیجئے کیا تمہارے شریکوں میں کوئی ایسا ہے جو مخلوق کو پیدا فرمائے پھر اسے دوبارہ زندہ کرے؟ آپ فرمادیجئے کہ اللہ مخلوق کو ابتداءً پیدا فرماتا

ہے، پھر اس کو دوبارہ پیدا فرمائے گا، سوتم کہاں پھرے جارہے ہو؟ آپ فرمادیجئے کیا تمہارے شریکوں میں کوئی ایسا ہے جو حق کی راہ بتائے؟ آپ فرمادیجئے کہ اللہ حق کی راہ بتاتا ہے، سو جو حق کی راہ بتاتا ہو وہ زیادہ اتباع کے لائق ہے یا وہ شخص جو ہدایت نہیں پاتا مگر جبکہ اسے راہ بتائی جائے، سو تمہیں کیا ہوا تم کیسی تجویزیں کرتے ہو، اور ان میں سے اکثر لوگ صرف اٹکل کے پیچھے چلتے ہیں، بلاشبہ اٹکل حق کے بارے میں ذرا بھی مفید نہیں ہے، بلاشبہ اللہ تعالی ان کاموں کو جاننے والا ہے، جن کاموں کو وہ کرتے ہیں۔)

سورۂ یونس ہی میں ابتدائی آیات میں کہا گیا ہے:

﴿إِنَّ رَبَّكُمُ اللّهُ الَّذِي خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالأَرْضَ فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوَى عَلَى الْعَرْشِ يُدَبِّرُ الأَمْرَ مَا مِن شَفِيعٍ إِلاَّ مِن بَعْدِ إِذْنِهِ ذَلِكُمُ اللّهُ رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوهُ أَفَلاَ تَذَكَّرُونَ ، إِلَيْهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيعاً وَعْدَ اللّهِ حَقّاً إِنَّهُ يَبْدَأُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ لِيَجْزِيَ الَّذِينَ آمَنُواْ وَعَمِلُواْ الصَّالِحَاتِ بِالْقِسْطِ وَالَّذِينَ كَفَرُواْ لَهُمْ شَرَابٌ مِّنْ حَمِيمٍ وَعَذَابٌ أَلِيمٌ بِمَا كَانُواْ يَكْفُرُونَ، هُوَ الَّذِي جَعَلَ الشَّمْسَ ضِيَاء وَالْقَمَرَ نُوراً وَقَدَّرَهُ مَنَازِلَ لِتَعْلَمُواْ عَدَدَ السِّنِينَ وَالْحِسَابَ مَا خَلَقَ اللّهُ ذَلِكَ إِلاَّ بِالْحَقِّ يُفَصِّلُ الآيَاتِ لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ، إِنَّ فِي اخْتِلاَفِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَمَا خَلَقَ اللّهُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالأَرْضِ لآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَتَّقُونَ﴾[یونس:۳ – ٦]

(بلاشبہ تمہارا رب اللہ تعالی ہے، جس نے آسمانوں کو اور زمین کو چھ دن میں پیدا فرمایا پھر وہ عرش پر مستوی ہوا، وہ ہر کام کی تدبیر فرماتا ہے اس کی اجازت کے بغیر کوئی سفارش کرنے والا نہیں، وہ اللہ تمہارا رب ہے سو تم اس کی عبادت کرو، کیا تم نصیحت حاصل نہیں کرتے، اسی کی طرف تم سب کو لوٹ جانا ہے، اس نے سچا وعدہ کر رکھا ہے، بلاشبہ وہی مخلوق کو ابتداءً پیدا فرماتا ہے پھر وہ اسے دوبارہ لوٹا دے گا تاکہ وہ ان لوگوں کو

انصاف کے ساتھ بدلہ دے جو ایمان لائے اور نیک عمل کئے، اور جن لوگوں نے کفر کیا ان کے لئے پینے کو کھولتا ہوا پانی اور دردناک عذاب ہے اس وجہ سے کہ وہ کفر کرتے تھے اللہ وہ ہے جس نے سورج کو روشنی بنایا اور چاند کو نور بنایا، اور اس کے لئے، منزلیں مقرر فرما دیں تا کی تم برسوں کی گنتی جان لو اور حساب کو معلوم کرلو، یہ چیزیں اللہ نے حق ہی کے ساتھ پیدا فرمائی ہیں، وہ جاننے والوں کے لئے تفصیل کے ساتھ نشانیاں بیان فرماتا ہے۔ بے شک رات اور دن کے ایک دوسرے کے بعد آنے جانے میں اور جو کچھ اللہ نے آسمان اور زمین میں پیدا فرمایا ہے، ان میں ان لوگوں کے لیے دلائل ہیں جو ڈرتے ہیں)

سورۂ انعام میں ارشاد ربانی ہے:

﴿ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَجَعَلَ الظُّلُمَاتِ وَالنُّورَ ثُمَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ یَعْدِلُوْنَ ، هُوَ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ طِیْنٍ ثُمَّ قَضٰی اَجَلاً وَاَجَلٌ مُّسَمًّی عِنْدَهٗ ثُمَّ اَنْتُمْ تَمْتَرُوْنَ، وَهُوَ اللّٰهُ فِی السَّمٰوٰتِ وَفِی الْاَرْضِ یَعْلَمُ سِرَّكُمْ وَجَهْرَكُمْ وَیَعْلَمُ مَا تَكْسِبُوْنَ﴾

(سب تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جس نے پیدا فرمایا آسمانوں کو اور زمین کو اور بنایا تاریکیوں کو اور روشنیوں کو پھر بھی وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا اپنے رب کے برابر قرار دیتے ہیں، وہی ہے جس نے تم کو پیدا کیا کیچڑ سے پھر اجل مقرر فرمائی اور اس کے پاس ایک اجل مقرر ہے پھر تم شک کرتے ہو، اور وہ اللہ ہے آسمانوں میں اور زمین میں، وہ جانتا ہے تمہارے باطنی حالات کو اور ظاہری حالات کو اور وہ جانتا ہے جو تم عمل کرتے ہو)

سورۂ زخرف میں ہے:

﴿وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَیَقُوْلُنَّ خَلَقَهُنَّ الْعَزِیْزُ الْعَلِیْمُ ، الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ مَهْداً وَجَعَلَ لَكُمْ فِیْهَا سُبُلاً لَّعَلَّكُمْ

تَهْتَدُونَ ، وَالَّذِي نَزَّلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً بِقَدَرٍ فَأَنشَرْنَا بِهِ بَلْدَةً مَّيْتاً كَذَٰلِكَ تُخْرَجُونَ ، وَالَّذِي خَلَقَ الْأَزْوَاجَ كُلَّهَا وَجَعَلَ لَكُم مِّنَ الْفُلْكِ وَالْأَنْعَامِ مَا تَرْكَبُونَ ، لِتَسْتَوُوا عَلَى ظُهُورِهِ ثُمَّ تَذْكُرُوا نِعْمَةَ رَبِّكُمْ إِذَا اسْتَوَيْتُمْ عَلَيْهِ وَتَقُولُوا سُبْحَانَ الَّذِي سَخَّرَ لَنَا هَٰذَا وَمَا كُنَّا لَهُ مُقْرِنِينَ ، وَإِنَّا إِلَى رَبِّنَا لَمُنقَلِبُونَ ، وَجَعَلُوا لَهُ مِنْ عِبَادِهِ جُزْءاً إِنَّ الْإِنسَانَ لَكَفُورٌ مُّبِينٌ ﴾

[الزخارف:۹-۱۵]

(اور اگر آپ ان سے سوال کریں کہ آسمانوں کو اور زمین کو کس نے پیدا کیا تو ضرور کہیں گے کہ انہیں عزیز، علیم نے پیدا فرمایا جس نے تمہارے لیے زمین کو بچھونا بنادیا اور تمہارے لیے اس نے راستے بنادیے تاکہ تم ہدایت پاؤ اور جس نے ایک انداز سے آسمان سے پانی برسایا پھر ہم نے اس کے ذریعہ مردہ زمین کو زندہ کردیا، اسی طرح تم نکالے جاوگے اور جس نے تمام اقسام کو پیدا فرمایا اور تمہارے لیے کشتیاں اور جانوروں میں سے وہ چیزیں پیدا فرمائیں جن پر تم سوار ہوتے ہوتا کہ تم ان کی پشتوں پر بیٹھ جاو پھر اپنے رب کی نعمت کو یاد کرو جب تم اس پر بیٹھ جاو اور تم یوں کہو پاک ہے وہ ذات جس نے اس کو ہمارے لیے مسخر فرمادیا اور ہم اس کو قابو میں کرنے والے نہ تھے اور بے شک ہم اپنے رب کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں، اور ان لوگوں نے اللہ کے لیے اس کے بندوں میں سے جز وٹھہرادیا بلاشبہ انسان واضح طور پر ناشکرا ہے)

سورۂ رعد میں فرمایا ہے:

﴿ اَللّٰهُ الَّذِي رَفَعَ السَّمٰوٰتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا ثُمَّ اسْتَوَىٰ عَلَى الْعَرْشِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ كُلٌّ يَجْرِي لِأَجَلٍ مُّسَمًّى يُدَبِّرُ الْأَمْرَ يُفَصِّلُ الآيَاتِ لَعَلَّكُم بِلِقَاءِ رَبِّكُمْ تُوقِنُونَ، وَهُوَ الَّذِي مَدَّ الْأَرْضَ وَجَعَلَ فِيهَا رَوَاسِيَ وَأَنْهَاراً وَمِن كُلِّ الثَّمَرٰتِ جَعَلَ فِيهَا زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ يُغْشِي

اللَّيۡلَ النَّهَارَ إِنَّ فِى ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوۡمٍ يَتَفَكَّرُونَ، وَفِى الۡأَرۡضِ قِطَعٌ مُّتَجَاوِرَاتٌ وَجَنَّاتٌ مِّنۡ أَعۡنَابٍ وَزَرۡعٌ وَنَخِيلٌ صِنۡوَانٌ وَغَيۡرُ صِنۡوَانٍ يُسۡقَىٰ بِمَاءٍ وَاحِدٍ وَنُفَضِّلُ بَعۡضَهَا عَلَىٰ بَعۡضٍ فِى الۡأُكُلِ إِنَّ فِى ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوۡمٍ يَعۡقِلُونَ﴾ [الرعد:٢-٤]

(اللہ وہی ہے جس نے آسمانوں کو بغیر ستونوں کے بلند فرمادیا تم ان آسمانوں کو دیکھ رہے ہو پھر وہ عرش پر مستوی ہوا اور اس نے چاند اور سورج کو مسخر فرمادیا ہر ایک مدت مقررہ کے مطابق چلتا ہے، وہ کاموں کی تدبیر فرماتا ہے، نشانیوں کو واضح طور پر بیان فرماتا ہے تاکہ تم اپنے رب کی ملاقات کا یقین کرلو اور وہی ہے جس نے زمین کو پھیلا دیا اور اس میں پہاڑ اور نہریں پیدا فرمادیں اور ہر قسم کے پھلوں سے دودو قسمیں پیدا فرمائیں وہ رات کو دن پر ڈھانپ دیتا ہے بلا شبہ اس میں ان لوگوں کے لیے نشانیاں ہیں جو فکر کرتے ہیں، اور زمین میں ٹکڑے ہیں جو آپس میں پڑوسی ہیں اور انگوروں کے باغ ہیں اور کھیتیاں ہیں اور کھجور کے درخت ہیں جن میں بعض کی جڑ بعض سے ملی ہوئی ہے، اور بعض ملی ہوئی نہیں ہے، انہیں ایک ہی پانی سے سیراب کیا جاتا ہے اور ہم ایک کو دوسرے پر فضیلت دیتے ہیں، بلا شبہ اس میں ان لوگوں کے لیے نشانیاں ہیں جو سمجھ سے کام لیتے ہیں)

خلاصہ یہ ہے کہ اللہ کی ربوبیت کو جو تسلیم کرتا ہے اس کے لیے لازم ہے کہ اللہ کی اُلوہیت کو بھی تسلیم کرے؛ کیوں کہ ان دونوں میں تلازم ہے۔ اور جو رُبوبیت خداوندی کو تو تسلیم کرے مگر اُلوہیت کو صرف اللہ تعالی کے ساتھ مختص نہ کرے وہ مسلمان نہیں ہوسکتا، لہٰذا توحید ربوبیت کے ساتھ توحید اُلوہیت پر ایمان و یقین لازم ہے۔

کفار ومشرکین بھی توحید ربوبیت کے قائل تھے:

قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ توحید رُبوبیت کوتو کفار ومشرکین بھی تسلیم کرتے تھے، اوراس پر ایمان ویقین رکھتے تھے، مگر چونکہ توحید اُلوہیت کونہیں مانتے تھے اس لئے ان کو کافر ومشرک قرار دیا گیا۔

چنانچہ خود قرآن میں ہے کہ مشرکین اللہ تعالیٰ کو خالق، مالک، رازق، رب، مدبر ومنتظم سب کچھ مانتے تھے، کبھی کسی بدترین سے بدترین مشرک نے بھی یہ نہیں کہا کہ اللہ تعالیٰ کی طرح اس کائنات کا کوئی اور خالق ومالک اور مدبر ومنتظم ہے بلکہ اللہ تعالیٰ ہی کو تنہا رب وخالق ومالک ہر ایک نے تسلیم کیا ہے۔

ایک جگہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿قُل لِّمَنِ الْأَرْضُ وَمَن فِيهَا إِن كُنتُمْ تَعْلَمُونَ ، سَيَقُولُونَ لِلَّهِ قُلْ أَفَلَا تَذَكَّرُونَ ، قُلْ مَن رَّبُّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ ، سَيَقُولُونَ لِلَّهِ قُلْ أَفَلَا تَتَّقُونَ ، قُلْ مَن بِيَدِهِ مَلَكُوتُ كُلِّ شَيْءٍ وَهُوَ يُجِيرُ وَلَا يُجَارُ عَلَيْهِ إِن كُنتُمْ تَعْلَمُونَ، سَيَقُولُونَ لِلَّهِ قُلْ فَأَنَّى تُسْحَرُونَ﴾

[المومنون: ۸۴-۸۹]

(اے نبی ﷺ! آپ مشرکین سے پوچھئے کہ زمین اور جولوگ اسمیں ہیں وہ کس کیلئے ہیں اگر تم علم رکھتے ہو؟ یہ لوگ کہیں گے کہ اللہ کے لیے ہیں، آپ پوچھئے کہ پھر کیوں نہیں نصیحت پکڑتے؟ پوچھئے کہ ساتوں آسمانوں کا اور عرش عظیم کا رب کون ہے؟ یہ کہیں گے کہ یہ اللہ کے لیے ہیں۔ آپ کہئے کہ پھر تم کیوں شرک سے نہیں بچتے؟ آپ ان سے پوچھئے کہ کس کے قبضہ میں تمام چیزوں کا اختیار ہے اور وہ کون ہے جو پناہ دیتا ہے اوراس کی پکڑ سے کسی کو بچایا نہیں جا سکتا ہے، اگر تم جانتے ہو؟ وہ کہیں گے کہ یہ

سب اللہ ہی کے لیے خاص ہے۔آپ فرما دیجئے کہ پھر تم کو کیسا خبط ہو رہا ہے)

سورۂ عنکبوت میں فرمایا گیا ہے:

﴿ وَلَئِن سَأَلْتَهُم مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ لَيَقُولُنَّ اللّٰهُ فَأَنَّى يُؤْفَكُونَ ، اَللّٰهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَن يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ وَيَقْدِرُ لَهُ إِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ،وَلَئِن سَأَلْتَهُم مَّن نَّزَّلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً ، فَأَحْيَا بِهِ الْأَرْضَ مِن بَعْدِ مَوْتِهَا لَيَقُولُنَّ اللّٰهُ قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ ﴾ [العنکبوت: ٦١-٦٣]

(اور اگر تم ان مشرکین سے پوچھو کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا؟ سورج اور چاند کو کس نے مسخر کیا ہے؟ تو وہ جواب میں کہیں گے کہ اللہ نے کیا ہے، پس تم کہاں بھٹک رہے ہو؟ اللہ ہی جس کے لئے چاہتا ہے رزق کو کشادہ کرتا ہے اور جس کے لئے چاہتا ہے تنگ کر دیتا ہے، اور اگر تم ان سے پوچھو کہ وہ کون ہے جس نے آسمان سے پانی برسایا، پھر اس کے ذریعہ زمین کو اس کے مردہ ہو جانے کے بعد زندہ و تر و تازہ کر دیا تو وہ کہیں گے کہ اللہ ہی یہ سب کرتا ہے، آپ کہہ دیجئے کہ سب تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں، بلکہ ان میں سے اکثر لوگ سمجھتے نہیں ہیں)

اور لیجئے سورہ یونس میں فرمایا گیا ہے:

﴿ قُلْ مَن يَرْزُقُكُم مِّنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ ، أَمَّن يَمْلِكُ السَّمْعَ والْأَبْصَارَ ، وَمَن يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ ، وَمَن يُدَبِّرُ الْأَمْرَ ، فَسَيَقُولُونَ اللّٰهُ ، فَقُلْ أَفَلَا تَتَّقُونَ ﴾ [یونس: ٣١]

(آپ ان مشرکین سے پوچھئے کہ وہ کون ہے جو تم کو آسمان و زمین سے رزق دیتا ہے؟ یا وہ کون ہے جو تمہارے کانوں اور آنکھوں پر پورا اختیار رکھتا ہے؟ اور کون ہے جو جاندار چیز کو بے جان سے اور بے جان کو جاندار سے نکالتا ہے؟ اور وہ کون ہے

جو سارے کاموں کی تدبیر کرتا ہے؟ تو وہ ضرور جواب دیں گے کہ یہ سب کام اللہ کرتا ہے)

ان آیات پر غور کیجئے کہ اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے اور اس کی خبر میں نہ کذب کا کوئی احتمال ہے نہ خطا کا کوئی امکان، اور ایک جگہ نہیں بلکہ متعدد مواقع پر خبر دی ہے کہ نبی کریم ﷺ کے زمانے کے مشرکین پورے جزم ویقین کے ساتھ یہ مانتے تھے کہ اللہ تعالیٰ ہی خالق، مالک، رازق مدبر اور منتظم ہے اور ان امور میں کوئی بڑا اور چھوٹا اس کا شریک نہیں ہے۔

یہی وہ توحید ربوبیت ہے جس کے بارے میں ہم نے بتایا کہ اس میں کسی کافر و مشرک کو بھی کوئی شک وشبہ نہیں اور کوئی اس کا منکر نہیں، معلوم ہوا کہ مشرکین سب کے سب توحید ربوبیت کے قائل تھے۔

مشرکین بھی اپنی مشکلات میں اللہ ہی کو پکارتے تھے:

بلکہ قرآن سے یہ بھی ثابت ہے کہ مشرکین اگرچہ بتوں کی پرستش و پوجا کرتے تھے، مگر جب کوئی مشکل ومصیبت پیش آتی تو اللہ ہی کو پکارتے تھے، اور اسی کو حاجت روا ومشکل کشا سمجھتے تھے۔ دیکھئے قرآن کہتا ہے:

﴿ فَإِذَا رَكِبُوا فِي الْفُلْكِ دَعَوُا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ فَلَمَّا نَجَّاهُمْ إِلَى الْبَرِّ إِذَا هُمْ يُشْرِكُونَ ﴾ [العنکبوت:٦٥]

(جب وہ کشتی میں سوار ہوتے ہیں تو خالص اللہ ہی کو پکارتے ہیں اور جب اللہ ان کو مصیبت سے نجات دیدیتا ہے تو پھر اللہ کے ساتھ شریک قرار دیتے ہیں)

ایک اور جگہ اسی کو کسی قدر وضاحت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے:

﴿ هُوَ الَّذِي يُسَيِّرُكُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ حَتَّى إِذَا كُنتُمْ فِي الْفُلْكِ

وَجَرَيْنَ بِهِم بِرِيحٍ طَيِّبَةٍ وَفَرِحُواْ بِهَا جَاءَ تْهَا رِيحٌ عَاصِفٌ وَجَاءَ هُمُ الْمَوْجُ مِن كُلِّ مَكَانٍ وَظَنُّواْ أَنَّهُمْ أُحِيطَ بِهِمْ دَعَوُاْ اللّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ لَئِنْ أَنجَيْتَنَا مِنْ هَـذِهِ لَنَكُونَنَّ مِنَ الشَّاكِرِينَ ، فَلَمَّا أَنجَاهُمْ إِذَا هُمْ يَبْغُونَ فِي الأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّمَا بَغْيُكُمْ عَلَى أَنفُسِكُم مَّتَاعَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ثُمَّ إِلَيْنَا مَرْجِعُكُمْ فَنُنَبِّئُكُم بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ﴾ [یونس : ۲۲ - ۲۳]

(وہ اللہ ہے جو تم کو خشکی و دریا میں پھراتا ہے، یہاں تک کہ کبھی تم کشتی میں سوار ہوتے ہو اور وہ کشتیاں لوگوں کو خوشگوار ہواؤں کے ساتھ لے کر چلتی ہیں، اور وہ لوگ ان سے خوش ہوتے ہیں پس اچانک ان پر تیز ہوا آتی ہے اور ہر طرف سے ان پر موجیں اُٹھی چلی آتی ہیں، اور وہ سمجھتے ہیں کہ وہ بری طرح پھنس گئے اس وقت وہ صرف اللہ کو خالص طور پر پکارتے ہیں کہ اگر آپ نے اس مصیبت سے ہم کو نجات دیدی تو ہم شکر بجالانے والوں میں سے یعنی توحید والوں میں سے ہو جائیں گے، پھر جب اللہ نے ان کو بچالیا تو فوراً ہی زمین پر ناحق کی سرکشی کرنے لگتے ہیں، اے لوگو! تمہاری سرکشی تمہارے لئے ہی وبال بنے گی، دنیوی زندگی میں کچھ اس سے فائدہ اٹھالو، پھر ہماری ہی طرف تم کو لوٹنا ہے پھر ہم تم کو تمہارا کیا ہوا بتائیں گے)

مفسرین کرام اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ: "مشرکین کی عادت تھی کہ جب سمندر کا سفر کرتے اور کشتی میں سوار ہوتے اور وہاں کوئی مصیبت پیش آتی اور وہ زندگی سے مایوس ہوجاتے اور سمندر میں غرق ہونے کا اندیشہ محسوس کرتے تو فطرت کی جانب لوٹتے اور اللہ وحدہ لاشریک کو اس طرح پکارتے، جیسے مخلصین اس کو صدق نیت کے ساتھ پکارتے ہیں اور اپنے بتوں کو پکارنا چھوڑ دیتے، حضرت عکرمہ کہتے ہیں کہ مشرکین سمندری سفر میں اپنے ساتھ بتوں کو لے جاتے لیکن جب زور کی ہوائیں چلتیں

تو ان کو سمندر میں پھینک دیتے، اور یا رب یا رب یا رب کہا کرتے، اس بات کو جاننے کی وجہ سے کہ اس نازل ہونے والی مصیبت سے سوائے اللہ سبحانہ کے کوئی نجات نہیں دے سکتا، اور جب اللہ تعالیٰ ان کو اس سے نجات دیتا تو پھر شرک کی جانب لوٹ جاتے۔(۱)

الحاصل اللہ کی ربوبیت اس کا خالق و مالک، قادر و قاہر، حاجت روا و مشکل کشا، رازق و ناصر مدبر و منتظم ہونا ایک کھلا ہوا معاملہ ہے جس کا سوائے معاند و بے وقوف کے کوئی بھی منکر نہیں۔

توحید خبری اور توحید طلبی کا فرق:

مگر توحید ربوبیت کو ماننے کے باوجود ان مشرکین کو اسلام میں داخل نہیں مانا گیا بلکہ ان کو قرآن نے صاف صاف مشرک قرار دیا ہے، سوال یہ ہے کہ اس کی وجہ کیا ہے؟ وہی جو اوپر عرض کر چکا ہوں کہ وہ توحید کے پہلے مرتبہ کو تو مانتے تھے جس کو توحید ربوبیت کہا جاتا ہے، مگر اس کے دوسرے مرتبہ ’’توحید الوہیت‘‘ کو نہیں مانتے تھے۔ اس لیے وہ اللہ کے سوا مختلف بتوں کی، شجر و حجر کی، شمس و قمر کی، کواکب و نجوم کی عبادت و پرستش بھی کرتے تھے۔ بالفاظ دگر ’’رب و خالق و مالک رزاق وغیرہ‘‘ تو اللہ ہی کو مانتے تھے، مگر ’’الٰہ و معبود‘‘ دوسری چیزوں کو بھی تسلیم کرتے تھے۔ یہی ان کا شرک تھا جس کی بنا پر ان کو کافر کہا گیا ہے۔

اسی وجہ سے کتب عقائد و کلام میں لکھا گیا ہے کہ ’’توحید رُبوبیت‘‘ دراصل ’’توحید خبری‘‘ ہے اور ’’توحید اُلوہیت‘‘ ’’توحید طلبی‘‘ ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی خالقیت، مالکیت، رزاقیت اور تدبیر و انتظام کائنات کو ماننا دراصل ایک واقعہ کی خبر و معرفت اور اس کا اثبات ہے، اس میں دو رائے نہیں ہے، البتہ اللہ تعالیٰ کو خالق،

---

(۱) خلاصہ از تفسیر طبری: ۱۰/۱۵۹، معالم التنزیل: ۱/۲۵۵، فتح القدیر: ۴/۳۰۱

مالک، رازق، مدبر وغیرہ ماننے پر بندوں کے ذمہ یہ فریضہ عائد ہوتا ہے کہ صرف اللہ تعالی کی عبادت و پرستش کریں، کسی اور کی عبادت و پوجا نہ کریں، اور اس ''وحدہٗ لاشریک'' کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں، یہ توحید ''توحید طلبی'' ہے، کیونکہ یہ خدا کا بندوں سے مطالبہ ہے، اور انبیاء علیہم السلام اسی دعوت کو لے کر آئے تھے۔ (۱)

جب یہ واضح ہوا تو اس سے یہ بات مفہوم ہوگئی کہ اللہ تعالی کو رب، خالق و مالک وغیرہ ماننا ایک واقعہ کی خبر اور اس کا اثبات ہے، اس کو توحید خبری کہتے ہیں۔ اور اللہ کو تنہا مستحق عبادت ماننا یہ خدا کا مطالبہ ہے، اس کو توحید طلبی کہتے ہیں۔ یہی وہ توحید ہے جس کی دعوت انبیاء ورسل علیہم السلام نے دی بلکہ ان کی بعثت کی اصل غرض اسی کی دعوت تھی، اور پورا قرآن اسی دعوت کے پیغام سے معمور ہے، جیسا کہ قرآن کا مطالعہ کرنے والوں پر مخفی نہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ اسلام میں اصل مطلوب یہی توحید اُلوہیت ہے، رہی توحید رُبوبیت تو وہ توحید اُلوہیت کی دلیل وحجت، اس کا مقدمہ وتمہید اور اس کی علت و وجہ ہے، اس لیے قرآن نے مشرکین کے خلاف توحید رُبوبیت کے ذریعہ توحید اُلوہیت پر حجت قائم کی ہے کہ جب تم اللہ کو خالق ورب و مالک ومدبر ومنتظم مانتے ہو تو پھر عبادت کسی اور کی کیوں کرتے ہو؟

عبادت کی حقیقت اور قسمیں:

اوپر کی تفصیلات سے یہ بات واضح ہوگئی کہ توحید اُلوہیت وتوحید عبادت ہی اصل مقصود ہے اور انبیاء ورسل علیہم السلام نے اسی کی طرف دعوت دی ہے؛ کیوں کہ ربوبیت خداوندی میں کسی کو نہ اشکال تھا اور نہ کوئی اس کا منکر۔

(۱) اس کی تفصیل کے لئے علامہ ابن حافظ بن احمد حکمیؒ کی ''معارج القبول ۳۱۲/۱'' اور امام ابن ابی العزحنفیؒ کی ''شرح عقیدۃ الطحاوی: ۹۸'' دیکھئے

اب یہ دیکھنا چاہئے کہ جب اصل مقصود عبادت میں اللہ تعالیٰ کو منفرد ماننا ہے کہ عبادت صرف اللہ کی کی جائے اور عبادت میں اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ قرار دیا جائے تو عبادت کی حقیقت کیا ہے۔

علماء نے لکھا ہے کہ: " العبادة أقصى غاية الخضوع والتذلل "(یعنی عبادت انتہائی عاجزی وتذلل سے پیش آنے کا نام ہے)۔(۱)

علماء لکھتے ہیں کہ اسی سے عرب میں لفظ ''طریق معبد'' استعمال ہوتا ہے، یعنی وہ راستہ جو لوگوں کی کثرت کے ساتھ آمد ورفت کی وجہ سے خوب روندا جائے۔ اور چونکہ اس کے معنی غایت درجہ تواضع وتذلل کے ہیں اس لئے یہ لفظ اللہ کے سوا کسی اور کے لئے استعمال نہیں کیا جاتا، کیونکہ اس کا مستحق صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہے، اور اسی لئے کسی اور کے لیے کبھی بھی اس کی اجازت نہیں دی گئی۔

شریعت میں عبادت کی چند قسمیں ہیں اور ان ساری قسموں کو اللہ تعالیٰ کے لیے مخصوص قرار دیا گیا ہے، مثلاً:

۞ صلوٰۃ: یعنی نماز جس میں قیام، رکوع، سجدے سب شامل ہیں، ۞ استعانت: اپنی حاجات وضروریات اور مسائل میں مدد چاہنا، ۞ استعاذہ: پناہ مانگنا، ۞ استغاثہ: مصیبت میں مدد کے لیے پکارنا، ۞ نذر: منت ماننا، ۞ ذبح: جانور کی قربان کرنا، ۞ توکل: بھروسہ و اعتماد کرنا، ۞ خوف وخشیت: ڈرنا اور گھبرانا، ۞ رجاء: امید رکھنا، ۞ انابت: توجہ اور دھیان رکھنا، ۞ تسبیح وتحمید وذکر، ۞ صوم: روزہ رکھنا، ۞ زکوۃ وصدقہ، ۞ حج وعمرہ وغیرہ۔

یہ چند اہم عبادات ہیں، ان کے علاوہ عبادت اور بھی کئی انواع واقسام کی ہیں، غرض یہ کہ عبادت ہر قسم کی اللہ کے لیے مخصوص ہے، اس میں کسی کا کوئی حصہ

(۱) کشاف: ۱/۷، بیضاوی: ۱/۶۳

نہیں۔اور جو شخص ان میں کسی اور کا حصہ مانے وہ حقیقی توحید سے دور ہے، اگرچہ وہ اللہ کی خالقیت وربوبیت ومالکیت وتدبیر وانتظام سب کو کیوں نہ مانتا ہو، جیسا کہ عرض کرچکا ہوں۔

عبادت صرف اللہ تعالیٰ کا حق ہے:

قرآن مجید اور احادیث میں تمام قسم کی عبادات کا مستحق وحقدار صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کو قرار دیا گیا ہے۔ حضرات انبیاء ورسل علیہم السلام نے جب "**لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ**" کا نعرہ بلند کیا اور اسکا درس دیا تو اس دعوت ودرس کا یہی مقصد تھا اور سننے والوں نے بھی بلا تامل یہی سمجھا کہ "سوائے اللہ کے کسی اور کی عبادت نہ کی جائے، اور یہ کہ عبادت کا مستحق صرف اللہ تعالیٰ ہے"۔ کسی نے اس کا مطلب یہ نہیں سمجھا اور نہ انبیاء کی یہ مراد تھی کہ "اللہ تعالیٰ صرف تمام مخلوقات کا خالق، کائنات کا مالک، بندوں کا رازق، عالم کا مدبر ومنتظم ہے، لہٰذا صرف اتنی بات پر ایمان لے آؤ، اور عبادت، سجدہ ورکوع، منت ونذر، روزہ وحج، ذکروتسبیح کسی اور کی بھی کی جاسکتی ہے"۔

یہی وجہ ہے کہ مشرکین نے یہ سوال کیا تھا کہ : "أَجِئْتَنَا لِنَعْبُدَ اللّٰهَ وَحْدَهُ" [الاعراف : ۷۰] (کیا آپ اس لیے ہمارے پاس آئے ہیں کہ ہم صرف اللہ کی عبادت کریں؟) اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ انبیاء کی دعوت کا مقصد ومنشأ ہی یہ تھا کہ ساری چیزوں کی عبادت سے مخلوق کو ہٹا کر صرف "اللہ وحدہ لاشریک لہ" کی عبادت پر اس کو جمع کردیا جائے۔ اسی لیے کفار ومشرکین نے یہ کہا تھا کہ : "أَجَعَلَ الْآلِهَةَ إِلٰهًا وَاحِدًا" [صٓ : ۵] (کیا یہ نبی بہت سے معبودوں کی جگہ صرف ایک معبود قرار دیتے ہیں)

قرآن مجید نے تمام انسانوں سے اسی کا مطالبہ کیا اور اسی کی تعلیم وتلقین فرمائی ہے، اس سلسلہ کے کچھ دلائل اوپر گزر چکے ہیں، یہاں بھی بعض کا ذکر کیا جاتا ہے۔

چنانچہ سورۂ فاتحہ میں یہ تعلیم دی گئی ہے کہ یوں کہو:

" إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ" (ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں)

ایک جگہ حکم فرمایا گیا ہے کہ:

"وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا " [النساء:۳۶]

(صرف اللہ کی عبادت کرو اور کسی چیز کو اس کے ساتھ شریک نہ قرار دو)

ایک جگہ نبی کریم ﷺ کو حکم دیا گیا ہے کہ:

﴿ قُلْ إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ، لَا شَرِيكَ لَهُ وَبِذَٰلِكَ أُمِرْتُ وَأَنَا أَوَّلُ الْمُسْلِمِينَ﴾ [الأنعام: ۱۶۲ - ۱۶۳]

(آپ یوں کہیں کہ بلاشبہ میری نماز اور میری قربانی اور میرا جینا اور میرا مرنا سب اللہ رب العالمین کے لیے ہے، جس کا کوئی شریک نہیں، اور مجھے اسی کا حکم دیا گیا ہے اور میں سب سے اول ماننے والا ہوں)

غرض یہ کہ عبادت صرف اللہ کی ہونی چاہئے، کسی اور کی عبادت کرنا دراصل توحید کے منافی اور خلاف ہے۔ اور اس کو اسلام کے قانون میں شرک کہا جاتا ہے جو کہ بدترین قسم کا گناہ ہے۔

اوپر جن عبادات کا ذکر کیا گیا ہے ان میں سے بعض وہ ہیں جن کے بارے میں سب جانتے ہیں کہ یہ عبادتیں ہیں اور ان کا حقدار صرف اللہ تعالیٰ ہے، کسی اور کے لیے یہ جائز نہیں، جیسے حج، نماز، زکوٰۃ وغیرہ، مگر بعض عبادتوں کے بارے میں بعض لوگوں میں غلط فہمی پائی جاتی ہے اور ایسے لوگ ان عبادات کو غیر اللہ کے لیے بھی جائز اور بعض کو مستحب خیال کرتے ہیں، اس لیے اس قسم کی عبادات کا بھی اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ مخصوص و مختص ہونا بیان کیا جاتا ہے۔

سجدہ صرف اللہ کے لئے:

سجدہ عبادت کی سب سے اعلیٰ واشرف قسم ہے؛ اس لیے کہ خضوع وتذلل، عاجزی وانکساری کی کامل واکمل صورت اسی میں پائی جاتی ہے۔ لہٰذا جس طرح نماز اللہ کے لیے مخصوص ہے اسی طرح سجدہ بھی اللہ کے لیے خاص ہے۔

یہاں یہ یاد رکھنا چاہئے کہ سجدہ کی دو قسمیں ہیں، ایک سجدۂ عبادت، دوسرے سجدۂ تحیۃ یا سجدۂ تعظیم، سجدۂ عبادت تو ہر دور میں اور تمام شرائع میں صرف اللہ تعالیٰ کے لیے مشروع رہا ہے، اور اس پر علماء کا اتفاق ہے کہ کسی اور کے لیے کبھی بھی یہ سجدہ جائز نہیں ہوا۔ البتہ سجدۂ تعظیم کے بارے میں اختلاف ہے کہ پہلے کسی شریعت میں یہ جائز تھا یا نہیں؟ اس کی بحث ان شاء اللہ آگے آرہی ہے۔ وہاں تفصیل سے عرض کروں گا۔ البتہ یہاں اتنا عرض کردوں کہ اسلامی شریعت میں سجدۂ تعظیم بھی غیر اللہ کے لیے ناجائز قرار دیا گیا ہے۔ لہٰذا اس کو بھی اللہ ہی کے ساتھ خاص رکھنا ضروری ہے۔

اس کی دلیل یہ ہے کہ حدیث میں حضرت عائشہ وحضرت ابوہریرہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ "لَوْ کُنْتُ آمُرُ أَحداً أَنْ یَسْجُدَ لِأَحدٍ لَأَمَرْتُ الْمَرْأَۃَ أَنْ تَسْجُدَ لِزَوْجِھَا" (اگر میں کسی کے لئے کسی کو سجدہ کا حکم دیتا تو میں عورت کو حکم دیتا کہ وہ اس کے شوہر کو سجدہ کرے)۔(۱)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سجدہ صرف اللہ عز وجل کے لئے ہے، اس میں کسی نبی یا ولی یا کسی اور کا کوئی حصہ نہیں، پھر یہاں یہ بھی سمجھئے کہ اس میں جس سجدہ کا ذکر ہے وہ سجدہ تعظیم ہی ہے، نہ کہ سجدۂ عبادت، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے جس سجدہ کی بابت ناجائز ہونا بتایا ہے وہ بطور عبادت سجدہ نہیں، بلکہ بطور تعظیم سجدہ ہے، اللہ کے نبی علیہ السلام نے اسکو بھی غیر اللہ کے لیے نادرست قرار دیا ہے۔ لہٰذا ہر قسم کا سجدہ صرف اللہ

---

(۱) ترمذی: ۱۱۵۹، ابن ماجہ: ۱۸۵۲، مسند احمد: ۲۴۵۱۵، ابن ابی شیبہ: ۵۵۸/۳

کے ساتھ مخصوص ہے۔

استعانت صرف اللہ سے:

استعانت یعنی مدد چاہنا، دراصل ایک قسم کی عاجزی وانکساری، ذلت ومحتاجی کا اظہار ہے۔ اور یہ بھی اللہ تعالیٰ سے ہی ہونا چاہئے؛ ایک تو اس لیے کہ یہ اظہار عبدیت ہے جو خدا تعالیٰ ہی کی جناب میں سزاوار ہے، دوسرے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ ہی حاجت روا اور مشکل کشا ہے، وہی سب خزانوں کا مالک، عالموں کا پالنہار و پروردگار، اور تمام قدرتوں اور خوبیوں کا جامع ہے، باقی سب اس کے مخلوق ومملوک اور پروردہ ہیں، سب کے سب اسی کے محتاج وفقیر ہیں، لہٰذا استعانت ''مدد مانگنا'' صرف اللہ تعالیٰ سے ہونا چاہئے۔

چنانچہ قرآن کی سب سے پہلی سورۂ ''الفاتحہ'' میں ہم کو تعلیم دی گئی ہے کہ تم یوں کہو:

'' إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ '' (یعنی اے اللہ! ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں)۔

حضرات مفسرین کرام نے اس کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ اے اللہ! ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں۔(۱)

علامہ شوکانی نے اپنی تفسیر میں اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے کہ: '' والمعنى: نخصك بالعبادة و نخصك بالاستعانة لا نعبد غيرك ولا نستعينه '' (معنی یہ ہیں کہ ہم عبادت میں بھی تجھے مخصوص کرتے ہیں اور مدد چاہنے میں بھی تجھ ہی کو خاص کرتے ہیں، نہ کسی اور کی عبادت کرتے ہیں اور نہ کسی سے مدد چاہتے ہیں)۔(۲)

اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے اس کی تفسیر میں فرمایا کہ اس آیت

---

(۱) طبری: ۱/۹۸، ابن کثیر: ۱/۴۸ (۲) فتح القدیر: ۱/۳۵

کامطلب یہ ہے کہ: "إياك نوحد و نخاف ونرجو يا ربنا لا غيرك، وإياك نستعين على طاعتك وعلى أمورنا كلها" (اے ہمارے پروردگار! ہم تجھے ایک مانتے ہیں اور تجھ ہی سے ڈرتے اور امید رکھتے ہیں، نہ کہ کسی اور سے، اور تیری اطاعت پر اور تمام امور میں تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں)۔(۱)

نیز حدیث میں ہے کہ حضرت ابن عباس نے کہا کہ میں ایک دن رسول اللہ ﷺ کے پیچھے بیٹھا ہوا تھا، آپ نے فرمایا کہ: "يَا غُلَامُ! إِذَا سَأَلْتَ فَاسْأَلِ اللّٰهَ وَ إِذَا اسْتَعَنْتَ فَاسْتَعِنْ بِاللّٰهِ، وَاعْلَمْ أَنَّ الْأُمَّةَ لَوِ اجْتَمَعَتْ عَلٰى أَنْ يَنْفَعُوْكَ لَمْ يَنْفَعُوْكَ إِلَّا بِشَيْءٍ قَدْ كَتَبَهُ اللّٰهُ لَكَ، وَلَوِ اجْتَمَعُوْكَ عَلٰى أَنْ يَضُرُّوْكَ لَمْ يَضُرُّوْكَ إِلَّا بِشَيْءٍ قَدْ كَتَبَهُ اللّٰهُ عَلَيْكَ، رُفِعَتِ الْأَقْلَامُ وَ جُفَّتِ الصُّحُفُ" (اے لڑکے! جب تجھے سوال کرنا ہو تو اللہ سے سوال کر اور جب تجھے مدد مانگنا ہو تو اللہ سے مدد مانگ، اور یہ جان لے کہ اگر تمام لوگ تجھے نفع پہنچانے پر جمع ہو جائیں تو سوائے اس نفع کے نہیں پہنچا سکتے جو اللہ نے تیرے لئے لکھ دیا ہے اور اگر سب لوگ تجھے نقصان پہنچانے پر متفق ہو جائیں تو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے سوائے اس کے جو اللہ نے تجھ پر لکھ دیا ہے، قلم اٹھا لئے گئے اور صحیفے خشک ہو گئے)۔(۲)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: "لِيَسْأَلْ أَحَدُكُمْ رَبَّهٗ حَاجَتَهٗ كُلَّهَا حَتّٰى شُسْعَ نَعْلِهٖ إِذَا انْقَطَعَ" (کہ تم میں سے ہر کوئی اپنے رب ہی سے اپنی تمام ضروریات کو طلب کرے حتی کہ اگر جوتے کا تسمہ بھی ٹوٹ جائے تو اسی سے مانگے)(۳)

اور خود نبی کریم ﷺ نے جب بھی مانگا تو اللہ ہی سے مانگا ہے اور دیگر انبیاء علیہم

---

(۱) تفسیر طبری: ۱/۹۸، الدر المنثور: ۱/۳۷، فتح القدیر: ۱/۳۵ (۲) ترمذی: ۲۵۱۶، مسند احمد: ۲۶۶۹

(۳) صحیح ابن حبان: ۳/۱۴۸، مسند ابویعلی: ۶/۱۳۰، معجم اوسط: ۵/۳۷۳، شعب الایمان: ۲/۴۰

السلام نے بھی اپنی ہر مشکل میں، ہر حاجت وضرورت میں اللہ تعالیٰ ہی سے مدد مانگی ہے۔اسی طرح اولیاء اللہ نے بھی کیا ہے۔لہٰذا اپنی حاجت وضرورت میں اپنی مصیبت ومشکل میں صرف اور صرف اللہ سے مدد مانگنا چاہیے۔

استغاثہ:

استغاثہ کے معنی یہ ہے کہ دفع شر یا حصول نفع کے لیے کسی کو مدد کے لیے پکارا جائے ،اگر وہ کام ایسا ہے جو صرف اللہ ہی کے اختیار میں ہو تو اس میں استغاثہ بھی صرف اللہ تعالیٰ سے جائز ہے کیوں کہ یہ بھی ایک طرف اپنی عبودیت کا اظہار ہے تو دوسری طرف اللہ تعالیٰ کی عظمت وبڑائی ،اس کی قدرت وطاقت، اس کی مالکیت وملوکیت اور اس کی حاجت روائی اور مشکل کشائی پر یقین وایمان پر دلیل ہے۔اور عبادت کا یہی حاصل ہے کہ اپنی عبدیت اور اللہ کی جلالت وعظمت کا اظہار کرے۔لہٰذا استغاثہ بھی صرف اللہ کے ساتھ خاص ہے،کسی اور کے ساتھ درست اور جائز نہیں ہے۔

﴿ أَمَّن يُجِيبُ الْمُضْطَرَّ إِذَا دَعَاهُ وَيَكْشِفُ السُّوءَ وَيَجْعَلُكُمْ خُلَفَاءَ الْأَرْضِ أَإِلَٰهٌ مَّعَ اللَّهِ قَلِيلًا مَّا تَذَكَّرُونَ ﴾ [النمل:٦٢]

(بھلا کون سنتا ہے پریشان حال کی جب وہ اس کو پکارتا ہے،اور اس کی مصیبت دور کرتا ہے اور تم کو زمین میں اگلے لوگوں کا نائب بناتا ہے؟ کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود ہے؟ بہت کم تم نصیحت پکڑتے ہو)

مطلب یہ ہے کہ سوائے اللہ کے کوئی ایسا نہیں جو مضطر و پریشان حال کی پکار سنے اور اس کی پریشانی کو دور کرے اور اس کی حاجت روائی ومشکل کشائی کرے۔

طبرانی نے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ کے زمانۂ مبارک میں ایک منافق تھا جو مسلمانوں کو ایذاء وتکلیف دیا کرتا تھا،بعض مسلمانوں نے دوسرے مسلمانوں سے ایک دن کہا کہ چلو ہمارے ساتھ کہ ہم اللہ کے رسول ﷺ سے اس منافق سے نجات کے

لیے استغاثہ کریں، یہ سن کر نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ مجھ سے استغاثہ نہ کیا جائے، استغاثہ تو اللہ تعالیٰ سے کیا جانا چاہئے۔(۱)

اس حدیث میں نبی کریم ﷺ نے غیر اللہ سے استغاثہ کرنے سے صاف طور پر منع فرمایا ہے اور صرف اللہ تعالیٰ سے استغاثہ کی تعلیم دی ہے۔ نیز اللہ کے نبی ﷺ جب ضرورت پیش آتی تو اللہ تعالیٰ ہی سے استغاثہ فرماتے۔ چنانچہ بخاری، مسلم، نسائی وغیرہ میں ہے کہ آپ ﷺ نے اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے اور دعا کی کہ:"أَللّٰهُمَّ أَغِثْنَا ، أَللّٰهُمَّ أَغِثْنَا ، أَللّٰهُمَّ أَغِثْنَا "(اے اللہ ہم کو سیراب کردے، اے اللہ ہم کو سیراب کردے، اے اللہ ہم کو سیراب کردے)۔(۲)

نیز حضرت انس اور ابن مسعود رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ کو جب کوئی بات پریشان کرتی تو آپ یہ دعاء پڑھتے کہ :"يا حي يا قيوم برحمتك أستغيث"(اے حی و قیوم! میں تیری ہی رحمت سے استغاثہ کرتا ہوں)۔(۳)

معلوم ہوا کہ استغاثہ صرف اللہ تعالیٰ سے ہونا چاہئے کسی اور سے استغاثہ کرنا توحید کے منافی ہے۔

نذر و منت:

نذر و منت بھی ایک عبادت ہے اس لیے یہ بھی صرف اللہ تعالیٰ کے لیے خاص ہے، غیر اللہ کے لیے جائز نہیں۔ علامہ ابن نجیم مصریؒ اور علامہ شامی حنفیؒ نے فرمایا کہ مخلوق کے لیے نذر جائز نہیں اس لیے کہ وہ عبادت ہے اور عبادت مخلوق کے لیے نہیں ہوسکتی۔(۴)

---

(۱) بحوالہ معارج الوصول:۱/۳۶۴ (۲) بخاری ۱/۱۳۱، رقم:۹۶۸، مسلم ۱/۲۹۳، رقم:۸۹۷، نسائی ۱/۲۲۵، رقم:۱۵۱۷، طحاوی ۱/۱۵۸ (۳) ترمذی:۳۵۲۴، مستدرک:۱/۶۸۹، شعب الایمان:۷/۲۵۸

(۴) البحر الرائق ۳/۲۹۸، شامی ۲/۴۳۹

ذبحِ حیوان یا قربانی:

تقرب حاصل کرنے کے لیے جانور کی قربانی پیش کرنا بھی ایک مخصوص طرح کی عبادت ہے اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہے۔ اس لیے نبی کریم ﷺ کو حکم دیا گیا کہ آپ یوں فرمائیں:

﴿قُلْ إِنَّ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ، لَا شَرِيْكَ لَهُ وَبِذَلِكَ أُمِرْتُ وَأَنَا أَوَّلُ الْمُسْلِمِيْنَ﴾ [الأنعام:۱۶۲-۱۶۳]

(آپ یوں کہیں کہ بلاشبہ میری نماز اور میری قربانی اور میرا جینا اور میرا مرنا سب اللہ رب العالمین کے لیے ہے، جس کا کوئی شریک نہیں، اور مجھے اسی کا حکم دیا گیا ہے اور میں سب سے اول ماننے والا ہوں)

نیز قرآن میں حکم دیا گیا کہ: ﴿فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ﴾ [الکوثر:۲]

(یعنی آپ اپنے رب کے لیے نماز پڑھیے اور قربانی کیجئے)

ایک حدیث میں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مجھ سے رسول اللہ ﷺ نے چار باتیں ارشاد فرمائیں، (ان میں سے ایک یہ ہے کہ) اللہ لعنت کرے اس پر جو غیر اللہ کے لیے جانور ذبح کرتا ہے۔ (۱)

اسی طرح حضرت ابن عباس سے بھی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ "مَلْعُوْنٌ مَنْ سَبَّ أَبَاهُ ،مَلْعُوْنٌ مَنْ سَبَّ أُمَّهُ ، مَلْعُوْنٌ مَنْ ذَبَحَ لِغَيْرِ اللّٰهِ الخ" (جس نے اپنے باپ کو گالی دی وہ ملعون ہے، جس نے اپنی ماں کو گالی دی وہ ملعون ہے اور جس نے غیر اللہ کے نام پر ذبح کیا وہ ملعون ہے الخ)۔ (۲)

---

(۱) مسلم: ۱۹۷۸، نسائی: ۴۴۲۲، مسند احمد: ۸۵۵، مجمع الزوائد ۱۴/۵ (۲) مسند احمد: ۱۸۷۵

اس سلسلہ میں ایک اور حدیث قابل عبرت آئی ہے، وہ یہ کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ایک شخص ایک مکھی کی وجہ سے جنت میں داخل ہوا اور ایک شخص مکھی کی وجہ سے دوزخ میں گیا۔ صحابہ نے پوچھا کہ وہ کیسے؟ فرمایا کہ دو آدمی ایک قوم پر سے گزرے، ان لوگوں کا ایک بت تھا، جو کوئی وہاں سے گزرتا اس کے لیے قربانی کرتا، ان لوگوں نے ان دونوں سے بھی کہا کہ اس بت کے لیے قربانی کرو، ان میں سے ایک نے کہا کہ میرے پاس کچھ نہیں ہے، لوگوں نے کہا کہ ایک مکھی کی قربانی دیدے۔ اس نے مکھی کی قربانی پیش کی اور وہ دوزخ میں گیا اور دوسرے نے کہا کہ میں سوائے اللہ کے کسی کے لیے قربانی پیش نہیں کرتا، لوگوں نے اس کو قتل کر دیا، وہ جنت میں داخل ہوا۔ (۱)

الغرض یہ اور اس قسم کی تمام عبادات صرف اور صرف ایک اللہ کے لئے مخصوص ہیں، ان میں کسی اور کا کوئی بھی حصہ نہیں، اور جو شخص ان میں اللہ کے سوا کسی اور کو بھی شریک کرتا ہے وہ شرک کا مرتکب ہے۔

توکل واعتماد:

عبادت کی قسموں میں سے ایک توکل واعتماد بھی ہے، لہٰذا یہ بھی صرف ایک اللہ وحدہ لاشریک پر ہونا چاہیئے، کسی اور پر اعتماد کرنا ناجائز ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے کہ:

﴿ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴾ [التغابن:۱۳] (مومنین کو چاہیئے کہ وہ اللہ ہی پر توکل کریں)

اور دوسری جگہ مؤمن کے اوصاف ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا گیا:

(۱) مسند احمد ۲۱۰/۲، مصنف ابن ابی شیبہ: ۴۷۳/۶، شعب الایمان: ۴۸۵/۵، حلیۃ الاولیاء: ۲۰۳/۱

﴿وَعَلٰی رَبِّھِمۡ یَتَوَکَّلُوۡنَ﴾[الانفال:۲] (اور یہ لوگ یعنی ایمان والے اللہ ہی پر بھروسہ کرتے ہیں)

ان آیات سے واضح طور پر مفہوم ہوتا ہے کہ اللہ پر توکل اور اعتماد ایمان کے لئے لازم ہے، بغیر توکل ایمان کا پایا جانا ایسا ہے جیسا کہ آگ جلانے کی صفت سے خالی ہو یا دوا شفاء کی خاصیات سے عاری ہو۔

اور نبی کریم ﷺ نے بھی توکل اور اعتماد علی اللہ کی تعلیم پوری قوت کے ساتھ پیش فرمائی ہے، جب ہجرت کا سفر ہوا تو آپ غارِ حرا میں تشریف لے گئے تا کہ کفار قریش کے تعاقب سے بچ جائیں اور آپ کے ساتھ آپ کے رفیق حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی تھے، حضرت صدیق نے محسوس فرمایا کہ کفار آپ کا تعاقب کرتے ہوئے غار کے قریب پہنچ چکے ہیں، تو عرض کیا کہ میں مشرکین کے قدم دیکھ رہا ہوں، اے اللہ کے رسول! اگر ان میں سے کوئی نیچے جھک کر دیکھ لے تو ہم پکڑ لئے جائیں گے۔ اس پر حضرت نبی کریم ﷺ نے صدیق اکبر کو توکل اور اعتماد علی اللہ کی جو تعلیم دی، اس کو قرآن کریم نے ان الفاظ سے ظاہر کیا ہے: " لَا تَحۡزَنۡ اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا "(اے ابوبکر! تم غم نہ کرو، بے شک اللہ تعالی ہمارے ساتھ ہے)[التوبہ:۴۰]

اسی واقعہ میں بخاری و مسلم نے نبی کریم ﷺ کے یہ الفاظ بھی نقل کئے ہیں کہ: "مَا ظَنّكَ يا أبابكر! باثْنَين اللّٰه ثالثُهُمَا "(اے ابوبکر! ان دو شخصوں کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے جن کا تیسرا اللہ تعالی ہو)(۱)

اس میں نبی کریم ﷺ نے ظاہری اسباب اور مادی طاقتوں اور انسانی تدبیروں اور کوششوں سے صدیق اکبر کی نظر و توجہ کو ہٹا کر اللہ وحدہ لاشریک لہ کی ذات پر مرکوز کروادی اور آپ کے دل میں اللہ پر توکل پیدا فرمادیا۔

---

(۱) بخاری:۳۴۵۳، مسلم:۲۳۸۱

حضرت براء بن عازب سے نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ:"جب تم سونے کیلئے بستر پر جاؤ تو یوں کہا کرو:" اَللّٰھُمَّ أَسْلَمْتُ وَجْھِيْ إِلَیْکَ ، وَفَوَّضْتُ أَمْرِيْ إِلَیْکَ ، وَ أَلْجَأْتُ ظَھْرِيْ إِلَیْکَ ،رَغْبَةً وَّ رَھْبَةً إِلَیْکَ ، لَا مَنْجَأَ وَلَا مَلْجَأَ مِنْکَ إِلَّا إِلَیْکَ "(اے اللہ !میں نے میرے نفس کو تیرے سپرد کیا اور میرے معاملات کو تیرے حوالہ کیا اور میری ذات کو تیری جانب متوجہ کیا رغبت وخوف سے تیری جانب رخ کیا،کوئی پناہ گاہ اور کوئی بچاؤ کی جگہ نہیں ہے مگر تیری ہی طرف)۔(۱)

اس حدیث میں بھی آپ نے اپنے تمام معاملات اور اپنے نفس وذات کو اللہ تعالی کے حوالے کرنے اور اس پر بھروسہ رکھنے کی تعلیم فرمائی ہے۔

باب دوم

شرک کی حقیقت،تاریخ،اس کی مذمت واقسام

شرک کی مذمت و برائی:

توحید کے مقابلے شرک انتہائی گھناؤنا اور خطرناک و بدترین جرم ہے،اس لیے قرآن کریم اور حدیث نبوی میں اس کی مذمت اور برائی کھل کر بیان کی گئی ہے اور اس کو ایسا گناہ قرار دیا ہے کہ بندہ اس کے ارتکاب کے بعد توبہ کئے بغیر مر گیا تو کبھی اس کی بخشش نہ ہوگی ۔اور بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر قسم کے گناہ معاف کر دیتا ہے مگر شرک ایسا بدترین اور خبیث گناہ اور جرم ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے معاف نہیں فرمائیں گے۔

چنانچہ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے حضرت لقمان کی اپنے بیٹے کو نصیحت کا ذکر کیا ہے اس میں ان کی ایک نصیحت کو ان الفاظ میں پیش کیا ہے:

---

(۱) بخاری:۲۴۴،مسلم:۲۸۱۰

﴿ وَإِذْ قَالَ لُقْمَانُ لِابْنِهِ وَهُوَ يَعِظُهُ يَا بُنَيَّ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ ﴾[لقمان:۱۳]

(اور جبکہ حضرت لقمان نے اپنے بیٹے سے نصیحت کرتے ہوئے کہا کہ اے میرے بیٹے! اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا، بلا شبہ شرک بڑا ظلم ہے)

سورۂ نساء میں ارشادِ ربانی ہے:

﴿ إِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ أَن يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَٰلِكَ لِمَن يَشَاءُ وَمَن يُشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدِ افْتَرَىٰ إِثْماً عَظِيماً﴾ [النساء:٤٨]

(بے شک اللہ تعالیٰ نہیں بخشتا اس بات کو کہ شرک کیا جائے اور اس کے علاوہ دوسرے گناہ کو جس کے لئے چاہے معاف کردے گا، اور جس نے اللہ کے ساتھ کسی کو شریک کیا اس نے بڑی گناہ کی بات گھڑی)

دوسری جگہ آیا ہے کہ:

﴿ إِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ أَن يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَٰلِكَ لِمَن يَشَاءُ وَمَن يُشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا بَعِيداً ﴾ [النساء:١١٦]

(بے شک اللہ تعالے نہیں بخشتا اس بات کو کہ شرک کیا جائے اور اس کے علاوہ دوسرے گناہ کو جس کے لئے چاہے معاف کردے گا، اور جس نے اللہ کے ساتھ کسی کو شریک کیا وہ بہت دور کی گمراہی میں جا پڑا)

ایک جگہ حضرت عیسی علیہ السلام کا یہ ارشاد نقل فرمایا ہے:

﴿ إِنَّهُ مَن يُشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَأْوَاهُ النَّارُ﴾

[المائدة:٧٢]

(بلا شبہ جو اللہ کے ساتھ شرک کرے تو اللہ اس پر جنت حرام کردے گا اور اس کا ٹھکانہ جہنم ہے)

ایک جگہ یہ فرمایا کہ:

﴿ وَمَنْ يُشْرِكْ بِاللّٰهِ فَكَأَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَاءِ فَتَخْطَفُهُ الطَّيْرُ أَوْ تَهْوِي بِهِ الرِّيحُ فِي مَكَانٍ سَحِيقٍ ﴾ [الحج:۳۱]

(جس نے اللہ کے ساتھ شرک کیا وہ ایسا ہے گویا کہ وہ آسمان سے گر پڑا، پھر پرندوں نے اس کو نوچ لیا، یا اس کو ہوا نے کسی دور دراز جگہ لے جا کر ڈال دیا)

ایک جگہ حضرات انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کے بارے میں فرمایا گیا ہے:

﴿ وَلَوْ أَشْرَكُوا لَحَبِطَ عَنْهُم مَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴾[الأنعام:۸۸]

(اگر یہ (حضرات انبیاء) بھی شرک کرتے تو ان کے اعمال بھی جو وہ کرتے تھے خبط ہو جاتے)

اور ایک مقام پر سردار انبیاء وامام المرسلین حضرت محمد ﷺ سے خطاب کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ وَلَقَدْ أُوحِيَ إِلَيْكَ وَإِلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكَ لَئِنْ أَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ وَلَتَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِينَ ﴾ [الزمر:۶۵]

(اور آپ کی طرف بھی اور جو پیغمبر آپ سے پہلے گزرے ہیں ان کی طرف بھی یہ وحی بھیجی جا چکی ہے اگر آپ بھی (بالفرض) شرک کریں گے تو آپ کا عمل بھی حبط ہو جائے گا)

ان آیات پر غور کیجئے کہ شرک کی کس قدر مذمت و برائی بیان کی گئی ہے حتی کہ حضرات انبیاء اور خود حضرت سرور کائنات ﷺ سے کس انداز سے خطاب فرمایا گیا ہے، حالانکہ انبیاء علیہم السلام گناہوں سے بھی معصوم و بری ہوتے ہیں، شرک کا ان سے صدور پانا ناممکن ہے، مگر دوسروں کی عبرت کے لیے فرمایا گیا کہ بفرض محال یہ حضرات بھی شرک کریں تو ان کے اعمال بھی حبط ہو جائیں گے۔ نیز اس کو ظلم عظیم کہا گیا، اور ناقابل بخشش ٹھہرایا گیا، یہ سب اس لئے کہ شرک کی انتہائی مذمت و قباحت ظاہر ہو۔ الغرض شرک ایمان کے لیے زہر قاتل ہے، اعمال خیر کو باطل کرتا ہے، اللہ کی رحمت

سے اتنا دور کر دیتا ہے کہ اگر شرک پر موت ہوگئی تو مغفرت کا راستہ کلیۃً مسدود و بند ہو جاتا ہے اور ہمیشہ ہمیشہ اس کا ٹھکانہ جہنم قرار پاتا ہے۔ اَللّٰھُمَّ احْفَظْنَا۔

یہ تو قرآن سے شرک کی برائی و مذمت ثابت کی گئی، اب چند احادیث بھی ملاحظہ کیجئے:

(۱) ایک حدیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ:" ألا أنبئكم بأكبر الكبائر ثلاثاً ؟ قالوا : بلى يا رسول الله ! ، قال: الإشراك بالله ، وعقوق الوالدين، - وكان متكئا فجلس فقال - : ألا وقول الزور ، و شهادة الزور ، ألا وقول الزور، و شهادة الزور" (کیا میں تم کو کبیرہ گناہوں میں سے سب سے بڑے گناہ نہ بتاؤں؟ یہ تین بار فرمایا، صحابہ نے عرض کیا کہ کیوں نہیں! آپ نے فرمایا کہ وہ یہ ہیں: اللہ کے ساتھ شرک کرنا، والدین کی نافرمانی کرنا- آپ اس وقت ٹیک لگائے ہوئے تھے، اب بیٹھ گئے اور فرمایا- اور جھوٹ کہنا اور جھوٹی گواہی دینا، اور جھوٹ کہنا اور جھوٹی گواہی دینا۔ (۱)

(۲) حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ کے پاس تین قسم کے دیوان (رجسٹر) ہیں: ایک وہ ہے جس کی اللہ تعالیٰ کوئی پراہ نہ فرمائیں گے، دوسرا وہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس میں سے کچھ بھی نہیں چھوڑیں گے، تیسرا وہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی معافی و بخشش نہ کریں گے۔ جو دیوان کہ اللہ اس کی بخشش نہ کریں گے وہ شرک کا دفتر ہے، اور وہ جس کی پرواہ نہ کریں گے وہ ان گناہوں کا دفتر ہے کہ اللہ اور بندوں کے درمیان ہے، جیسا نماز روزہ کا چھوڑ دینا کہ اللہ ان کو معاف کرنا چاہے تو معاف کر دے گا اور وہ دیوان جس کو اللہ نہیں چھوڑیں گے وہ بندوں کا دوسرے بندوں پر ظلم کرنا ہے، اس میں ضرور بدلہ لیا جائے گا۔ (۲)

(۳) حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد

---

(۱) بخاری: ۵۶۳۱ واللفظ لہ، مسلم: ۶۵۲۱، ترمذی: ۱۹۰۱، احمد: ۲۰۴۰۱ (۲) مسند احمد: ۲۴۰/۶، رقم: ۲۶۰۷۳، مجمع الزوائد ۳۴۸/۱۰

فرمایا کہ: اللہ تعالے بندے کی توبہ قبول کرتے ہیں یا یہ فرمایا کہ اللہ تعالے بندے کی مغفرت کرتے ہیں جب تک کہ پردہ نہ پڑ جائے۔آپ سے پوچھا گیا کہ: یا نبی اللہ! یہ پردہ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ: کوئی نفس اس حال میں مرجائے کہ اللہ کے ساتھ شرک کرتا ہو۔(۱)

ان احادیث سے بھی صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کی نظر میں شرک انتہائی گھناؤنا جرم ہے اور بغیر توبہ کے مرنے والے کے حق میں نا قابل معافی گناہ ہے۔

شرک کیا ہے؟:

اب رہا یہ سوال کہ شرک کیا ہے؟ اس کی حقیقت واصلیت کیا ہے؟ تو اس کا جواب بہت آسان ہے؛ کیونکہ توحید کو جب سمجھ لیا گیا تو شرک چونکہ اس کی ضد ہے، اس لیے اسکا سمجھنا بہت آسان ہو گیا۔

جیسا کہ توحید کے بیان میں ذکر کیا گیا،توحید ایک تو یہ ہے کہ اللہ کو تنہا خالق و مالک، رازق ورب، مدبر و منتظم کائنات مانا جائے۔اس توحید کو ’’توحیدِ ربوبیت‘‘ کہتے ہیں اور دوسرے یہ کہ صرف اللہ کو معبود و مسجود یعنی عبادت کا مستحق مانا جائے ۔یہ توحید اُلوہیت ہے ۔پھر یہ بھی بتایا گیا تھا کہ اللہ کے ناموں اور صفات میں بھی اس کو یکتا ماننا توحید کے لیے ضروری ہے، اس کو توحید الاسماء والصفات کہتے ہیں۔اس اعتبار سے شرک یہ ہے کہ اللہ کی ربوبیت یا الوہیت یا اسماء وصفات میں کسی اور کو شریک وساجھی وحصہ دار مانا جائے اور ربوبیت اور الوہیت کا پورا نہ سہی تھوڑا حصہ بھی کسی اور کے لیے مانا جائے اور اس کے ناموں اور صفتوں میں پورا پورا نہ سہی کچھ حصہ میں ہی شریک مانا جائے۔اس اجمال کے بعد ہم اس کی تفصیل بیان کرتے ہیں تاکہ بات کھل کر سامنے آجائے۔

---

(۱)مسند احمد: ۵/۱۷۴، رقم: ۲۱۵۶۲، مسند الشامیین: ۴/۳۶۷، مسند ابن الجعد: ۱/۴۸۹

شرک فی الرُّبوبیت:

اللہ تعالیٰ کے رب، خالق و مالک مدبر ومنتظم ہونے پر یقین کے ساتھ کوئی شخص کسی کو یا کسی چیز کو ان باتوں میں اللہ کے ساتھ شریک مانتا ہے اور اس کو اللہ کی طرح خالق، مالک، رازق، موت وحیات کا مالک، کائنات کا رب، مدبر ومنتظم مانتا ہے، تو یہ اللہ کی ربوبیت میں شرک ہے۔

اور جیسا کہ ہم نے اوپر بتایا ہے، اس شرک کا دنیا میں سوائے اکے دکے چند افراد کے کوئی قائل نہیں ہوا ہے، حتی کہ مشرکین مکہ اور اللہ کے رسول علیہ الصلوۃ والسلام کے زمانہ کے دیگر مشرکین بھی اس قسم کے شرک سے پاک وبری تھے؛ کیوں کہ وہ بھی ربوبیت خداوندی میں کسی بڑے چھوٹے بت کو یا کسی اور شخصیت کو شریک نہیں ٹھہراتے تھے، جیسا کہ توحید ربوبیت کی تفصیل کے ضمن میں اسکو ذکر کر چکا ہوں اور اس پر ان آیات کو بطور دلیل پیش کر چکا ہوں جن میں ان کی طرف سے توحید ربوبیت کا اعتراف واقرار واضح طور پر موجود ہے کہ وہ زمین وآسمان کی تخلیق میں، شمس وقمر کی تسخیر میں، بارش کے برسانے میں، کھیتوں کے اُگانے میں، انسانوں اور جانوروں اور دیگر مخلوقات کے جِلانے اور مارنے میں، ہواؤں کے چلانے میں، دریاؤں کے رواں کرنے میں اور دیگر امور کی تدبیر اور انتظام میں کسی بھی مخلوق کو اللہ تعالیٰ کا شریک نہیں مانتے تھے۔ لہٰذا یہ بات مسلم ہے کہ توحید ربوبیت تمام دنیائے انسانیت کا متفقہ عقیدہ و مذھب اور ایک اٹل نظریہ ہے۔

البتہ نمرود اور فرعون اور ان جیسے ذہن کے حامل بعض گنتی کے افراد ایسے گزرے ہیں جنھوں نے اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کا انکار کیا اور خود کو خدا اور ربِ کائنات بتایا ہے؛ مگر قرآن سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ ان کا انکار محض تکبر کی بنا پر تھا، ورنہ دل سے وہ بھی جانتے تھے کہ اس کائنات کا رب و مالک صرف اللہ تعالیٰ ہے۔

شرک فی الاسماء والصفات:

اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب اور اپنے نبی کی زبانِ مبارک سے اپنے لیے اسمائے حسنی اور صفات کمالیہ بیان فرمائے ہیں، ان اسماء اور صفات میں بھی اللہ تعالیٰ کو تنہا اور یکتا ماننا ضروری اور توحید کا جز ہے، اور اس کے برعکس کسی مخلوق کو ان اسماء وصفات میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ماننا صریح قسم کا شرک ہے، اسی کو شرک فی الاسماء والصفات کہتے ہیں۔

قرآن میں فرمایا گیا ہے:

﴿لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ﴾[الشوری:۱۱]

(اس کے جیسا کوئی نہیں اور وہ سننے والا جاننے والا ہے)

ملا علی قاری ''شرح فقہ اکبر'' میں علماء اہل سنت کا مسلک بیان کرتے ہیں کہ:

''والمشهور عند الجمهور من أهل السنة والجماعة : أنهم لا يريدون بنفي التشبيه نفي الصفات ، بل يريدون أنه سبحانه لا يُشْبِهُ المخلوق في أسمائه وصفاته و أفعاله ''(جمہور اہل السنۃ والجماعۃ کے نزدیک مشہور یہ ہے کہ یہ حضرات اللہ کے ساتھ مخلوق کو تشبیہ دینے کی نفی سے صفات کا انکار مراد نہیں لیتے بلکہ یہ مراد لیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے ناموں، صفتوں اور فعلوں میں کسی مخلوق سے مشابہ نہیں)۔(۱)

نیز ملا علی قاریؒ نے اسی مقام پر امام اسحاق بن راہویہ کا قول نقل کیا ہے کہ ''جس نے اللہ کا وصف بیان کیا اور اللہ کی مخلوق میں سے کسی کی صفات کے اس کو مشابہ قرار دیا تو وہ اللہ تعالیٰ کا انکار کرنے والا ہے۔(۲)

اللہ کے ناموں کے بارے میں قرآن میں آیا ہے کہ:

﴿وَلِلَّهِ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنَىٰ ، فَادْعُوهُ بِهَا، وَذَرُوا الَّذِينَ يُلْحِدُونَ فِي

(۱) شرح فقہ اکبر:۱۷(۲) شرح فقہ اکبر:۱۷

أَسْمَائِهِ، سَيُجْزَوْنَ بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴾ [الأعراف: ۱۸۰]

(اور اللہ کے لئے اچھے اچھے نام ہیں، پس تم ان سے اس کو پکارو، اور ان لوگوں کو چھوڑ دو جو اللہ کے ناموں میں کجروی اختیار کرتے ہیں، وہ اپنے عمل کا بدلہ دئے جائیں گے)

''الحاد'' کا اصل معنی حد اعتدال سے عدول واعراض ہے، اور یہاں اس سے کیا مراد ہے؟ اس سلسلہ میں مفسرین نے کئی اقوال بیان کئے ہیں، حضرت ابن عباس اور حضرت مجاہد وغیرہ نے فرمایا کہ ملحدین کا اللہ کے ناموں میں الحاد یہ تھا کہ انہوں نے اللہ کے نام سے اپنے ایک بت کا نام ''لات'' تراش لیا اور اللہ کے نام ''عزیز'' سے اپنے دوسرے بت کا نام ''عزی'' بنالیا۔(۱)

حضرت قتادہ نے کہا کہ الحاد کے معنے شرک کرنے کے ہیں، لہٰذا الحاد فی الاسماء کا مطلب ہوا اللہ کے ناموں میں غیر اللہ کو شریک کرتے ہیں۔(۲)

اور حضرت ابن عباس کا دوسرا قول اس سلسلہ میں یہ ہے کہ الحاد کے معنے تکذیب کے ہیں، لہٰذا ''الحاد فی الاسماء'' کے معنے اللہ کے ناموں کو جھٹلانے کے ہوئے۔(۳)

اس آیت کی تفسیر میں حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ نے ترجمۂ شیخ الہند پر اپنے ''فوائد تفسیریہ'' میں لکھا ہے کہ: ''خدا کے ناموں اور صفتوں کے متعلق کجروی یہ ہے کہ خدا پر ایسے نام یا صفت کا اطلاق کرے جس کی شریعت نے اجازت نہیں دی، اور جو حق تعالے کی تعظیم واجلال کے لائق نہیں، یا اس کے مخصوص نام یا صفت کا اطلاق غیر اللہ پر کرے، یا ان کے معانی بیان کرنے میں بے اصول تأویل یا کھینچ تان کرے، یا ان کو معصیت (سحر وغیرہ) کے مواقع پر استعمال کرے، یہ سب کجروی ہے۔(۴)

---

(۱) تفسیر طبری: ۶/۱۳۱، ابن کثیر: ۲/۳۵۷ (۲) تفسیر طبری: ۶/۱۳۱، ابن کثیر: ۲/۳۵۷ (۳) تفسیر طبری: ۶/۱۳۱، ابن کثیر: ۲/۳۵۷ (۴) ترجمہ شیخ الہند مع فوائد تفسیرہ از مولانا شبیر احمد عثمانی

لہٰذا مسلمان جب اللہ تعالیٰ کی ذات پر اللہ کے ناموں کا اطلاق کرتے ہیں یا اس کے لیے اس کی صفات کو بیان کرتے ہیں جو اللہ تعالی نے اپنی کتاب میں اور رسول اللہ ﷺ نے احادیث میں بیان کیے ہیں تو یقینی طور پر وہ جانتے اور مانتے ہیں کہ ان صفات میں سے کسی بھی صفت کا مخلوقات کی صفات کے مشابہ ہونا قطعی محال اور ناممکن ہے؛ کیوں کہ دونوں میں فرق عظیم اور بون بعید ہے۔

اس لیے اللہ تعالیٰ کی صفات اور اسماء کو مومن بے نظیر اور بے مثال مانتا ہے، ان کو کسی سے مشابہ نہیں مانتا، اگر کوئی مانتا ہے تو وہ شرک فی الاسماء وصفات کا بدترین گناہ کر رہا ہے۔

شرک فی الالوہیت:

اللہ تعالی کی عبادت میں غیر اللہ کو شریک کرنا ''شرک فی الالوہیت'' ہے، اور عام طور پر قرآن وحدیث میں اور اسلامی لٹریچر میں اسی توحید کا ذکر کیا گیا ہے؛ کیونکہ مشرکین اسی میں اختلاف کرتے تھے، اور اللہ کے علاوہ اپنے ہاتھ کے تراشیدہ مورتیوں کو، پتھر اور دھاتوں سے بنے بتوں کو، درختوں، جانوروں، سورج و چاند وغیرہ کی عبادت کیا کرتے تھے۔

اور یہ شرک فی الالوہیت مختلف قسم کی عبادات کے ساتھ ہوتا تھا۔

(۱) ایک یہ کہ اللہ سے جیسی محبت ہونا چاہئے ان مورتیوں اور بتوں سے بھی اسی طرح کی محبت وعقیدت کا اظہار کیا جاتا تھا۔ قرآن کہتا ہے:

﴿وَمِنَ النَّاسِ مَن يَتَّخِذُ مِن دُونِ اللّٰهِ أَندَاداً يُحِبُّونَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ وَالَّذِينَ آمَنُواْ أَشَدُّ حُبّاً لِّلّٰهِ﴾ [البقرة:١٦٥]

(اور لوگوں میں سے بعض لوگ اللہ کو چھوڑ کر دوسروں کو معبود بناتے ہیں ان سے ایسی محبت کرتے ہیں جیسی اللہ سے محبت ہوتی ہے)

(۲) دوسرے یہ کہ ان کی عبادت کی جاتی تھی:

﴿ وَيَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنفَعُهُمْ وَيَقُولُونَ هَـٰؤُلَاءِ شُفَعَاؤُنَا عِندَ اللّٰهِ قُلْ أَتُنَبِّئُونَ اللّٰهَ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْأَرْضِ سُبْحَانَهُ وَتَعَالَىٰ عَمَّا يُشْرِكُونَ ﴾ [یونس:۱۸]

(اور یہ لوگ اللہ کو چھوڑ کر ان چیزوں کی عبادت کرتے ہیں جو ان کو نہ نقصان پہنچا سکتے ہیں نہ نفع دے سکتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ یہ بت اللہ کے پاس ہمارے سفارشی ہیں، آپ کہہ دیجئے کہ کیا تم اللہ کو وہ بات بتاتے ہو جو وہ آسمانوں اور زمین میں نہیں جانتا، وہ پاک اور برتر ہے اس چیز سے جس کو یہ اللہ کے ساتھ شریک کرتے ہیں)

(۳) تیسرے یہ کہ بتوں کے نام پر نذر و منت کیا کرتے تھے:

﴿وَجَعَلُوا لِلّٰهِ مِمَّا ذَرَأَ مِنَ الْحَرْثِ وَالْأَنْعَامِ نَصِيبًا فَقَالُوا هَـٰذَا لِلّٰهِ بِزَعْمِهِمْ وَهَـٰذَا لِشُرَكَائِنَا فَمَا كَانَ لِشُرَكَائِهِمْ فَلَا يَصِلُ إِلَى اللّٰهِ وَمَا كَانَ لِلّٰهِ فَهُوَ يَصِلُ إِلَىٰ شُرَكَائِهِمْ سَاءَ مَا يَحْكُمُونَ ﴾ [الأنعام:۱۳۶]

(اور یہ لوگ کھیتی اور جانوروں میں سے اللہ کا حصہ ٹھہراتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ یہ اللہ کا حصہ ہے اور یہ ہمارے معبودوں کا حصہ ہے، پھر جو ان کے معبودوں کا حصہ ہے وہ تو اللہ کو نہیں پہنچ سکتا اور جو اللہ کا حصہ ہے وہ ان کے معبودوں کو پہنچ سکتا ہے، کس قدر بے انصافی کی بات کرتے ہیں)

حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی نے حضرت شاہ عبدالقادر دہلوی سے اس کی تفسیر میں نقل کیا ہے کہ: ”کافر اپنی کھیتی میں سے اور مویشی کے بچوں میں سے اللہ کی نیاز نکالتے اور بتوں کی بھی نیاز نکالتے، پھر بعضے جانور اللہ کے نام کا بہتر دیکھا تو بتوں کی طرف بدل دیا، مگر بتوں کی طرف کا اللہ کی طرف نہ کرتے، ان سے زیادہ ڈرتے۔(۱)

---

(۱) تفسیر عثمانی:۱۹۳

اسی طرح کچھ مخصوص قسم کے جانوروں کو بتوں کے نام پر چھوڑ دیا کرتے تھے، جن کو بحیرہ، سائبہ، وصیلہ اور حامی کہا کرتے تھے، اللہ نے اس کے رد میں فرمایا ہے:

﴿مَا جَعَلَ اللّٰهُ مِن بَحِيرَةٍ وَلَا سَآئِبَةٍ وَلَا وَصِيلَةٍ وَلَا حَامٍ وَلَـٰكِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا يَفْتَرُونَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَأَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ﴾ [المائدۃ:۱۰۳]

(اللہ نے نہ تو بحیرہ کو مقرر کیا اور نہ سائبہ کو نہ وصیلہ کو نہ حامی کو، لیکن یہ کافر لوگ اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں اور ان میں سے اکثروں کو عقل نہیں ہے)

فائدہ: مذکورہ نام کے جانوروں کی تفسیر میں اختلاف ہے، حضرت سعید بن المسیبؒ نے کہا کہ "بحیرہ" وہ جانور ہے جس کا دودھ بتوں کے لئے نذر دیتے تھے اور کوئی اس کو دوہتا نہ تھا، "سائبہ" وہ جانور ہے جس کو بتوں کے نام چھوڑ دیتے تھے اور اس پر کوئی چیز لادی نہ جاتی تھی، اور "وصیلہ" جو اونٹی ہمیشہ مادہ جنتی تھی اس کو بتوں کے نام کر دیتے تھے، اور "حامی" وہ نر اونٹ جو خاص عدد میں جفتی کر چکا ہو اس کو بھی بتوں کے نام پر چھوڑ دیتے تھے۔(۱)

(۴) بتوں کے نام پر قربانی وذبیحہ پیش کیا کرتے تھے، اور اسی کو قرآن میں ان الفاظ سے ذکر کیا گیا ہے:

﴿وَمَا أُهِلَّ بِهِ لِغَيْرِ اللّٰهِ﴾ [البقرۃ: ۱۷۳] (وہ جانور جو غیر اللہ کے نام پر قربان کیا گیا)

اور ایک جگہ یوں فرمایا کہ:

﴿وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ﴾ [المائدۃ:۳] (وہ جانور جو بتوں کے نام پر ذبح کیا گیا)

اسلام نے اس قسم کے جانوروں کو حرام قرار دیا ہے، امام ابوجعفر طبری کہتے ہیں

(۱) بخاری: ۲/ ۶۶۵

کہ یہ مشرکین جب اپنے ان جانوروں کو ذبح کرنا چاہتے جن کو بتوں کے نام چھوڑ رکھا ہے تو وہ اپنے بتوں کا نام لیکر ذبح کرتے اور ان کے نام زور سے لیتے تھے۔(۱)

ابن اسحاق نے کہا کہ ''مشرکین عرب میں سے ہر ایک نے اپنے گھر میں ایک ایک بت بنا رکھا تھا، جس کی وہ عبادت کرتے تھے، جب کوئی شخص سفر کا ارادہ کرتا تو سوار ہونے کے وقت اس بت کو چھوتا اور یہ سفر میں جاتے وقت اس کا آخری کام ہوتا، پھر جب سفر سے واپس آتا تو اسی طرح بت کو چھوتا اور یہ واپسی پر اس کا اپنے گھر والوں کے پاس جانے سے پہلے سب سے اول کام ہوتا، نیز کہتے ہیں کہ ان لوگوں نے کعبے کی طرح بہت سے ایسے گھر بنا لئے تھے جن کی وہ کعبہ کی طرح تعظیم کیا کرتے تھے، اور اس کی باقاعدہ ذمہ دار کمیٹیاں ہوتیں، اور ان کے لئے جانور کی قربانیاں روانہ کی جاتی تھیں جس طرح کعبے کے لئے بھیجی جاتی ہیں، اور ان گھروں کا طواف کعبہ کی طرح کرتے تھے اور وہاں جانور ذبح کئے جاتے تھے، مگر ان پر کعبہ کو زیادہ فضیلت دیتے تھے۔(۲)

الغرض عبادت کے مختلف طریقے جو اسلام میں اللہ کے لئے مخصوص ہیں یہ مشرکین ان کو بتوں اور مورتیوں کے لئے اختیار کرتے تھے، اور یہی ان کا شرک تھا جس کی مذمت سے قرآن بھرا ہوا ہے۔

شرک کی ابتداء کب ہوئی:

جب شرک کی اقسام اور ان کی تفصیلات سامنے آگئیں تو اب اس کو سمجھ لینا بھی ضروری ہے کہ دنیا میں شرک کی ابتداء کب اور کیسے ہوئی، تاکہ شرک کے اسباب و بواعث پر بھی روشنی پڑے۔

حضرت آدم علیہ السلام کے دور اور اس کے بعد کے کئی ادوار میں پوری دنیائے انسانیت ''عقیدۂ توحید'' پر قائم تھی اور دین اسلام کی پابند تھی اور اس طرح دس صدیاں

(۱) تفسیر طبری: ۸۸/۲ (۲) البدایۃ والنہایۃ: ۱۹۲/۲، سیرت ابن ہشام: ۸۳/۱

گزر گئیں، پھر حضرت نوح علیہ السلام کے زمانہ سے کچھ پہلے لوگوں کے درمیان اختلاف ہوا اور لوگ دو گروہوں میں تقسیم ہو گئے: ایک مومن، دوسرے مشرک و کافر۔

قرآن میں ارشاد خداوندی ہے کہ:

﴿ كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَاحِدَةً فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيِّينَ مُبَشِّرِينَ وَمُنذِرِينَ وَأَنزَلَ مَعَهُمُ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيمَا اخْتَلَفُوا فِيهِ ﴾ [البقرة:۲۱۳]

(لوگ ایک ہی امت تھے، پس اللہ نے نبیوں کو بشارت دینے والے اور ڈرانے والے بنا کر بھیجا، اور ان کے ذریعہ حق کے ساتھ کتاب اُتاری تا کہ وہ لوگوں کے درمیان ان چیزوں میں فیصلہ کردیں جن میں انہوں نے اختلاف کیا)

حضرت عبداللہ بن عباسؓ اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں: "المراد بالناس القرون التي كانت بين آدم ونوح، وهي عشرة، كانوا على الحق حتى اختلفوا، فبعث الله نوحاً فمن بعده" (اس آیت میں ان لوگوں سے وہ صدیاں مراد ہیں جو آدم ونوح کے درمیان گزری ہیں اور یہ دس صدیاں تھیں، ان میں لوگ حق پر قائم تھے؛ حتی کہ جب اختلاف ہوا تو اللہ نے نوح کو بھیجا، پھر ان کے بعد دوسرے انبیاء کو بھیجا)۔(۱)

امام ابن جریر طبری نے اور ان ہی کے حوالے سے کچھ اضافے کے ساتھ علامہ ابن کثیر نے اسی آیت کے تحت لکھا ہے:

"حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے، انہوں نے کہا کہ آدم ونوحؑ کے درمیان دس قرن گزرے ہیں، وہ سب کے سب شریعتِ حق پر قائم تھے، پھر جب اختلاف کیا تو اللہ نے نبیوں کو بھیجا۔ ابن جریر نے کہا کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی قرأت بھی

(۱) تفسیر قرطبی: ۳۰/۳

اسی طرح ہے: " کان الناس اُمةً واحدةً فاختلفوا "(لوگ ایک ہی دین پر تھے، پھر اختلاف کیا) اس کو حاکم نے مستدرک میں بندار کی حدیث سے محمد بن بشار سے روایت کیا ہے اور کہا کہ صحیح الاسناد ہے اور بخاری ومسلم نے روایت نہیں کیا۔........ .
آگے چل کر کہتے ہیں کہ.........قتادہ سے عبدالرزاق نے یہی نقل کیا کہ سب لوگ حق پر تھے، پھر اختلاف کیا۔اسی طرح حضرت مجاہد نے کہا ہے ۔ابن عباسؓ سے یہی قول سنداًومعناً دونوں طرح زیادہ صحیح طور پر ثابت ہے کیوں کہ سب لوگ آدم کے طریقہ پر تھے حتی کہ پھر بتوں کو پوجنے لگے۔(۱)

ان عبارات سے معلوم ہوا کہ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت نوح علیہ السلام سے ذرا قبل تک پوری دنیا توحید پر اور دین حق پر قائم تھی،شرک کا نام ونشان نہ تھا، اس کے بعد شرک کی بیماری لوگوں میں پھیلی اور پوری دنیا کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔

شرک کا بڑا سبب عقیدتِ اولیاء میں غلو:

رہا یہ سوال کہ یہ شرک آخر پھیلا کیسے اور اس کا سبب کیا بنا؟ اس کی تفصیل کتب حدیث وتفسیر میں موجود ہے۔قرآن پاک میں یہ آیت آئی ہے:

﴿وَقَالُوا لَا تَذَرُنَّ آلِهَتَكُمْ وَلَا تَذَرُنَّ وَدّاً وَلَا سُوَاعاً وَلَا يَغُوثَ وَيَعُوقَ وَنَسْراً﴾ [نوح:۲۳]

(قوم نوح کے لوگوں نے کہا کہ تم اپنے معبودوں کو نہ چھوڑو، اور نہ ود کو، نہ سواع کو، نہ یغوث کو، نہ یعوق کو اور نہ نسر کو چھوڑو)

اس آیت کی تفسیر میں دو قول ہیں: ایک یہ کہ یہ ود، سواع، یغوث، یعوق اور نسر قوم نوح کے بتوں کے نام ہیں، حضرت ابن عباس، حضرت قتادہ، حضرت ضحاک اور حضرت ابن زید سے یہ منقول ہے۔(۲)

(۱) تفسیر طبری:۲/۳۴۷،تفسیر ابن کثیر ۱/۲۵۰ (۲) تفسیر طبری:۱۲/۲۵۳

اور دوسرا قول یہ ہے کہ دراصل قوم نوح کے لوگ نیک وصالح تھے، ان کے انتقال کے بعد ان لوگوں نے ان کے مجسمے بنائے، پھر بعد والوں نے ان کو پوجنا شروع کر دیا۔

امام بخاریؒ نے اپنی سند کے ساتھ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے یہی بات روایت کی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ یہ پانچ (ود، سواع، یغوث، یعوق اورنسر) حضرت نوح کی قوم کے نیک وصالح لوگوں کے نام تھے، پس جب ان کا انتقال ہو گیا تو شیطان نے ان کی قوم کے لوگوں کے دلوں میں یہ بات ڈالی کہ یہ نیک لوگ جہاں بیٹھتے تھے وہاں ان کے بت نصب کریں اوران کے نام پران بتوں کے نام رکھیں، چنانچہ ان لوگوں نے ان نیک لوگوں کے نام پران بتوں کے نام رکھے، لیکن ان کی عبادت نہیں کی جاتی تھی، جب یہ (بت بنانے والے لوگ) انتقال کر گئے اور حقیقت روپوش ہوگئی تو ان کی عبادت وپرستش ہونے لگی۔ (۱)

حضرت عروہ بن الزبیر اور محمد بن کعب القرظی نے روایت کیا کہ یہ پانچ افراد حضرت آدم کی صلبی اولاد میں سے ہیں اور ''ودّ'' سب سے بڑے اور سب سے نیک بیٹے تھے۔ محمد بن کعب کہتے ہیں کہ جب ان میں سے ایک کا انتقال ہوا تو لوگ غمگین ہوئے، پس شیطان آیا اور کہنے لگا کہ میں اس جیسا بت بنادوں گا کہ تم اس کو دیکھو تو وہ تم کو یاد آئے، چنانچہ لوگوں نے جب کہا کہ ہاں بنادو تو اس نے اس کا ایک بت بنادیا، اس طرح ان پانچوں میں سے جس جس کا انتقال ہوتا وہ اس کا بت بنادیتا اور یہ بت مسجد میں نصب ہوتے تھے پھر آگے چل کر انہی بتوں کو معبود بنالیا گیا حتی کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی اصلاح کے لیے حضرت نوح کو بھیجا۔ (۲)

اس سلسلہ میں ایک روایت یہ ہے کہ محمد بن قیس ومحمد بن کعب نے کہا کہ یہ یعوق، یغوث وغیرہ حضرت آدم ونوح کے زمانہ کے درمیان کچھ نیک لوگ گزرے ہیں اوران

---

(۱) بخاری: ۲/۷۳۲ (۲) قرطبی: ۱۸/۳۰۸، الدرالمنثور: ۸/۲۹۴، فتح الباری مختصراً: ۸/۶۶۷

کے کچھ ماننے والے معتقد لوگ بھی تھے جو ان لوگوں کی اقتداء واتباع کرتے تھے۔ جب ان لوگوں کا انتقال ہوا تو شیطان نے ان کے دل میں ڈالا کہ اگر ان بزرگوں اور ولیوں کی صورتیں بنائی جائیں تو عبادت الٰہی میں زیادہ شوق کا ذریعہ بنے گا اور ان کی عبادت الٰہی میں جدوجہد ومحنت ومجاہدہ یاد آتا رہے گا۔ چنانچہ ان کی تصویریں اور مورتیاں بنائی گئیں۔ جب یہ نسل ختم ہوئی اور دوسری نسل آئی تو شیطان نے ان کو یہ سمجھایا کہ تمہارے آباء واجداد تو انہیں کی پوجا کرتے تھے اور انہیں کی وجہ سے ان پر بارانِ رحمت ہوئی تھی۔ چنانچہ بعد والوں نے انہی بتوں کی پوجا شروع کر دی۔(۱)

ابن کثیر نے ہی یہ قول بھی نقل کیا ہے کہ ابن عساکر نے ابن عباسؓ سے روایت کیا کہ آدم کے بیس لڑکے اور بیس لڑکیاں تھیں اور جو ان میں سے زندہ رہے ان میں ایک ''ود'' بھی ہیں اور انہیں کو شیث کہا جاتا ہے، ان کے دیگر بھائیوں نے ان کو اپنا سردار بنالیا تھا اور ان کے چار بچے ہوئے، سواع، یغوث، یعوق اور نسر۔ (۲)

ان تمام روایات کا خلاصہ یہ ہے کہ ود، سواع، یغوث، یعوق اور نسر بڑے بڑے اولیاء اور صالحین تھے یا ایک روایت کے مطابق ان میں سے بعض انبیاء تھے، جیسے ود (جن کو شیث پیغمبر کہتے ہیں) ان کی بزرگی اور عظمت، تقوی وپرہیزگاری، عبادت الٰہی میں ان کا شوق وانہماک اور رضائے الٰہی کے لیے محنت اور مجاہدہ وغیرہ اوصاف وکمالات وغیرہ دیکھ کر لوگ ان کے معتقد اور ان کے قریب ہو گئے۔ جب ان اولیاء اللہ کا انتقال ہو گیا تو شیطان کے بہکانے کی وجہ سے ان کی عقیدت اور محبت میں غلو کیا گیا اور ان کی یادگار کے طور پر اور اس خیال سے کہ ان کو دیکھنے سے عبادت میں شوق وذوق پیدا ہوگا اور اللہ کی طرف توجہ اور انہماک حاصل ہوگا ان بزرگوں کے بت بنالیے گئے اور اپنی عبادت گاہوں اور مسجدوں میں رکھ لیے گئے۔ جب یہ نسل ختم ہوگئی اور دوسری نئی

---

(۱) ابن کثیر: ۴/۴۲۶، ابن جریر: ۱۲/۲۵۳، قرطبی: ۱۸/۳۰۸، معالم التنزیل: ۱/۲۳۲ (۲) ابن کثیر ۴/۴۲۶

نسل آئی تو وہ سمجھی کہ عبادت انہی بتوں کی ہوتی ہے اور ہمارے آباء واجداد بھی انہی کی عبادت کرتے تھے، لہٰذا وہ انہی بتوں کی عبادت میں لگ گئے۔

اس طرح اولیاء اللہ کی عقیدت میں غلو اور ان کی محبت وعشق میں تجاوز نے ان لوگوں کو اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت سے ہٹا کر غیر اللہ کی عبادت میں مشغول کر دیا، اس طرح دنیا میں یہ شرک کی خطرناک بیماری پھیل گئی۔ اس تفصیل سے واضح طور پر معلوم ہوا کہ شرک کا بنیادی سبب یہی بنا کہ انبیاء کرام اور اولیاء عظام کی محبت میں غلو اور عقیدت میں تجاوز کیا گیا۔

ایک اشکال کا جواب:

یہاں ایک سوال و اشکال یہ پیدا ہوتا ہے کہ حضرت ابن عباس اور بعض دیگر مفسرین نے ان ناموں کو بتوں کے نام قرار دیا ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ قوم نوح میں بتوں کی پوجا ہوتی تھی، اس کو اولیاء اللہ سے عقیدت ومحبت سے کوئی تعلق نہیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ دراصل ان دو باتوں میں کوئی حقیقی تعارض وتضاد نہیں ہے بلکہ فی الواقع یہ دونوں باتیں صحیح ہیں، یہ بھی صحیح ہے کہ یہ بتوں کے نام ہیں اور یہ بھی درست ہے کہ یہ اس زمانے کے نیک وصالح لوگوں کے نام ہیں، کیونکہ یہ لوگ فی الواقع اولیاء اللہ ومقربینِ خدا تھے اور لوگ ان سے عقیدت ومحبت رکھتے تھے اور ان کی تعظیم وتکریم کرتے تھے جیسا کہ خود ابن عباس نے بھی اور دوسرے مفسرین نے بھی اس کا ذکر کیا ہے۔ ہاں بعد میں لوگوں نے ان کے بت بنا لئے اور ان کی پوجا کی جانے لگی، تو ان میں تعارض وتضاد کیا ہے؟ اور اس کی دلیل خود ابن عباس کا قول ہے کہ بخاری کی روایت میں انھوں نے پہلے تو کہا کہ یہ بت جو قومِ نوح میں رائج تھے، بعد میں عربوں میں چلے گئے اور ''وَدّ'' دومۃ الجندل میں بنو کلب کا بت تھا، اور ''سواع'' قبیلۂ ہذیل کا، ''یغوث'' قبیلۂ مراد پھر بنو غطیف کا، ''یعوق'' قبیلۂ ہمدان کا اور ''نسر'' قبیلہ حمیر کا بت

تھا، یہ کہنے کے فوری بعد آپ فرماتے ہیں کہ یہ قومِ نوح کے نیک لوگوں کے نام ہیں۔(۱)

اس سے بے غبار طریقے پر یہ بات آشکارا ہوگئی کہ حضرت ابن عباس نے ایک ہی روایت میں دونوں باتیں بیان کی ہیں، اگر دونوں میں تضاد ہوتا تو آپ ایک ہی ساتھ دونوں باتیں کس طرح بیان فرماسکتے ہیں؟ معلوم ہوا کہ ان میں تضاد نہیں ہے بلکہ ایک کے بعد دیگرے ہونے والی دو الگ الگ باتیں ہیں۔

عربوں میں بت پرستی کیسے آئی؟

حضرت نوح؈ کی تبلیغ و دعوت کے نتیجہ میں جن کو ہدایت پر آنا تھا وہ ایمان والے ہوگئے اور جن کو وہی گمراہی کی زندگی خوش آئی وہ ان سے لڑتے جھگڑتے رہے، یہاں تک کہ اللہ نے ان سب کو طوفان بھیج کر ہلاک و غارت کردیا، اس کے بعد یہ بت پرستی کا سلسلہ قوم عاد نے جاری کیا، اور ان کے تین بت تھے: صدیا صداء، صمود اور ہریا ھباء اللہ نے ان کی اصلاح کے لئے حضرت ہود علیہ السلام کو بھیجا۔(۲)

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ دنیا میں شیطان نے دوبارہ بہت جلدی بت پرستی کو فروغ دیدیا تھا، اور قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے بعد بھی ہر زمانے میں، ہر نبی کے دور میں یہ خبیث رواج قوموں کو تباہ کرتا رہا، یہاں تک کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب کعبہ کی تعمیر کی اور ایک اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت پر اپنی نسل کو جمادیا تو یہ نسل توحید پر قائم رہی، اور مکہ اور حجاز کے لوگ اللہ وحدہ لاشریک کی ہی عبادت کرتے تھے، یہاں تک کہ پھر ان میں بھی بت پرستی کا رواج چل پڑا۔

ان میں بت پرستی کیسے داخل ہوئی اس سلسلہ میں ایک روایت کے مطابق اس کا رواج ایک شخص سے ہوا جس کا نام عمرو بن لحی تھا، وہ بہت بڑا مالدار تھا، اس کے پاس

---

(۱) بخاری: ۷۳۲/۲، فتح الباری: ۶۶۸/۸، سیرت ابن ہشام: ۷۹/۱ (۲) البدایہ: ۱۲۱/۱، تاریخ الطبری: ۱۳۳/۱

بیس ہزار اونٹ تھے، اور اسی کے ساتھ سخی بھی تھا، وہ ایام حج میں دس ہزار اونٹ ذبح کرتا اور دس ہزار لوگوں کو جوڑے بنتا، اور کھانا کھلاتا، اس کے اس شرف و مقام اور سخاوت و کرم کی وجہ سے وہاں کے لوگ اس کی ہر بات اور ہر فعل کو شریعت کی طرح خیال کرتے تھے۔ ابن ہشام کے مطابق وہ ایک بار کسی کام سے مآب نامی ملک شام کے علاقہ میں پہنچا جہاں اس وقت قوم عمالقہ کے لوگ آباد تھے تو اس نے دیکھا کہ وہ لوگ بتوں کی پرستش کرتے ہیں، پوچھا کہ یہ کیا ہے جس کی تم پرستش کرتے ہو؟ انہوں نے کہا کہ یہ بت ہمارے معبود ہیں، ہم ان کی عبادت کرتے ہیں، ان کے ذریعہ بارش طلب کرتے ہیں تو ہمیں بارش دی جاتی ہے اور مدد طلب کرتے ہیں تو ان کی وجہ سے ہماری نصرت کی جاتی ہے۔ عمرو بن لحی نے کہا کہ کیا تم مجھے ایک بت دے سکتے ہو کہ میں اس کو عرب کی سرزمین پر لے جاؤں، تاکہ وہاں کے لوگ بھی اس کی عبادت کریں؟ انہوں نے ایک بت اس کو دیدیا جس کا نام ھبل تھا، وہ اس کو لا کر رکھا اور لوگوں کو اس کی تعظیم وعبادت کا حکم دیدیا۔ (۱)

اس سلسلہ میں ایک روایت ابن اسحاق نے یہ بیان کی ہے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں بت پرستی کی ابتداء اس طرح ہوئی کہ جب وہ مکہ سے باہر دوسرے مقامات پر بسنے کے لئے دوسرے علاقوں اور شہروں میں جاتے تو حرم کے پتھروں میں سے کوئی پتھر بطور تبرک اپنے ساتھ لے جاتے تھے، اور جہاں قیام کرتے وہاں اس کو نصب کرتے اور کعبہ کی طرح اس کا بھی طواف کرتے، یہاں تک کہ جب یہ زمانہ گزر گیا تو بعد میں کسی بھی اچھے وخوبصورت پتھر کو پوجنے لگے، اور اس کے بعد کی نسلوں کو یہ بات خوب لگی اور اس کا رواج ہوگیا، اور حضرت ابراہیم وحضرت اسماعیل علیہما

(۱) البدایہ والنہایہ: ۱۸۸/۲، سیرت ابن ہشام: ۷۷/۱

السلام کے دین کو بدل کر غیر دین کو اختیار کر لیا، اور ان میں کچھ چیزیں دین ابراہیمی کی بھی باقی تھیں، جیسے تعظیم کعبہ، حج، عمرہ، طواف وغیرہ۔ (۱)

اس تفصیل سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ عربوں میں دو طریقے سے یہ بد دینی اور بت پرستی رواج پائی: ایک تو عمرو بن لحی کی وجہ سے کہ لوگ اس کی تعظیم و تکریم کرتے تھے اور اس کی باتوں کو شریعت کی طرح مانتے تھے، اس نے اس سے غلط فائدہ اُٹھایا اور ملک شام سے بت کو لا کر عربوں کو اس کی تعظیم و عبادت کا حکم دیدیا۔ دوسری وجہ یہ ہوئی کہ حرم و کعبے کے پتھر تبرک کی خیال سے لے جا کر اس کی تعظیم و طواف شروع کر دیا گیا اور بعد والوں نے تبرک کے حد سے بڑھا کر عبادت تک پہنچا دیا۔ الغرض اس سے بھی وہی بات سامنے آتی ہے جو اوپر مذکور ہوئی کہ کسی کی محبت و عظمت میں غلو اور کسی چیز کی تقدیس و تعظیم میں حد سے تجاوز وہ چیز ہے جس نے عربوں میں اس لعنت کا رواج پیدا کر دیا۔

زمانۂ جاہلیت میں عربوں کے بت:

زمانۂ جاہلیت میں جن بتوں کی پوجا کی جاتی تھی ان میں حضرت نوح علیہ السلام کے زمانے کے ان پانچ بتوں کے علاوہ اور بھی بت تھے۔ بعض کا ذکر قرآن میں ہے اور بعض کا احادیث میں ملتا ہے۔

حضرت نوح علیہ السلام کے زمانہ کے پانچ بت جن کا ذکر اوپر ہوا ہے، وہ عرب کے یہاں بھی رائج ہو گئے تھے جیسا کہ حضرت ابن عباس کی روایت میں اوپر بیان ہوا ہے۔ ان پانچ کے سوا قرآن میں اور پانچ بتوں کے نام آئے ہیں:

(۱) ”**لات**“: اس بت کا ذکر سورہ نجم کے پہلے رکوع میں آیا ہے۔ [النجم آیت :۱۹] کہا جاتا ہے کہ یہ لفظ ”اللہ“ سے لے کر نعوذ باللہ مؤنث کے

(۱) سیرت ابن ہشام: ۱/۷۷، البدایہ والنہایہ: ۲/۱۸۸

طور پر استعمال کیا جاتا تھا، اور اللہ کی بیٹی کے معنی میں مستعمل تھا۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ بت سفید پتھر کی ایک منقش چٹان تھی اور اس پر ایک عمارت بنائی گئی تھی اور اس پر پردے لٹکتے تھے اور اس کی حفاظت اور دیکھ بھال کے لیے دربان مقرر تھے اور یہ بت طائف میں تھا۔ لیکن حضرت ابن عباسؓ، مجاہد وغیرہ سے مروی ہے کہ لات ایک شخص تھا جو حجاج بیت اللہ کے لیے ستو گھول کر دیتا تھا، ("لاتّ" لَتَّ ، یَلِت سے اسم فاعل کا صیغہ بمعنیٰ "ستو گھولنے والا" ہے) جب وہ مر گیا تو اس کی قبر کی پوجا کرنے لگے۔ (۱)

ابن ابی حاتم اور ابن مردویہ نے ابن عباس ہی سے نقل کیا ہے کہ وہ آدمی ایک پتھر پر ستو ملاتا تھا اور جو بھی اس کو پیتا وہ موٹا ہو جاتا، اس لیے لوگوں نے اس کی عبادت شروع کر دی۔ ابن عباس ہی سے فاکہانی نے یہ بھی نقل کیا ہے کہ لات کی جب موت ہو گئی تو عمرو بن لحی نامی شخص جس نے سب سے پہلے عربوں کو بت پرستی پر ابھارا تھا، اس نے کہا کہ یہ لات مرا نہیں ہے بلکہ چٹان میں داخل ہو گیا ہے، پس لوگوں نے اس کی عبادت شروع کر دی اور اس چٹان پر ایک عمارت بنا دی۔ (۲)

اس بت کو حضرت مغیرہ بن شعبہؓ نے نبی کریم ﷺ کے حکم سے اس وقت منہدم کیا جب کہ قبیلہ ثقیف جو اس کا پجاری تھا اس نے ایمان قبول کر لیا۔

(۲) "عُزّٰی": اس کا ذکر بھی سورۂ نجم میں ہے، اور یہ بھی ایک مشہور بت کا نام ہے۔ مفسرین کا قول ہے کہ یہ لفظ اللہ کے ناموں میں سے ایک نام "عزیز" سے لے کر مؤنث بنایا گیا ہے۔ اور بعض نے کہا کہ یہ ایک درخت تھا جس پر پردے پڑے ہوئے تھے اور یہ مکہ اور طائف کے درمیان تھا اور بعض نے کہا کہ یہ ایک یا کئی درخت تھے جن کی پوجا کی جاتی تھی اور بعض نے کہا کہ یہ ایک گھر تھا جس کی عبادت کی جاتی

---

(۱) تفسیر طبری: ۱۱/۵۱۹، ابن کثیر: ۴/۲۵۳، بخاری: ۲/۷۲۱ (۲) فتح الباری: ۸/۶۱۲، الدر المنثور: ۷/۶۵۳، الروض الانف: ۱/۴۳

تھی۔قریش اس کی تعظیم کرتے تھے۔(۱)

سیرت ابن ہشام کے حاشیہ پر ہے کہ یہ بت عزی، قریش کے تمام بتوں میں سب سے بڑا بت تھا اور اس کو ظالم بن اسعد نے بنایا تھا، لوگ اس کی زیارت کرتے اور اس پر ہدیے لاتے اور تقرب کے لیے اس کے پاس جانور ذبح کرتے۔

اس بت کے سلسلہ میں ابن الکلبی کی ''الاصنام'' اور یاقوت الحموی کی ''معجم البلدان'' کی ایک دلچسپ روایت بھی سنتے چلئے کہ ابواُحیحہ نامی اس بت کا ایک پجاری جب مرض وفات میں مبتلا ہوا تو ابولہب اس کی عیادت کو گیا۔ابواُصیحہ رو رہا تھا، پوچھا کہ کیا موت کے ڈر سے رو رہا ہے، حالانکہ موت سے چارہ نہیں؟ اس نے کہا کہ نہیں، خدا کی قسم موت کا ڈر نہیں؛ لیکن مجھے یہ خوف ہے کہ میرے بعد اس بت کی پوجا نہ ہوگی، اس لیے رو رہا ہوں۔اس پر ابولہب نے اس کی تسلی کے لیے کہا:

''خدا کی قسم یہ بت عزی تیری زندگی میں تیری وجہ سے نہیں پوجا گیا اور تیرے بعد تیرے مرنے کی وجہ سے اس کی عبادت ترک نہیں ہو جائے گی۔اس پر اس کمبخت (ابواحیحہ) کو تسلی ہوگئی کہ میرے بعد بھی میرا خلیفہ ہوگا جو اس کی پوجا کرتا رہے گا۔(۲)

حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ عزی شیطان ہے، جب مکہ فتح ہوا تو رسول اللہ ﷺ نے حضرت خالد بن ولید کو بھیجا اور فرمایا کہ بطن نخلہ جاؤ، وہاں تم تین ببول کے درخت پاؤ گے، پہلے کو کاٹ کر گرادو۔جب حضرت خالد گئے اور ایک ببول کو کاٹ چکے اور واپس آئے تو آپ ﷺ نے پوچھا کہ کیا تم نے کچھ دیکھا؟ عرض کیا کہ نہیں، فرمایا کہ دوسرے کو بھی کاٹ دو۔چنانچہ انھوں نے دوسرے کو بھی کاٹ دیا اور واپس آئے۔آپ نے پوچھا کہ کچھ نظر آیا؟ کہا کہ نہیں۔فرمایا کہ تیسرا بھی کاٹ دو۔جب حضرت خالدؓ اب کی بار گئے تو دیکھا کہ ایک حبشی عورت اپنے بالوں کو کھولے ہوئے ہاتھ کندھوں پر رکھے

(۱) ابن جریر: ۱۱/۵۱۹، ابن کثیر: ۴/۲۵۳ (۲) حاشیۂ سیرتِ ابن ہشام: ۱/۸۳-۸۴

ہوئے ہے اور دانت چبارہی ہے ۔ حضرت خالد نے اس کو قتل کر دیا اور آ کر خبر دی تو اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا کہ: ''یہ عزیٰ ہے، اب اس کے بعد پھر کبھی اس کی پرستش نہ ہوگی ۔(۱)

(۳) '' **مَنَاة** '': اس کا ذکر بھی سورۂ نجم میں ہے ، یہ قبیلہ خزاعہ ، اوس اور خزرج کا بت تھا جو مکہ اور مدینہ کے درمیان مقام قدید میں بنا ہوا تھا۔ یہ قبائل اس کی بڑی تعظیم کرتے اور کعبۃ اللہ کے حج کا احرام اسی بت کے مقام سے پہنتے تھے ۔ کہا جاتا ہے کہ یہ بت سب سے زیادہ قدیم ہے اور اہل عرب کے نزدیک سب سے زیادہ اسی بت کی تعظیم ہوتی تھی ۔ بعض نے کہا ہے کہ یہ اللہ کے نام ''منان'' سے مؤنث بنایا گیا ہے ۔ اللہ کے نبی ﷺ نے حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کو بھیجا تھا کہ اس کو منہدم کر دیا جائے اور بعض روایات میں اس سلسلہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا نام مذکور ہے ۔(۲)

(۴) ''**شِعْرٰی** '': اس بت کا تذکرہ بھی سورۂ نجم میں کیا گیا ہے ، حضرت ابن عباس ، مجاہد ، قتادہ ، ابن زید وغیرہ نے فرمایا کہ یہ ایک ستارہ ہے جس کو ''مرزم الجوزاء'' کہا جاتا ہے جس کی عرب کے بعض قبیلے عبادت کرتے تھے ۔ بعض نے کہا کہ حمیر اور خزاعہ اس کی پرستش کرتے تھے ۔ اور اس کی ابتداء ابو کبشہ سے ہوئی اور جو لوگ اس کی عبادت نہیں کرتے تھے وہ لوگ بھی اس کی تعظیم کرتے اور عالم میں اس کی تاثیر کے قائل تھے ۔(۳)

(۵) ''**بَعْل** '': یہ حضرت الیاس علیہ السلام کی قوم کا بت تھا ، اس کا سورۂ صافات میں ذکر آیا ہے ۔ بعض نے کہا کہ یہ عورت کا نام ہے ، لوگ اس کی پوجا کرتے

---

(۱) قرطبی: ۱۰۰/۷، ابن کثیر: ۲۵۴/۴ (۲) ابن کثیر: ۲۵۴/۴، قرطبی: ۱۰۱/۱۷، فتح الباری: ۶۱۳/۸ (۳) ابن جریر: ۵۳۶/۱۱، ابن کثیر: ۲۵۹/۴، قرطبی: ۱۱۹/۱۷

تھے اور ابن زید نے کہا کہ یہ مدینہ والوں کے بت کا نام ہے۔(۱)

اوپر جن بتوں کا ذکر ہوا یہ سب قرآن میں مذکور ہیں۔ان کے علاوہ عرب میں اور بھی بہت سارے بت پوجے جاتے تھے۔ان میں ''اساف اور نائلہ'' بھی بہت مشہور ہیں، یہ دو بت زمزم کے پاس رکھے ہوئے تھے،لوگ ان کے پاس جاکر اپنی قربانیاں پیش کرتے تھے،حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے مطابق اساف ایک مرد کا نام تھا اور نائلہ ایک عورت کا، ان دونوں نے کعبہ میں زنا کیا تو اللہ تعالی نے ان کو پتھر کی شکل میں مسخ کردیا تھا، بعد میں لوگوں نے ان پتھروں ہی کی پوجا شروع کردی۔(۲)

اور ہبل نامی ایک سب سے بڑا بت تھا جس کی تمام قبائل عبادت کرتے تھے،اور یہ سرخ عقیق سے انسان کی شکل پر بنایا گیا تھا اور داہنا ہاتھ کٹا ہوا پایا گیا تھا،اس لئے قریش نے اس کے لئے سونے کا ہاتھ بنادیا تھا۔(۳)

اسی طرح ''عُمیانس'' قبیلۂ خولان کا بت تھا،''سعد'' نامی بت جو ایک چٹان تھا، قبیلۂ بنوملکان میں قابل پرستش سمجھا جاتا تھا،''ذوالکفین'' قبیلۂ دوس کا بت تھا، نیز ''ذوالخلصہ'' نامی بت کی پوجا دوس، خثعم اور بجیلہ قبائل عرب میں رائج تھی اور ''فلس'' قبیلۂ طے اور اس کے حریف قبائل میں پوجا جاتا تھا۔

نیز عربوں میں بعض جگہ مربع (چوکور) گھر بنائے گئے تھے اور ان کی تعظیم اسی طرح کی جاتی تھی جیسے کعبۃ اللہ کی عظمت ہوا کرتی تھی، جیسے اہل یمن نے مقام صنعاء میں ایسا ایک گھر بنایا ہوا تھا جس کو''رئام'' کہتے تھے، وہ لوگ اس کی تعظیم کرتے اور اس جگہ جانور ذبح کرتے تھے۔ اور بنوربیعہ بن کعب نے ایک گھر بنالیا تھا جس کا نام

---

(۱)ابن جریر:۱۰/۵۲۰،ابن کثیر:۴/۲۰(۲) سیرت ابن ہشام:۱/۸۲-۸۳(۳) حاشیہ سیرت ابن ہشام:۱/۸۲

’’رضا‘‘ تھا، ایسے ہی اور بھی کعبے وہاں موجود تھے۔(۱)

مشرکین مکہ بتوں کو کیا سمجھتے تھے؟

اس تفصیل کے بعد یہ سوال طبعی طور پر ذہنوں میں ابھرتا ہے کہ بتوں کی پرستش کرنے والی یہ قوم بتوں کے بارے میں کیا عقیدہ رکھتی تھی؟

اس سے قبل قرآنی آیات کے حوالہ سے یہ عرض کر چکا ہوں کہ بتوں کو یا جن اولیاء وانبیاء یا جن شخصیتوں کی یہ تصاویر اور مورتیاں ہیں، ان کو یہ بت پرست لوگ خدا نہیں سمجھتے تھے، بلکہ خالق کائنات، ومالک کائنات ومدبر کائنات صرف اللہ کو سمجھتے تھے، اسی طرح حاجت روا ومشکل کشا بھی صرف اللہ ہی کو مانتے تھے، مگر عبادت کے معاملہ میں اللہ کے ساتھ ان بتوں کی پوجا وپرستش بھی کرتے تھے۔ اور اس کی وجہ یہ تھی کہ یہ لوگ ان بتوں کو یا جن کے یہ بت ہیں ان شخصیات کو اللہ کا مقرب ومحبوب سمجھ کر اپنی حاجات وضروریات دنیویہ میں ان کو شفیع ووسیلہ مانتے تھے۔

چنانچہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے ان کا یہ عقیدہ نقل فرمایا ہے۔ ایک جگہ فرمایا کہ:

﴿ وَيَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنفَعُهُمْ وَيَقُولُونَ هَـٰؤُلَاءِ شُفَعَاؤُنَا عِندَ اللّٰهِ ﴾ [یونس:۱۸]

(وہ عبادت کرتے تھے اللہ کے سوا ان چیزوں کی جو ان کو نہ نقصان پہنچا سکتی ہیں اور نہ ان کو نفع دے سکتی ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ بت تو اللہ کے پاس ہمارے سفارشی ہیں)

اس کی تفسیر میں علامہ شبیر احمد عثمانی نے لکھا ہے:

’’خدا کو چھوڑ کر ایسی چیزوں کی پرستش کرتے ہیں جن کے قبضۂ قدرت میں نفع اور ضرر کچھ نہیں، جب پوچھا جاتا ہے تو کہتے ہیں کہ بے شک بڑا خدا تو ایک ہی ہے جس

(۱) البدایہ والنہایہ:۲/۱۹۱-۱۹۲، ابن ہشام:۱/۸۰-۸۷

نے آسمان وزمین پیدا کئے، مگران اصنام (بتوں) وغیرہ کو خوش رکھنا اس لیے ضروری ہے کہ سفارش کر کے بڑے خدا سے دنیا میں ہمارے اہم کام درست کرادیں گے اور اگر موت کے بعد دوسری زندگی کا سلسلہ ہوا تو وہاں بھی ہماری سفارش کریں گے، باقی چھوٹے موٹے کام جو خودان کے حدود واختیار میں ہیں ان کا تعلق تو خودانہیں سے ہے بناءً علیہ ہم کوان کی عبادت کرنی چاہئے''۔(۱)

قرآن مجید میں دوسرے مقام پر ہے کہ:

﴿ وَالَّذِينَ اتَّخَذُوا مِن دُونِهِ أَوْلِيَاءَ مَا نَعْبُدُهُمْ إِلَّا لِيُقَرِّبُونَا إِلَى اللَّهِ زُلْفَىٰ ﴾ [الزمر:۳]

(جنہوں نے بنالیا اللہ کو چھوڑ کر حمایتی (وہ کہتے ہیں کہ) ہم توان کی پرستش اس لیے کرتے ہیں تا کہ ہم کو اللہ کی طرف قربت کے مقام میں پہنچادیں)

اس کی تفسیر میں علامہ قرطبیؒ فرماتے ہیں کہ:

''حضرت قتادہ نے کہا کہ جب ان (مشرکین سے) کہا جاتا کہ تمہارا رب اور خالق کون ہے؟ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا؟ اور آسمان سے بارش برسانے والا کون ہے؟ تو کہتے کہ''اللہ'' ہے، پھر جب ان سے پوچھا جاتا کہ پھر بتوں کی عبادت کے کیا معنی؟ تو کہتے کہ یہ بت ہم کو اللہ سے قریب کرتے اور ہماری سفارش کرتے ہیں''۔(۲)

علامہ ابن کثیرؒ اس آیت کے تحت رقم طراز ہیں کہ:

''یعنی ان (مشرکین) کو بتوں کی عبادت پر اُبھارنے والی چیز یہ کہ انہوں نے ملائکہ مقربین کی اپنے خیال کے مطابق صورتیں بنائیں اوران کی عبادت کرنے لگے کہ ان کی عبادت گویا خود ملائکہ کی عبادت کے برابر ہے، تا کہ وہ اللہ تعالیٰ سے ان کی مدد

(۱) تفسیر عثمانی:۲۷۸ (۲) قرطبی:۲۳۳/۱۵

کے لیے اور رزق کے لیے اور دیگر دنیوی امور میں سفارش کر دیں“۔(۱)

ان آیات اور ان کی تفسیر سے معلوم ہوا کہ بت پرست قوموں کا ان کے باطل معبودوں اور بتوں کے بارے میں یہ عقیدہ تھا کہ وہ اللہ کے مقرب اور محبوب ہونے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ سے سفارش کر کے ہمارا ہر کام بنادیں گے اور ہماری ہر حاجت وضرورت پوری کر دیں گے اور یہ سفارش کی ضرورت بھی صرف بڑے بڑے کاموں میں پیش آئے گی، باقی رہے چھوٹے موٹے کام تو خود (نعوذ باللہ) ان بتوں کے اختیار میں دے دیے گئے ہیں، جیسے بادشاہ بعض وزراء ومقربین کو بعض اختیارات دے دیتا ہے جن میں ان کو بادشاہ سے اجازت لینے یا سفارش کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ اسی طرح ان مقربان خداوندی کو اللہ تعالیٰ نے اپنی الوہیت کا ایک حصہ دے دیا ہے اور اپنی قدرت وطاقت سے ایک جز عطاء کر دیا ہے، جس میں وہ خود مختار ہیں کہ جس کو جو چاہیں دیں اور جیسا چاہیں تصرف کریں۔ لہٰذا ان کی رضاء وخوشنودی حاصل کرنے کے لیے ان کی عبادت وپرستش کرنا چاہئے۔ یہ تھا مشرکین کا عقیدہ ونظریہ ان کے من گھڑت معبودوں کے بارے میں۔

حضرت شاہ محدث دہلویؒ ”حجۃ اللہ البالغہ“ میں فرماتے ہیں:

”ان مشرکین کا عقیدہ ومذہب یہ ہے کہ جو لوگ نیک ومقرب تھے انہوں نے اللہ کی خوب عبادت وبندگی کی اور اللہ کا تقرب حاصل کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کو مقام الوہیت عطا کر دیا۔ لہٰذا وہ اس کے مستحق ہوگئے کہ دیگر مخلوق ان کی عبادت وپرستش کرے، جیسے کوئی شہنشاہ ہو اور اس کا غلام اس کی خدمت کرتا رہے اور خدمت عمدگی سے انجام دے تو وہ بادشاہ اس کو کسی جگہ کی حکومت کا خلعت عطاء کر دے اور اپنے زیر فرمان شہروں میں سے کسی شہر کا نظام اس کے حوالہ کر دے، تو اس کا حق ہوگا کہ اس شہر والے

(۱) تفسیر ابن کثیر: ۴۵/۴

اس کا حکم مانیں۔اور یہ مشرکین اس بات کے قائل ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت جب ہی قبول ہوگی جب اس کے ساتھ ان بتوں کی عبادت بھی کی جائے۔ بلکہ (وہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ تو بہت ہی بلند وبالا ہے، لہٰذا) اس کی عبادت براہ راست اسکے تقرب کا ذریعہ نہیں بن سکتی، بلکہ ضروری ہے کہ ہمارے ان بتوں کی پوجا کی جائے تاکہ وہ اللہ کے پاس ہماری سفارش کریں''۔(۱)

نیز حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے اپنی دوسری تصنیف ''الفوزالکبیر'' میں فرمایا ہے کہ:

'' مشرکین کسی شخص کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ جواہر کی تخلیق اور امور عظام کی تدبیر میں شریک نہیں کرتے تھے اور نہ کسی کے لیے ایسی قدرت مانتے اور ثابت کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کسی امر کا فیصلہ فرمادے تو وہ اس کو روک سکے، بلکہ وہ تو صرف بعض بندوں کے ساتھ خاص امور میں شرک کرتے تھے اور وہ یہ گمان کرتے تھے کہ علی الاطلاق بادشاہ (اللہ جل مجدہ) نے بعض بندوں کو خلعتِ الوہیت سے مشرف فرمایا ہے اور ان کی رضامندی اور ناراضگی کا اثر دیگر بندوں پر ہوتا ہے، جس طرح کہ ایک عظیم القدر بادشاہ اپنے مخصوص غلاموں کو اپنی مملکت کے اطراف بعض علاقوں میں بھیجتا ہے اور ان کو جزئی امور میں تصرف کا حق دیدیتا ہے، تاوقتیکہ بادشاہ کی طرف سے کوئی صریح حکم صادر نہ ہو۔ پھر وہ بادشاہ جزوی امور کی طرف متوجہ نہیں ہوتا اور دیگر لوگوں کے امور ان غلاموں کے ہی حوالہ کردیتا ہے اور جوان غلاموں کی خدمت کرے ان کے معاملات میں اپنے غلاموں کی سفارش قبول کرتا ہے۔اسی طرح مشرکین اس کے قائل ہیں کہ اللہ کے مخصوص غلاموں کا تقرب حاصل کرنا ضروری ہے تاکہ اللہ بادشاہ مطلق کی قبولیت آسان ہو اور امور ومعاملات میں ان (غلاموں اور بندوں) سے تقرب حاصل

(۱) حجۃ اللہ البالغۃ: ۱/۱۷۶

کرنے والوں کے لیے ان کی سفارش قبول ہو۔(۱)

حاصل وخلاصہ یہ ہے کہ مشرکین اپنے ان معبودوں کو اللہ کے برابر تو نہیں سمجھتے تھے اور نہ خالق و مالک سمجھتے تھے، البتہ محبوب ومقرب بندہ مان کر اللہ کی طرف سے ایک خاص مقام کا حامل قرار دے دیتے تھے اور بعض جزئی امور میں باعطائے خداوندی تصرف کا مالک خیال کرتے تھے اور اس عطائی تصرف میں ان کو پوری طرح مختار ٹھہراتے تھے اور بڑے بڑے امور میں ان کو اپنا سفارشی سمجھتے تھے۔

بنی اسرائیل میں بت پرستی کی ابتداء:

اب تک کی بحث ان لوگوں کے شرک کے بارے میں تھی جو ''مشرکین'' کہلاتے ہیں، ان کے شرک کی حقیقت یہ تھی اور حضرات انبیاء کے زمانوں میں اور زمانۂ جاہلیت میں عام طور پر لوگ اسی میں ملوث تھے۔ مگر اسی کے ساتھ تاریخ بتاتی ہے کہ بنی اسرائیل میں بھی شرک کی یہ نحوست ولعنت پھیل گئی اور وہ بھی اس میں پڑ کر گمراہ ہوئے، حالانکہ حضرت یعقوب علیہ السلام جن کی اولاد ہی کو بنی اسرائیل کہا جاتا ہے، انہوں نے اپنی اولاد کو وصیت کی تھی کہ ایک خدا کی پرستش کرنا اور کسی اور کو خدا نہ بنالینا۔

قرآن کہتا ہے:

﴿ أَمْ كُنتُمْ شُهَدَاءَ إِذْ حَضَرَ يَعْقُوبَ الْمَوْتُ إِذْ قَالَ لِبَنِيهِ مَا تَعْبُدُونَ مِن بَعْدِي قَالُواْ نَعْبُدُ إِلَـهَكَ وَإِلَـهَ آبَائِكَ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ إِلَـهاً وَاحِداً وَنَحْنُ لَهُ مُسْلِمُونَ﴾ [البقرة:۱۳۳]

(کیا تم اس وقت موجود تھے جب حضرتِ یعقوب کی موت کا وقت تھا جبکہ انہوں نے اپنے لڑکوں سے کہا تھا کہ تم میرے بعد کس کی عبادت کروگے؟ ان کی اولاد نے کہا کہ ہم آپ کے خدا اور آپ کے آباء واجداد حضرت ابراہیم، حضرت اسماعیل

---

(۱) الفوز الکبیر:۲۱

اور حضرت اسحاق کے خدا جو کہ ایک ہی خدا ہے اس کی عبادت کریں گے اور ہم اسی کی اطاعت کرنے والے ہیں)

الغرض بنی اسرائیل میں بھی شرک و بت پرستی کا عام رواج ہوگیا، ہاں یہ بتانا تو شاید مشکل ہے کہ تاریخ کے کس دور میں اور کس طرح بنی اسرائیل میں شرک پھیلا؟ البتہ یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ بنی اسرائیل جو حضرت اسرائیل یعنی یعقوب علیہ السلام کی اولاد و نسل سے ہیں اور ان میں بے شمار انبیاء دعوتِ حق و پیغامِ صداقت لے کر مبعوث ہوتے رہے ہیں، ان میں یہ بت پرستی کیسے رائج ہوئی جب کہ یہ انبیاء کی اولاد بھی ہیں اور انبیاء کا پیغام بھی برابر ان میں جاری وساری رہا ہے؟

اس کا جواب بھی یہی ہے کہ وہی عقیدت وعظمت اور محبت کا غلو اس کا سبب وباعث بنا ہے۔ چنانچہ ماضی میں وہ طبقات جنہوں نے شرک میں مبتلا ہوکر گمراہی وضلالت کا راستہ اختیار کیا وہ ایک تو فرقۂ یہود ہے اور دوسرا عیسائی فرقہ ہے، یہ دونوں زبانی طور پر تو مدعی توحید کے ہیں مگر عقیدہ وعمل کے لحاظ سے شرک کے دلدل میں پڑے ہوئے ہیں اور عیسائی فرقہ یہود سے زیادہ اس لعنت میں گرفتار ہوا ہے۔

اور موجودہ تورات اور دیگر بائبل میں شامل انبیاء کی جانب منسوب صحائف سے اندازہ ہوتا ہے کہ بنی اسرائیل میں بت پرستی اپنی پوری توانائیوں کے ساتھ جاری رہی اور انبیاء پر اللہ تعالی کی جانب سے اس سلسلہ میں ان کے خلاف سخت ہدایات نازل کی گئیں۔

یہود میں شرک کی نحوست:

یہود میں ایک طرف بعض لوگوں نے ایک پیغمبر حضرت عزیر علیہ السلام کو خدا کا بیٹا قرار دیدیا، اور شرک میں اس طرح مبتلا ہوئے کہ ایک نبی کو مقام عبدیت سے اُٹھا کر مقام الوہیت پر پہنچا دیا، یہ ایک نبی کی عقیدت ومحبت میں غلو کا نتیجہ تھا۔

قرآن نے انہی کے بارے میں فرمایا ہے کہ:

﴿ قَالَتِ الْيَهُودُ عُزَيْرُ نِ بْنُ اللّٰهِ وَ قَالَتِ النَّصَارٰى مَسِيحُ بْنُ اللّٰهِ ﴾
[التوبة: ۳۰]

(یہود نے کہا کہ عزیر اللہ کے بیٹے ہیں اور نصاری نے کہا کہ مسیح اللہ کے بیٹے ہیں)

علامہ ابن حزم نے لکھا ہے کہ یہود میں پانچ فرقے ہوئے ہیں: ایک سامریہ، دوسرے صدوقیہ، تیسرے عنانیہ، چوتھے ربانیہ اور پانچویں عیسویہ۔ ان میں سے صدوقیہ فرقہ حضرت عزیر علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا مانتا ہے۔ (۱)

اور حضرت عزیر کے متعلق ان کے اس نظریے کی بنیاد دراصل ایک واقعہ ہے، اور واقعہ کے بیان میں روایات میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ ایک روایت یہ ہے کہ جب بنی اسرائیل نے اللہ کے دین کو اور اللہ کی کتاب کو ضائع کر دیا اور غیر دین پر چلنے لگے تو اللہ نے ان کے دلوں سے تورات کو بھلا دیا، اور وہ تابوت بھی ان سے اُٹھا لیا گیا جس میں تورات کا نسخہ تھا، اور ان پر بیماری کی شکل میں اپنا عذاب بھیجا، حضرت عزیر بھی ان کے علماء میں سے تھے، انہوں نے اللہ سے دعاء کی اور اللہ کی جناب میں گڑگڑانے لگے کہ اے اللہ! ان کے سینہ میں دوبارہ تورات کو ڈال دے، اسی درمیان وہ ایک مرتبہ نماز پڑھ رہے تھے کہ اللہ کی جانب سے ایک نور ظاہر ہوا اور ان کے سینہ میں داخل ہو گیا، اور پھر ان کو وہ بھولی ہوئی تورات یاد ہو گئی، انہوں نے بنی اسرائیل میں اس کا اعلان کیا کہ اللہ نے مجھے تورات یاد کرا دی ہے، اور وہ ان کو اس کی تعلیم دینے لگے، پھر ان کا وہ تابوت جس میں تورات تھی اللہ نے وہ بھی بنی اسرائیل کو لوٹا دیا۔ جب ان لوگوں نے توارت کو حضرت عزیر کی تعلیم کردہ باتوں پر پیش کیا تو وہ اسی جیسی معلوم ہوئی، اس پر انہوں نے کہا کہ ''والله ما أوتي عزير هذا إلا أنه ابن الله'' (کہ یہ بات اللہ نے ان کو اسی لئے دی کہ یہ اللہ کے بیٹے ہیں)۔ (۲)

---

(۱) الفصل فی الملل: ۱/۸۲ (۲) تفسیر طبری: ۶/۳۵۰، الدر المنثور: ۴/۱۷۱

دوسری روایت یہ ہے کہ جب بنی اسرائیل پر ان کی مسلسل نافرمانیوں کی وجہ سے حالات آئے اور قوم عمالقہ نے ان پر مظالم و زیادتیاں کیں اور تورات کے نسخے بھی اُٹھا لے گئے، تو جو ان کے علماء باقی تھے انہوں نے تورات کے باقی نسخوں کو کسی جگہ پہاڑ میں دفن کر دیا، حضرت عزیر اس وقت کم عمری کی حالت میں تھے، جو پہاڑوں کی چوٹیوں پر عبادت میں مصروف رہا کرتے تھے، وہ اللہ کی جناب میں یہ کہتے ہوئے روتے رہتے کہ اے رب! آپ نے بغیر عالم کے بنی اسرائیل کو چھوڑ دیا، ایک دن عید کے موقعہ پر پہاڑ کے نیچے آئے تو ایک عورت کو دیکھا جو اپنے شوہر کی قبر کے پاس کھڑی رو رہی ہے اور کہہ رہی ہے کہ ہائے کھانا، ہائے کپڑا! آپ نے اس سے کہا کہ تیرا برا ہو، اس آدمی سے پہلے تجھے کون کھانا پانی کپڑا دیتا تھا؟ اس نے کہا کہ اللہ دیتا تھا۔ آپ نے کہا کہ پھر تو اللہ موجود ہے مرا نہیں، کیوں روتی ہے۔ اس عورت نے کہا کہ اے عزیر! بنی اسرائیل سے پہلے علماء کو کون علم سکھاتا تھا؟ آپ نے کہا کہ اللہ سکھاتا تھا۔ اس نے کہا پھر اللہ تو زندہ موجود ہے مرا نہیں، تو پھر آپ کیوں روتے ہیں؟ آپ لوٹنے لگے تو اس نے کہا کہ آپ صبح کو فلاں نہر پر آیئے اور اس میں غسل کیجئے، اور دو رکعت نماز پڑھیئے، وہاں ایک شیخ آئیں گے وہ جو کچھ دیں وہ لے لیجئے۔ حضرت عزیر نے ایسا ہی کیا، شیخ آئے اور کہا کہ منہ کھولو، اور منہ میں ایک بڑی سی چنگاری سی کوئی چیز ڈال دی، حضرت عزیر اس کی وجہ سے بہت بڑے عالم تورات ہو گئے، اور بنی اسرائیل سے جا کر کہا کہ میں تمہارے پاس تورات لے کر آیا ہوں، لوگوں نے کہا کہ اے عزیر تم تو جھوٹے نہیں تھے؟ حضرت عزیر نے اس پر اپنی تمام انگلیوں سے تورات لکھی، اور علماء واپس آئے تو وہ دفن شدہ تورات کو نکال کر لائے اور عزیر کی لکھائی ہوئی تورات سے اس کا موازنہ کیا تو کوئی فرق نہیں پایا، اس پر لوگوں نے کہا یہ تو خدا کے بیٹے ہیں اسی لئے اللہ نے ان کو تورات کا علم دیا ہے۔ اس طرح غلو کر کے ان کو خدا کا بیٹا بنا دیا۔ (۱)

---

(۱) تفسیر طبری: ۳۵۰/۶، تفسیر ابن کثیر: ۴۵۹/۲، الدر المنثور: ۱۷۲/۴

الغرض حضرت عزیر جو کہ اللہ کے نبی و پیغمبر تھے ان کے ایک کمال اور خصوصیت کو دیکھ کر ان کی تعظیم و تقدیس میں غلو کیا گیا اور انتہائی شنیع و قبیح عقیدہ کے قائل ہو گئے۔

اور دوسری جانب ان میں شرک و بت پرستی کا رواج اس قدر کثرت کے ساتھ پھیلا کہ عام مشرک قوموں اور ان میں امتیاز مشکل تھا، اس کا اعتراف بعض منصف مزاج یہودیوں نے کیا ہے۔

مولانا ابوالحسن علی ندوی نے {JEWISH ENCYCLOPEDIA} کے حوالے سے اس کے ایک مقالہ نگار کا یہ اعتراف نقل کیا ہے کہ:

''بت پرستی کے خلاف نبیوں کا غیظ و غضب یہ ظاہر کرتا ہے کہ دیوتاؤں کی پرستش اسرائیلی عوام کے دلوں میں گھر کر چکی تھی، اور بابل کی جلاوطنی سے واپس آنے کے وقت تک پوری طرح اس کا استیصال نہیں ہوا تھا، وہم پرستی اور سحر کے ذریعہ بہت سے مشرکانہ خیالات اور رسوم دوبارہ عوام نے قبول کر لئے تھے، تالمود (یہودیوں کی فقہی کتاب) سے بھی اس امر کی شہادت ملتی ہے کہ بت پرستی میں یہود کے لئے بڑی جاذبیت اور کشش تھی۔(۱)

عیسائیوں میں شرک:

اور عیسائی فرقہ میں یہود سے بھی کئی گنا زیادہ شرک کا رواج و شیوع ہوا، اور ان کے شرک میں خدا کی ذات اور حضرت عیسی کی شخصیت کے مابین نسبت و تعلق میں شبہات اور بے سروپا خیالات و نظریات کو سب سے زیادہ دخل ہے۔ اور ان میں اس سلسلہ میں کئی گروہ ہو گئے، اگر چہ عموماً ان سب میں ایک بات مشترک ہے، وہ یہ کہ یہ لوگ حضرت عیسی روح اللہ علیہ السلام کی عقیدت و محبت میں غلو کرتے اور ان کو مقامِ عبدیت سے نکال کر مقامِ اُلوہیت تک پہنچادیتے ہیں، وہ لوگ کہتے ہیں کہ بندہ

(۱) بحوالہ نبی رحمت: ۳۶

وعبد ہونا ایک حقیر و معمولی بات ہے اور حضرت عیسی بڑے اونچے مقام کے حامل ہیں، ان کو عبد و بندہ کہنا ان کی تنقیص و توہین اور کسر شان ہے، لہٰذا وہ عبد نہیں ہو سکتے۔ پھر وہ ہیں کیا؟ اس کے جواب میں ان لوگوں میں اختلاف ہے:

بعض نے نعوذ باللہ حضرت عیسی مسیح ''خدا'' ہی کہہ دیا، اس لحاظ سے کہ حضرت عیسی میں ''اللہ'' حلول کر گیا اور ان کے اندر داخل ہو گیا ہے اور اسی وجہ سے ان سے احیاء موتی و خلق طیر وغیرہ افعال الٓہیہ کا صدور ہوتا ہے، لہٰذا ان کی عبادت اللہ کی عبادت ہے۔ (۱)

مولانا محمد تقی عثمانی نے مشہور عیسائی مارس ریلٹن کا بیان.........................

{STUDIES IN CHRISTIAN DOCTRINE}

کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ اس نے اس عقیدہ کی تشریح اس طرح کی ہے:

''کیتھولک عقیدے کا کہنا ہے کہ وہ ذات جو خدا تھی، خدائی صفات کو چھوڑے بغیر انسان بن گئی، یعنی اس نے ہمارے جیسے وجود کی کیفیات اختیار کر لیں جو زمان و مکان کی قیود میں مقید ہے اور ایک عرصے تک ہمارے درمیان مقیم رہی۔ (۲)

اسی میں آپ نے ''انسائیکلو پیڈیا آف ریلیجنس اینڈ اتھکس'' کے حوالہ سے'' الفریڈ ای گارو'' کا یہ قول نقل کیا ہے کہ:

''وہ (حضرت مسیح) حقیقۃً خدا بھی تھے اور انسان بھی، ان کی ان دونوں حقیقتوں میں سے کسی ایک کے انکار یا ان کے وجود میں دونوں کے متحد ہونے کے انکار ہی سے مختلف بدعتی نظریات پیدا ہوئے، لہٰذا منظور شدہ فارمولا یہ ہے کہ حضرت مسیح کی ایک شخصیت میں دو ماہیتیں جمع ہو گئی تھیں۔ (۳)

---

(۱) حجۃ اللہ البالغۃ :۱/۵۹ (۲) مقدمہ بائبل سے قرآن تک:۱/۵۹ (۳) مقدمہ بائبل سے قرآن تک:۱/۶۰

اس سے معلوم ہوا کہ ان کی شرک کی بنیاد بھی وہی عقیدت کا غلو اور محبت میں تجاوز ہے، اس کی بناء پر حضرت عیسی کو مقامِ عبدیت سے اٹھا کر مقامِ اُلوہیت تک پہنچا دیا اور حضرت عیسی کو خدائی صفات سے متصف مان کر ان کی عبادت کو جائز ٹھہرالیا۔

قرآنِ کریم میں اس عیسائی نظریے کی بھرپور طریقے پر تردید کی گئی ہے، چنانچہ فرمایا گیا ہے:

﴿لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْا إِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ وَقَالَ الْمَسِيْحُ يَا بَنِيْ إِسْرَائِيْلَ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبَّكُمْ إِنَّهُ مَنْ يُشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَأْوٰهُ النَّارُ وَمَا لِلظَّالِمِيْنَ مِنْ أَنْصَارٍ﴾ [المائدة: ۷۲]

(تحقیق کہ ان لوگوں نے کفر کیا جنہوں نے کہا کہ مسیح بن مریم ہی اللہ ہیں اور حضرت مسیح نے کہا کہ اے بنی اسرائیل! اللہ کی عبادت کرو جو کہ میرا اور تمہارا پروردگار ہے، اور بلاشبہ جو اللہ کے ساتھ کسی کو شریک کرتا ہے اللہ تعالی اس پر جنت کو حرام کر دیتا ہے اور اس کا ٹھکانہ جہنم ہے اور ظالموں کا کوئی مددگار نہیں)

لیکن عام طور پر کثرت کے ساتھ عیسائی لوگوں میں جو عقیدہ رائج ہے وہ یہ ہے کہ خدا تین اقانیم یعنی شخصیات سے مرکب ہے ایک باپ دوسرے بیٹا اور تیسرے روح القدس، اسی کو عقیدۂ تثلیث کہا جاتا ہے اور عیسائی زبان میں [TRINITY] سے تعبیر کیا جاتا ہے، یہ عقیدہ انتہائی غیر معقول ہونے کے ساتھ ساتھ بدترین قسم کا مشرکانہ عقیدہ بھی ہے۔ انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا میں اس عقیدہ کی تشریح اس طرح کی گئی ہے:

”تثلیث کے عیسائی نظریے کو ان الفاظ میں اچھی طرح تعبیر کیا جا سکتا ہے کہ باپ خدا ہے، بیٹا خدا ہے اور روح القدس خدا ہے، لیکن یہ مل کر تین خدا نہیں ہیں، بلکہ ایک ہی خدا ہیں، اس لئے کہ عیسائی نظریے کے مطابق ہم جس طرح ان تینوں میں سے

ہر ایک اقنوم کو خدا اور آقا سمجھنے پر مجبور ہیں اسی طرح ہمیں کیتھولک مذہب نے اس بات کی بھی ممانعت کر دی ہے کہ ہم ان کو تین خدا یا تین آقا سمجھنے لگیں۔(۱)

مولانا محمد تقی عثمانی نے مشہور عیسائی عالم ''آگسٹائن'' کی کتاب {On The Trinity} سے اس عقیدہ کی وضاحت میں اس کا یہ قول نقل کیا ہے کہ:

''عہد قدیم اور عہد جدید کے وہ تمام کیتھولک علماء جنہیں پڑھنے کا مجھے اتفاق ہوا ہے اور جنہوں نے مجھ سے پہلے تثلیث کے موضوع پر لکھا ہے وہ سب مقدس صحیفوں کی روشنی میں اس نظریئے کی تعلیم دینا چاہتے ہیں کہ باپ، بیٹا اور روح القدس مل کر ایک خدائی وحدت'' تیار کرتے ہیں، جو اپنی ماہیت اور حقیقت کے اعتبار سے ایک اور نا قابل تقسیم ہے اسی وجہ سے وہ تین خدا نہیں ہیں، بلکہ ایک خدا ہے اگر چہ باپ نے بیٹے کو پیدا کیا، لہٰذا جو باپ ہے وہ بیٹا نہیں، اسی طرح بیٹا باپ سے پیدا ہوا ہے اس لئے جو بیٹا ہے وہ باپ نہیں، اور روح القدس بھی نہ باپ ہے نہ بیٹا، بلکہ باپ اور بیٹے کی روح ہے جو دونوں کے ساتھ مساوی حیثیت اور تثلیثی وحدت میں ان کی حصہ دار ہے۔(۲)

اس غیر معقول نظریئے کے بارے میں قرآن میں ارشاد خداوندی ہے:

﴿ لَّقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُواْ إِنَّ اللّهَ ثَالِثُ ثَلاَثَةٍ وَمَا مِنْ إِلَـهٍ إِلاَّ إِلَـهٌ وَاحِدٌ وَإِن لَّمْ يَنتَهُواْ عَمَّا يَقُولُونَ لَيَمَسَّنَّ الَّذِينَ كَفَرُواْ مِنْهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴾ [المائدة:۷۳]

(تحقیق کہ ان لوگوں نے کفر کیا جو یہ کہتے ہیں کہ اللہ تین میں سے تیسرا ہے، حالانکہ ایک خدا کے سوا کوئی معبود نہیں ہے، اور اگر یہ لوگ ان باتوں سے نہیں باز آئے جو وہ کہتے ہیں تو ضرور ان کافروں کو دردناک عذاب آئے گا)

یہاں یہ بات معلوم ہونا چاہئے کہ عیسائیوں میں بے شمار فرقے ہیں اور ان کے

---

(۱) مقدمہ بائیبل سے قرآن تک: ۴۵ (۲) مقدمہ بائیبل سے قرآن تک: ۴۵

نظریات آپس میں ٹکراتے ہیں اور زیادہ تر فرقے اس کے قائل ہیں کہ حضرت عیسی علیہ السلام خدا کے بیٹے ہیں اور اس لئے وہ بھی خدائی مقام کے حامل ہیں، اس لیے یہ بھی خدا کا ایک حصہ ہیں، وہ کہتے ہیں کہ خدا تین ہیں: ایک اللہ، دوسرے مسیح، تیسرے روح القدس اور یہ تینوں مل کر ایک خدا ہیں، یہ لوگ ''تین ایک اور ایک تین'' کے نامعقول اور بعید از عقل فلسفہ کی بھول بھلیوں میں بھٹک رہے ہیں۔

اس عقیدہ و نظریے کے ساتھ ان کا عمل یہ ہے کہ بت پرستی میں کسی مشرک قوم سے پیچھے نہیں، بلکہ بدترین قسم کی مشرکانہ و بت پرستانہ رسومات و افعال میں مبتلاء ہیں، زبانی طور پر بت پرستی کے خلاف ہیں مگر ان لوگوں نے بت پرستی کی تمام رسومات وطور و طریقوں کو عیسائیت میں جذب کرلیا ہے۔

حضرت مولانا ابو الحسن علی ندوی نے ''مسیحیت علم جدید کی روشنی میں'' کے مصنف کا حوالہ دیتے ہوئے، عیسائیوں میں بت پرستی کے آغاز، اس کی نو بہ نو شکلوں، اور مشرک قوموں کی اندھی تقلید وغیرہ کے بارے میں اس کا یہ قول نقل کیا ہے:

''بت پرستی ختم تو ہوئی مگر تباہ نہیں ہوئی بلکہ جذب کرلی گئی، تقریباً سب ہی کچھ جو بت پرستی میں تھا، عیسائیت کے نام سے چلتا رہا، جن لوگوں کو اپنے دیوتاؤں اور مشاہیر سے ہاتھ دھونے پڑے تھے، انہوں نے غیر شعوری طور پر بہت آسانی سے کسی شہید کو پرانے دیوتاؤں کے اوصاف سے متصف کر کے کسی مقامی مجسمہ کو اس کا نام دے دیا اور اس طرح کافرانہ مسلک اور دیومالا ان مقامی شہداء کے نام منتقل ہوگئی اور ضدائی اوصاف سے متصف اولیاء کے عقیدے کی بنیاد پڑ گئی۔ ان اولیاء نے ایک جانب تو آرایوسین کے عقائد کی بنا پر انسان اور خدا کے درمیان شان ایزدی رکھنے والے انسانوں کی شکل اختیار کرلی، اور دوسری جانب یہ قرون وسطی کے تقدس اور پارسائی کے نشان بن گئے، بت پرستانہ تیوہار قبول کر کے ان کے نام بدل دئے گئے، یہاں تک کہ

۴۰۰ء تک پہنچتے پہنچتے سورج دیوتا کے قدیم تیوہار نے مسیح کے یوم پیدائش کی شکل اختیار کرلی۔(۱)

وفد نجران سے رسول اللہ ﷺ کا مباحثہ ومباہلہ:

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شخصیت کے بارے میں نصاریٰ نے جو غلو کر رکھا تھا،اس کا ذکر رسول اللہ ﷺ کی زبان مبارک سے ہوا کرتا تھا،جب انہوں نے اس کو محسوس کیا تو نجران کا ایک وفد اس مسئلہ پر گفتگو کرنے کے لیے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس سلسلہ میں گفتگو کی،اس کا ذکر روایات میں موجود ہے،یہاں اس کا ذکر کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

ابن اسحاق وغیرہ نے روایت کیا ہے کہ نجران کے نصاریٰ کا ایک وفد ساٹھ سواروں کا رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آیا اور ان میں چودہ آدمی ان کے اشراف میں سے تھے،اوران چودہ کا معاملہ بھی تین پر جا کر رکتا تھا،اوروہ یہ تھے:عاقب،اوریہی ان کا سرداراورصاحب الرائے تھا،اوردوسرا سید تھا اور یہ ان کا عالم تھا،اورتیسرا ابوحارثہ بن علقمہ تھا اور یہ ان کا پادری وامام تھا،اصلاً عرب تھا نصرانیت میں داخل ہو جانے کی وجہ سے نصاریٰ کے بادشاہ ورومی لوگ اس کی بہت قدر کرتے تھے اوراس کے لئے انہوں نے کنیسہ بنایا تھا اوراس کی خوب خدمت بھی کرتے تھے،اوریہ شخص رسول اللہ ﷺ کے اوصاف وکمالات سے واقف بھی تھا کیونکہ گزشتہ کتب کا علم رکھتا تھا جن میں آپ کا ذکر وشان مذکور ہے،مگر لوگوں میں اپنی تعظیم اوروجاہت کو دیکھ کر جہالت کی وجہ سے نصرانیت پر ڈٹا رہا۔

ابن اسحاق نے کہا کہ یہ لوگ اللہ کے رسول ﷺ کی خدمت میں مدینہ اس وقت

---

(۱) بحوالہ نبی رحمت:۳۸

آئے کہ آپ عصر کی نماز سے فارغ ہو چکے تھے، اور یہ لوگ نہایت خوبصورت لباس جبوں اور چادروں میں ملبوس تھے اور صحابہ نے جوان کو دیکھا تو کہا کہ ہم نے تو ان جیسے لوگ نہیں دیکھے، یہ لوگ پہنچے تو ان کی نماز کا وقت ہو چکا تھا اس لئے مسجد رسول ہی میں نماز کے لئے کھڑے ہو گئے، آپ نے فرمایا کہ ان کو نماز پڑھنے دو، انہوں نے مشرق کی جانب رخ کر کے نماز پڑھی، پھر ان میں سے مذکورہ تین لوگوں نے اللہ کے رسول سے بات چیت کی جبکہ ان تین میں حضرت عیسی کے بارے میں خود اختلاف تھا، ایک کہتا تھا کہ وہ اللہ ہیں، دوسرا کہتا تھا کہ وہ اللہ کے بیٹے ہیں اور تیسرا کہتا تھا کہ وہ تین میں سے تیسرے ہیں۔ وہ حضرت عیسی کے خدا ہونے پر اس سے استدلال کر رہے تھے کہ وہ مردوں کو زندہ کرتے تھے، بیماروں کو شفاء دیتے تھے، کوڑھیوں کو اچھا کر دیتے تھے، غیب کی بات بتاتے تھے اور مٹی سے پرندے بنا دیا کرتے تھے۔ اور حضرت عیسی کے خدا کا بیٹا ہونے پر یہ دلیل لاتے تھے کہ ان کا دنیا میں کوئی باپ نہیں تھا اور انہوں نے شیر خوارگی میں بات چیت کی ہے جبکہ بنی آدم میں کسی نے ایسا نہیں کیا۔ اور حضرت عیسی کے تین خداؤں میں سے ایک خدا ہونے کی دلیل میں کہتے تھے کہ اللہ تعالی جمع کے لفظ سے کلام کرتا ہے اور کہتا ہے کہ ہم نے کیا، ہم نے حکم دیا، ہم نے پیدا کیا وغیرہ، یہ اس بات کی دلیل ہے کہ خدا ایک ہی نہیں بلکہ تین ہیں۔ جب ان کے دو عالموں نے اللہ کے رسول سے گفتگو کی تو آپ نے فرمایا کہ تم اسلام لے آؤ، کہنے لگے کہ ہم تو اسلام لا چکے ہیں، آپ نے کہا کہ نہیں تم اسلام نہیں لائے، لہٰذا اسلام لاؤ، انہوں نے کہا کہ ہم تو آپ سے پہلے اسلام لا چکے ہیں، آپ نے کہا کہ تم جھوٹے ہو، تم کو اسلام لانے سے تمہارا اللہ کے لئے بیٹے کا دعوی اور صلیب کی پوجا اور خنزیر کا کھانا رکاوٹ بن رہا ہے، کہنے لگے کہ پھر حضرت عیسی کا باپ کون ہے؟ آپ خاموش رہے کوئی جواب نہیں دیا، اس پر قرآن میں اللہ تعالی نے سورۂ آل عمران کے شروع کی اسی سے زیادہ آیات نازل

فرمائی، جب اللہ کے رسول ﷺ کے پاس اللہ کا پیغام اور ان کے قضیہ کا فیصلہ آ گیا اور اللہ تعالی نے ان سے مباہلہ کا حکم دیا تو آپ نے ان کو اس کی دعوت دی کہ مباہلہ کریں گے، اس پر کہنے لگے کہ اے ابوالقاسم! (یہ آپ کی کنیت ہے) ہمیں مہلت دیجئے کہ ہم اس معاملہ میں غور کرسکیں اور پھر آپ کے پاس آئیں گے، یہ لوگ اس کے بعد عاقب نامی سب سے بڑے پادری کے پاس آئے اور کہا کہ بتاؤ کہ کیا کریں؟ اس نے کہا کہ اے نصرانیو! تم تو جانتے ہی ہو کہ محمد اللہ کے رسول ہیں، اور جس قوم نے بھی نبی سے مباہلہ کیا اس قوم کا نہ بڑا باقی رہا نہ چھوٹا باقی رہا، لہٰذا اگر تم اپنے ہی عقیدہ پر برقرار رہنا چاہتے ہو تو آپ سے علاحدہ ہو جاؤ اور اپنے ملک کو چلے جاؤ، چنانچہ یہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آ کر کہنے لگے کہ ہم آپ سے مباہلہ کرنا نہیں چاہتے، پس آپ ایک شخص کو ہمارے ساتھ بھیج دیجئے جو امانت دار ہو، وہ آپ کے مطالبہ کے مطابق مال لا کر دیدیگا، آپ نے اس کام کے لئے حضرت ابوعبیدہ بن الجراح کو مقرر فرمایا تھا۔(۱)

معلوم ہوا کہ ان لوگوں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ بحث تو کی لیکن مباہلہ کرنے تیار نہیں ہوئے، کیونکہ ان کو یقین تھا کہ اگر آپ سے مباہلہ کریں گے تو ہلاک ہو کر رہ جائیں گے۔

ہندو قوم اور شرک و بت پرستی:

ہندو قوم شرک و بت پرستی میں سب قوموں سے آگے معلوم ہوتی ہے اور زمانۂ جاہلیت کے بتوں اور بت پرستیوں سے بھی کہیں زیادہ اس قوم میں شرک و بت پرستی کا مظاہرہ ہوتا ہے۔

ڈاکٹر گستاولی بان اپنی کتاب ''تمدن ہند'' میں لکھتا ہے کہ:

''دنیا کی تمام اقوام میں ہندو کے لئے پرستش میں ظاہری صورت کا ہونا لازمی

(۱) تفسیر ابن کثیر: ۱/۴۸۹

ہے، اگر چہ مختلف ازمنہ میں مذہبی اصلاح کرنے والوں نے ہندو مذہب میں توحید کو ثابت کرنا چاہا، لیکن یہ کوشش بالکل بے فائدہ ہے، ہندو کے نزدیک کیا دیوی زمانہ میں کیا اس وقت، ہر چیز خدا ہے۔ جو کوئی چیز اس کی سمجھ میں نہ آئے، یا جس سے وہ مقابلہ نہ کر سکے اس کے نزدیک پرستش کے لائق ہے۔ برہمنوں اور فلسفیوں کی نہ صرف کل کوششیں جو انہوں نے توحید قائم کرنے کے لئے کیں، بلکہ کل وہ کوششیں بھی جو وہ دیوتاؤں کی تعداد گھٹا کر تین پر لانے کے لئے عمل میں لائے، محض بے کار اور رائیگاں گئیں۔ عوام الناس نے ان کی تعلیم کو سنا اور قبول کیا لیکن عملاً یہ تین خدا تعداد میں بڑھتے گئے اور ہر ایک چیز میں ہر ایک رنگ و بو میں ان کے اوتار نظر آنے لگے۔ (۱)

یہی مصنف اسی کے ذرا آگے لکھتا ہے کہ:

" ہندوؤں کو مورتوں اور ظاہری علامات سے بے انتہاء انس ہے، ان کا کوئی مذہب کیوں نہ ہو اس کے اعمال کو یہ نہایت اہتمام سے بجا لاتے ہیں، ان کے مندر پرستش کی چیزوں سے بھرے ہوئے ہیں، جن میں سب سے مقدم لنگم اور یونی ہیں، جن سے مراد مادّہ خلقت کے دونوں جزو ہیں، اشوک کے ستونوں کو بھی عام ہندو لنگم خیال کرتے ہیں اور اسطوانہ اور مخروطی شکلیں ان کے نزدیک واجب التعظیم ہیں"۔ (۲)

اس کا کچھ اندازہ ایک ہندو فاضل کے اس بیان سے بھی ہوتا ہے جس کو حضرت مولانا ابو الحسن علی ندویؒ نے "نبی رحمت" میں اس کی کتاب [POPULAR HINDUISM - THE RELIGION OF THE MASSES] کے حوالے سے نقل کیا ہے، وہ کہتا ہے کہ:

" خدا سازی کا عمل یہیں پر ختم نہیں ہو گیا بلکہ مختلف زمانوں میں اس خدائی اکیڈمی یا کونسل میں اتنی بڑی تعداد کا اضافہ ہو گیا کہ اس کا شمار مشکل ہے، ان میں بہت

(۱) تمدن ہند: ۴۴۰-۴۴۱ (۲) تمدن ہند: ۴۴۱

سے ہندوستان کے قدیم باشندوں کے معبود تھے، جن کو ہندو مذہب کے دیوتاؤں اور خداؤں کے ساتھ شامل کرلیا گیا تھا، ان کی کل تعداد تیس ملین (۳۰ رکروڑ) بتائی جاتی ہے۔ (۱)

ان کے یہ دیوتا اور دیوی جن کی پوجا اس قوم کا شعار ہے، مختلف قسم کے ہیں اور اسی کے ساتھ نہایت عجیب وغریب ہیئت وانداز کے بھی ہیں، کسی کے چھ ہاتھ ہیں کسی کے آٹھ ہاتھ ہیں، کسی کے چار چہرے ہیں کسی کے دو، کسی کا پیٹ بہت بڑا اور باقی جسم معمولی، اور کسی کا سر ہاتھی جیسا اور باقی جسم انسانوں کا سا، وغیرہ، پھر اہل ہند میں آگ، پانی، درخت، سانپ، گائے، سورج، چاند، ستارے، وغیرہ بیسیوں قسم کی چیزوں کی پوجا و پرستش کرنے والے ہیں۔

علامہ ابن القیم نے اپنی کتاب "إغاثة اللهفان" میں مشرکین کے مختلف معبودان باطلہ اور ان کی عبادت کے طریقے بہت تفصیل سے لکھے ہیں، اس کو پڑھنے سے ایسا لگتا ہے کہ یہ ساری باتیں یہاں کی قوم میں پائی جاتی ہیں۔ (۲)

---

(۱) بحوالہ نبی رحمت: ۴۳ (۲) دیکھو: إغاثة اللهفان: ۲/۲۲۲-۴۷

باب سوم

عقیدۂ توحید کی حفاظت کا اہتمام

جیسا کہ ہم نے اوپر تفصیل کے ساتھ لکھا ہے اسلام کے سوا کسی اور مذہب میں توحید کی خالص تعلیم اور اس کی جزئیات کی مکمل تفصیل اور اس کے مالہ وعلیہ کا واضح بیان نہیں ملتا، اگر چہ کہ توحید کی تعلیم تمام مذاہب و ادیان کی مشترک میراث ہے۔ یہ صرف اسلام ہی کی خصوصیت ہے کہ اس نے اس کی ایک ایک جزء کا احاطہ کیا اور اس پر ڈالے جانے والے شیطانی رخنوں کا سد باب کیا، اور اس کی خالص ومکمل وواضح تصویر پیش کر دی۔

لہٰذا اب ہم اس پر روشنی ڈالنا چاہتے ہیں کہ شریعتِ اسلامیہ نے عقیدۂ توحید کی حفاظت اور شرک کی نجاستوں سے اس کو پاک رکھنے کے لیے کیا کیا اقدامات کئے اور کس قدر اہتمام فرمایا ہے؟

شریعتِ محمدیہ چوں کہ توحید کے بارے میں بڑی حساس ہے اس لیے توحید کے عقیدہ میں کمزوری پیدا کرنے والے اعمال وافعال اور اس میں رخنہ انداز ہونے والی چیزوں سے بھی شریعت نے ہم کو دور رہنے کی تعلیم وتلقین فرمائی ہے۔ یہاں اختصار کے ساتھ چند اہم امور کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔

تصاویر کی حرمت:

پچھلی امتوں میں شرک کا ذریعہ وسبب بننے والی اولین چیز تصویر سازی ہے، جیسا کہ ہم نے اوپر روایات کے حوالے سے ذکر کیا ہے، اس لیے شریعت اسلامیہ نے جاندار کی تصویر سازی اور ان تصاویر کے رکھنے اور استعمال کرنے کو قطعی طور پر حرام

و ناجائز قرار دیا ہے۔

چنانچہ تصویر کی حرمت پر بے شمار احادیث موجود ہیں، یہاں چند نقل کرتا ہوں:

❁ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ: " دَخلَ عَلَيَّ رَسُوْلُ اللّٰه ﷺ وَ فِيُ الْبُيُتِ قِرَامٌ فِيُهِ صُوَرٌ، فَتلَوَّنَ وَجُهُهُ، ثَمَّ تَناوَلَ السِّتُرَ، فَهتَكَهُ، ثَمَّ قَالَ: إِنَّ مِنُ أَشَدِّ النَّاسِ عَذَاباً يَّوُمَ الُقِيَامَةِ الَّذِيُنَ يُشَبِّهُوُنَ بِخَلُقِ اللّٰهِ" (ایک بار رسول اللہ ﷺ میرے پاس تشریف لائے، جبکہ گھر میں ایک باریک پردہ تھا جس میں تصاویر تھیں، پس آپ کا رنگ بدل گیا اور آپ نے اس پردے کو لیا اور پھاڑ ڈالا، پھر فرمایا کہ قیامت کے دن سب سے زیادہ سخت عذاب والوں میں سے وہ لوگ ہوں گے جو اللہ کی صفتِ تخلیق میں اس کی نقل اتارتے ہیں)(۱)

❁ حضرت عبد اللہ بن مسعود فرماتے ہیں کہ: " سمعتُ رَسُولَ اللّٰه ﷺ يقولُ: إن أَشَدَّ النَّاسِ عَذَاباً يَّوُمَ الُقِيَامَةِ الُمُصَوِّرُوُنَ "(میں نے اللہ کے رسول کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ قیامت کے دن سب سے زیادہ سخت عذاب تصویر بنانے والوں کو ہوگا)(۲)

❁ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے ایک تصویر ساز کو تصویر سازی کرتے ہوئے دیکھا تو فرمایا کہ: " سمعتُ رسولَ اللّٰهِ ﷺ يقولُ: وَمَنُ أَظُلَمُ مِمَّنُ ذَهَبَ يَخُلُقُ كَخَلُقِيُ ، فَلُيَخُلُقُوُا حبَّةً ، فَلُيَخُلُقُوُا ذَرَّةً"(میں نے اللہ کے رسول کو (اللہ کی طرف سے) یہ فرماتے ہوئے سنا کہ اس سے زیادہ کون ظالم ہوگا جو میری (یعنی اللہ کی) طرح تخلیق کرنے لگا (وہ کسی جاندار کو تو کیا پیدا کرے گا) ذرا ایک دانہ یا ایک ذرہ ہی بنا کر دکھا دے)(۳)

---

(۱) بخاری: ۵۶۴۴ و اللفظ لہ، مسلم: ۳۹۳۷ (۲) بخاری: ۵۴۹۴، مسلم: ۳۹۴۳، نسائی: ۵۲۶۹، احمد: ۳۲۷۷ (۳) بخاری: ۵۴۹۷، مسلم: ۳۹۴۷، احمد: ۶۸۶۹، ابن ابی شیبہ: ۲۰۰/۵

❁ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ: " إِنَّ النَّبِيَّ ﷺ لَمْ يَكُنْ يَتْرُكُ فِيْ بَيْتِهِ شَيْئاً فِيهِ تَصَالِيبُ إِلَّا نَقَضَهُ" (نبی کریم ﷺ اپنے گھر میں کوئی ایسی چیز بغیر توڑے نہیں چھوڑتے تھے جس میں تصاویر ہوں) (۱)

❁ حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں کہ میں ابن عباسؓ کے پاس بیٹھا ہوا تھا، آپ سے ایک سوال کیا گیا، تو آپ نے فرمایا کہ: " سمعتُ مُحَمَّداً ﷺ يقولُ: مَنْ صَوَّرَ صُورَةً فِيْ الدُّنيا كُلِّفَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَنْ يَنْفُخَ فِيهَا وَ لَيْسَ بِنَافِخٍ " (میں نے محمد ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جو شخص دنیا میں کوئی (جاندار کی) تصویر بناتا ہے تو قیامت کے دن اس کو کہا جائے گا کہ اس میں روح ڈال مگر وہ روح ڈال نہ سکے گا)

❁ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: "إن أصحاب هذه الصور يعذبون يوم القيامة ، يقال لهم : أحيوا ماخلقتم" (بلاشبہ جو لوگ یہ تصویر بناتے ہیں ان کو قیامت کے دن عذاب دیا جائے گا، ان سے کہا جائے گا کہ تم نے جو بنایا اس کو زندہ کرو)۔ (۲)

(۳) ابو الھیاج اسدیؒ فرماتے ہیں کہ مجھ سے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ " أَلَا أَبعثُكَ على ما بَعَثَنِي عليه رَسُولُ اللّٰه ﷺ ؟ أنْ لا تَدَعَ تِمْثالًا إلّا طَمَسْتُه ولا قَبْراً مُشرفاً إلّا سوّيتُه" (کیا میں تم کو اس کام کے لیے نہ بھیجوں جس کے لیے مجھے اللہ کے نبی ﷺ نے بھیجا تھا، یعنی یہ کہ کوئی تصویر نہ چھوڑوں مگر یہ کہ اس کو مٹا دوں، اور نہ کوئی اونچی قبر کو چھوڑوں مگر یہ کہ اس کو برابر کر دوں)۔ (۳)

ان تمام احادیث سے جاندار کی تصویر کا حرام ہونا ظاہر و ثابت ہوتا ہے، اور اس کی حرمت کی متعدد وجوہات ہیں، ان میں سے سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ تصویر ہی وہ

(۱) بخاری: ۵۴۹۶، ابوداؤد: ۳۶۲۱، احمد: ۲۴۹۴۶ (۲) بخاری: ۵۶۰۷، مسلم: ۲۱۰۸ (۳) مسلم: ۹۶۹، واللفظ لہ، ابوداؤد: ۳۲۱۸، ترمذی: ۱۰۴۹، نسائی: ۲۳۱، مسند احمد: ۱/ ۷۴، مستدرک: ۱/ ۵۲۴

سب سے پہلا اور بڑا ذریعہ ہے جس کی وجہ سے لوگوں میں شرک و بت پرستی کو شیوع حاصل ہوا، اور توحید خداوندی میں خلل ورخنہ پڑا، لہٰذا اسلام نے جب دیکھا کہ جاندار چیزوں کی تصویر توحید کے عقیدہ میں خلل انداز ہورہی ہے اور لوگ اس کے ذریعہ شرک وبت پرستی میں مبتلا ہورہے ہیں تو قطعی طور پر اس سے منع فرمادیا۔

علماء نے لکھا ہے کہ تصویر سازی کی حرمت اور اس کے عذاب میں اس قدر شدت کی وجہ یہ ہے کہ اس میں اللہ کی صفت تخلیق سے مشابہت لازم آتی ہے۔ حالانکہ اللہ ہی کے لئے خلق وامر کا ہونا قرآن میں منصوص ہے اور اسی لئے تصویر بنانے والے کو یہ عذاب بھی ہوگا کہ اس کو ان تصاویر میں روح ڈالنے کا مکلّف کیا جائے گا مگر وہ ڈال نہ سکے گا۔ (۱)

معلوم ہوا کہ تصویر کی حرمت کا ایک بڑا سبب یہ ہے کہ اس کی وجہ سے دنیا میں شرک وبت پرستی کا رواج وشیوع ہوا، اور لوگ صورتیں ومجسمے بنا کر ان کی پوجا کرنے لگے تھے، لہٰذا شریعت نے اس کو سدِ باب کے طور پر حرام کردیا۔

افسوس کہ آج بعض پیر کہلانے والے اپنے مریدوں کو باقاعدہ اپنی تصویر دیکر ان کے گھروں میں چسپاں کرارہے ہیں اور لوگ ان پیروں کی تصویروں کو بڑی عزت وعظمت ومحبت سے گھروں میں سجا کر رکھتے ہیں اور بعض کے بارے میں سنا ہے کہ بلا وضو اس تصویر کو ہاتھ نہیں لگاتے۔ یہ وہی غلو نہیں تو اور کیا ہے جس کے ذریعہ لوگ شرک میں مبتلا ہوگئے تھے اور اسلام نے اس کی جڑ اکھاڑنے کے لیے تصاویر کو حرام قرار دیا ہے اور اس پر سخت وعیدیں فرمائی ہیں۔

اسی طرح بعض لوگ اپنے باپ دادوں اور دوسرے لوگوں کی تصاویر سے اپنے گھروں کو سجاتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ شریعت میں ان تصاویر کو نہیں بلکہ پوجا کی جانے

(۱) تیسیر العزیز الحمید: ۶۳۴، فتح المجید شرح کتاب التوحید: ۱/۴۶۸

والی تصاویر کو حرام کہا گیا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ یہ اگر چہ شرک نہیں لیکن اس میں کیا شک ہے کہ یہ کام مشرکین کے عمل سے مشابہت رکھتا ہے، لہٰذا عام تصاویر بھی اسلام میں جائز نہیں قرار دی گئیں، وہ بھی حرام ہیں، کیونکہ اوپر آپ نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ایک پردے پر بنی ہوئی تصویر کو دیکھ کر ناراضی کا اظہار کیا اور اس گھر میں داخل نہیں ہوئے، حالانکہ یہ بات اظہر من الشّمس ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس کو پوجا کے لئے نہیں رکھا تھا، اس کے باوجود آپ نے اس کی اجازت نہیں دی۔ اس سے ان لوگوں کی غلطی معلوم ہوگئی جو یہ کہتے ہیں کہ عام تصاویر جو پوجنے کے لئے نہیں ہوتیں اس کی اجازت ہے۔ کہاں اجازت ہے جبکہ اللہ کے نبی ﷺ نے اس کو صاف طور پر منع کر دیا۔ نیز اس تصویر سازی میں ہاتھ سے بنائی جانے والی تصویر بھی داخل ہے اور کیمرے یا کسی اور مشین سے لی جانے والی تصویر بھی داخل ہے، دونوں میں اس لحاظ سے کوئی فرق نہیں ہے۔

''حرمت تصویر'' کے مسئلہ پر ہم نے پوری شرح وبسط کے ساتھ مدلل کلام ہماری کتاب: ''ٹیلی ویژن - اسلامی نقطۂ نظر سے'' میں کر دیا ہے، اور اس سلسلہ میں پیش کئے جانے والے شبہات کا بھی تفصیل سے جواب اس میں موجود ہے اور ہاتھ کی تصویر سازی اور کیمرے کی تصویر سازی دونوں کے حکم کے لحاظ سے ایک ہونے پر مدلل کلام کیا گیا ہے۔

قبروں پر مساجد کی حرمت:

تاریخ اقوام کے ایک سرسری جائزہ سے بھی یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ بعض لوگوں میں شرک اس طرح بھی جاری ہوا کہ لوگ اپنے انبیاء واولیاء ونیک وصالح لوگوں کی تعظیم کرتے ہوئے ان کی قبروں پر سجدہ گاہ بنالیا تھا، اسلام نے اس کا بھی قلع قمع کیا اور اس کو بھی لعنتی کام قرار دیا۔

چنانچہ یہود ونصاریٰ نے اپنے اولیاء وانبیاء کی قبروں کو عبادت گاہ بنالیا تھا، پہلے تو صرف ان کی یادگار کے طور پر عمارتیں بنائی جاتی تھیں اوران کی صورتیں ان میں رکھی جاتی تھیں، پھر چلتے چلتے قبروں ہی کی پوجا وپرستش ہونے لگتی تھی۔ اسلام نے اس کی مذمت کی اور اہل اسلام کو اس بدترین فعل سے سختی کے ساتھ منع کردیا۔

حدیث میں ہے کہ حضرت ام سلمہ اور حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہما نے نبی کریم ﷺ سے عرض کیا کہ ہم نے ایک کلیسہ (عیسائی عبادت خانہ) میں بت وتصویریں دیکھی ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ان لوگوں میں سے جب کوئی نیک آدمی مرجاتا تو یہ اس کی قبر پر مسجد بنالیتے اوراس میں ان نیک لوگوں کی صورتیں نصب کرلیتے تھے، یہ اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ بدترین لوگ ہیں۔(۱)

اسی لیے آپ ﷺ نے اپنے مرض الوفات میں فرمایا کہ:" لعن الله اليهود والنصارى ،اتخذوا قبور أنبيائهم مساجد " (اللہ یہود ونصاریٰ کو غارت کرے کہ انہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو سجدہ گاہ بنالیا)۔(۲)

ایک روایت میں حضرت جندب کہتے ہیں کہ آپ ﷺ نے وفات سے پانچ دن قبل فرمایا کہ:" إن من كان قبلكم كانوا يتخذون قبورأنبيائهم و صالحيهم مساجد ، ألا فلا تتخذوا القبور مساجد ، فإني أنهاكم عن ذلك۔(بے شک تم سے پہلے لوگ اپنے انبیاء اور نیک لوگوں کی قبروں کو سجدہ گاہ بنالیا کرتے تھے، خبردار تم قبروں کو سجدہ گاہ نہ بنالینا، پس میں تم کو اس سے منع کرتا ہوں)(۳)

شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ فرماتے ہیں کہ: کسی جگہ کو مسجد بنانے کا مطلب یہ ہے کہ مساجد کی طرح پنج وقتہ نمازوں وغیرہ کے لئے ان کو بنایا جائے، اور جو جگہ مسجد بنائی

(۱) بخاری ۶۱/۱، مسلم ۲۰۱/۱ (۲) بخاری :۲۶۶۵، مسلم :۵۲۹، مسند احمد:۲۴۹۳۹، وغیرہ

(۳) مسلم:۵۳۲، صحیح ابن حبان:۳۳۴/۱۴

جاتی ہے اس سے مقصود اللہ کی عبادت اور اس سے دعاء ہوتی ہے نہ کہ مخلوق سے دعاء، لہٰذا ان نیک لوگوں کی قبروں کو نماز پڑھنے کے ارادے سے مساجد بنانا حرام قرار دیا گیا اگرچہ اس کا ارادہ کرنے والا اس سے اللہ کی عبادت کا قصد ہی کرتا ہے، کیونکہ یہ صاحب قبر کی عبادت کا ذریعہ ہے لہٰذا اللہ کے نبی ﷺ نے اس سے منع کر دیا۔(۱)

قبروں کی تعظیم و تعمیر:

یہود و نصاریٰ نے انبیاء و اولیاء کی تعظیم کے نام پر ان کی قبروں کی حد سے زیادہ تعظیم شروع کر دی، اور آہستہ آہستہ ان کو قبر پرستی اور شرک کی لعنتوں میں ملوث کر دیا، اس لیے شریعت اسلامیہ نے قبروں کی تعظیم اور اس حیلے سے ان پر تعمیر اور ان کی لیپ پوت اور ان پر چراغاں کرنے وغیرہ امور سے منع فرمایا۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ اپنی کتاب ''حجۃ اللہ البالغۃ'' میں فرماتے ہیں:

''نبی کریم ﷺ نے حضرت علیؓ کو جو اس کام پر بھیجا کہ کوئی مورت نظر آئے تو اس کو مٹا دینا اور اونچی قبر دیکھو تو برابر کر دینا اور جو آپ ﷺ نے اس سے منع کیا کہ قبروں کو پختہ کیا جائے اور اس پر تعمیر کیا جائے اور یہ کہ اس پر (مجاور بن کر) بیٹھا جائے اور آپ نے جو یہ فرمایا کہ قبر کی طرف نماز نہ پڑھی جائے، یہ سب اس لیے کہ یہ سب ذریعہ ہے اس کا کہ لوگ قبروں کو معبود بنالیں گے اور ان کی تعظیم میں حد سے گزر جائیں گے۔(۲)

اس عبارت میں حضرت شاہ صاحبؒ نے پوری وضاحت وصراحت سے بتایا ہے کہ قبروں پر تعمیر، ان کو پختہ کرنا اور ان کی طرف نماز پڑھنا (اگرچہ نماز اللہ ہی کے لیے ہو) اور مجاوری کرنا اور حد سے زیادہ انکی تعظیم کرنا یہ سب اسلام میں منع ہے۔ اور اس لیے منع ہے کہ یہ شرک کا ذریعہ اور سبب ہے۔

اس سلسلہ میں ان احادیث کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے:

---

(۱) مجموع الفتاوی: ۱/۱۶۳-۱۶۴ (۲) حجۃ اللہ البالغۃ ۲/۳۷

(۱) ابوالھیاج اسدیؒ فرماتے ہیں کہ مجھ سے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ " أَلَا أَبعثُكَ على ما بَعَثَنِي عليه رَسُولُ اللّٰه ﷺ ؟ أنْ لا تَدَعَ تِمْثالًا إلّا طَمَسْتُه ولا قَبْراً مُشرفاً إلَّا سوّيتُه" (کیا میں تم کو اس کام کے لیے نہ بھیجوں جس کے لیے مجھے اللہ کے نبی ﷺ نے بھیجا تھا، یعنی یہ کہ کوئی تصویر نہ چھوڑوں مگر یہ کہ اس کو مٹا دوں، اور نہ کوئی اونچی قبر کو چھوڑوں مگر یہ کہ اس کو برابر کر دوں)۔(۱)

(۲) حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ "نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ أَنْ يُجَصَّصَ القَبْرُ وَأَنْ يُقْعَدَ عَلَيْهِ وَ أَنْ يُبْنٰى عَلَيْهِ "(نبی کریم ﷺ نے قبر کو پختہ کرنے اور اس پر بیٹھنے، اور اس پر عمارت بنانے سے منع فرمایا۔(۲)

(۳) حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ "لعن رسول اللّٰه ﷺ زائرات القبور والمتخذين عليها المساجد والسرج "(رسول اللہ ﷺ نے قبروں کی زیارت کرنے والی عورتوں پر اور قبروں پر مساجد بنانے اور چراغاں کرنے والوں پر لعنت فرمائی ہے)۔(۳)

اس حدیث کی سند میں ابوصالح نامی راوی کے بارے میں اختلاف ہے کہ وہ کون ہے؟ کیونکہ ابوصالح کنیت کئی لوگوں کی ہے، بعض نے ان کا نام باذان بتایا ہے، اس صورت میں یہ روایت ضعیف ہوگی کیونکہ باذان ضعیف ہے، اور بعض نے کہا کہ یہ ابوصالح میزان ہیں، اور یہ ثقہ ہیں لہٰذا روایت صحیح ہے۔

ان احادیث میں قبروں پر عمارت بنانے، ان کی لپائی کرنے، ان پر چراغ روشن کرنے کو منع کیا گیا ہے۔ غرض یہ کہ اسلام نے توحید کے عقیدہ کی حفاظت کی خاطر شرک

---

(۱) مسلم:۹۶۹، واللفظ لہ، ابوداؤد:۳۲۱۸، ترمذی:۱۰۴۹، نسائی:۲۲۳۱، مسند احمد:۱۴۱۷، مستدرک:۴/۱ ۵۲ (۲) مسلم:۹۷۰، مسند احمد:۱۴۱۸۲، مصنف ابن ابی شیبہ:۲۵/۳، مشکوۃ ۱۴۸ (۳) ابوداؤد: ۳۲۳۶ ترمذی:۳۲۰، نسائی:۲۰۴۳، احمد:۲۰۳۰، ابن حبان:۴۵۲/۷، مستدرک:۵۳۰/۱، مشکوۃ ۱/۷

کے در آنے کے جو اسباب ہو سکتے ہیں ان پر پابندی لگا دی ہے۔

مگر ایک بات یہ بھی ذہن نشین رہنا چاہئے کہ قبروں کی توہین بھی نہ کرنا چاہئے کیونکہ احادیث میں اس کی ممانعت بھی آئی ہے، مثلاً اوپر کی ایک حدیث میں قبر پر بیٹھنے سے منع کیا گیا ہے۔ ایک حدیث میں حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ " لَأَنْ يَجْلِسَ أَحَدُكُم عَلٰى جَمْرَةٍ فَتَحْرِقُ ثِيَابَهُ فتخلص إلى جلده خَيْرٌ لَّهُ مِنْ أَنْ يَجْلِسَ عَلٰى قَبْرٍ" (تم میں سے کوئی آگ کی چنگاری پر بیٹھ جائے اور وہ اس کے کپڑے جلا ڈالے یہ اس سے بہتر ہے کہ کسی قبر پر بیٹھے)۔(۱)

حضرت ابو مرثد الغنوی سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ:" لَا تَجْلِسُوا عَلَى الْقُبُوْرِ وَلَا تُصَلُّوا إِلَيْهَا "(قبروں پر نہ بیٹھو اور نہ ان کی جانب نماز پڑھو)۔(۲)

ایک اور حدیث میں ہے کہ اللہ کے نبی ﷺ نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ قبروں کے درمیان اپنے جوتوں کے ساتھ چل رہا ہے، آپ نے اس سے کہا کہ: اے جوتے والے! اپنے جوتے اتار دے۔(۳)

غرض یہ کہ افراط و تفریط سے بچنا چاہئے اور قبروں کو نہ تو اس قدر معظم و محترم سمجھنا چاہئے کہ اس سے شرک کا راستہ ہموار ہو اور نہ ہی ان کی توہین و بے ادبی کرنا چاہئے۔

مقام و مرتبہ اور تعریف میں غلو کی ممانعت:

شرک کے اسباب میں سب سے بڑا سبب (جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے)

---

(۱) مسلم: ۹۷۱، ابو داؤد: ۳۲۲۸، احمد: ۸۰۹۳، صحیح ابن حبان: ۴۳۶/۷ (۲) مسلم: ۹۷۲، ترمذی: ۱۰۵۰، ابو داؤد: ۳۲۲۹، احمد: ۱۷۲۵۵، صحیح ابن خزیمہ: ۷/۲، صحیح ابن حبان: ۹۰/۶ (۳) ابو داؤد: ۳۲۳۰، نسائی: ۲۰۴۸، ابن ماجہ: ۱۵۶۸، احمد: ۲۰۸۰۳، صحیح ابن حبان: ۴۴۱/۷، الادب المفرد: ۲۷۱/۱

عقیدت ومحبت میں غلو ہے اوراس غلو کے نتیجہ میں بسا اوقات مقام و مرتبہ میں حد سے تجاوز کیا جاتا ہے اور مدح وستائش اور تعریف میں بھی مبالغہ سے کام لیا جاتا ہے، اس لیے اسلام نے کسی کو اس کے مقام سے بڑھانے اور کسی کی تعریف میں غلو کرنے سے منع فرمادیا۔

سرور عالم، سید الکائنات، فخر موجودات، افضل المخلوقات حضرت محمد ﷺ کا مرتبہ ومقام کس مسلمان سے پوشیدہ ہوگا؟ اورآپ کا تمام انبیاء و رسل میں سب سے افضل ہونا کس سے مخفی ہے؟ کہنے والے نے سچ کہا ہے:

بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

مگراس کے باوجود آپ ﷺ نے امت کی تعلیم کے لئے اپنے مرتبہ اور تعریف میں بھی غلو اور تجاوز کو پسند نہیں کیا بلکہ اس سے منع فرمادیا۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ:

”لَاتُطْرُوْنِي كَمَا أَطْرَتِ النَّصَارٰى ابْنَ مَرْيَمَ ، فَإِنَّمَا أَنَا عَبْدُهُ فَقُوْلُوْا: عَبْدُ اللّٰهِ وَرَسُوْلُهُ“ (میری تعریف میں غلو نہ کرو جیسے کہ نصاریٰ نے (عیسی ابن مریمؑ) کے بارے میں غلو کیا۔ میں تو بس اللہ کا بندہ ہوں لہٰذا تم یوں کہو اللہ کے بندے اور اس کے رسول۔ (۱)

اس میں اشارہ ہے کہ نصاری نے حضرت عیسی علیہ السلام کو ان کے مقام و مرتبہ سے بڑھادیا تھا اوران کو خدا کا نبی ورسول سمجھنے کے بجائے خدا کا بیٹا بنالیا تھا، لہٰذا کسی کو بھی اس کے مقام سے بڑھانا صحیح نہیں، اور اگر یہ بڑھانا خدائی مقام تک پہنچادے تو توحید کے خلاف اور شرک میں داخل ہے۔

ایک حدیث میں ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ کچھ لوگوں نے

(۱) بخاری: ۳۲۶۱، احمد: ۱۶۴، صحیح ابن حبان: ۱۳۳/۱۴، مسند طیالسی: ۶/۱

کہا اے اللہ کے رسول! اے ہم میں سے سب سے بہتر اور سب سے بہتر کے بیٹے اور ہمارے سردار اور سردار کے بیٹے! یہ سن کر نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ:

" یاأَيُّها النَّاسُ ! قُولُوا بِقَولِكُم ، وَلَايَستَهوِيَنَّكُمُ الشَّيطَانُ ، أَنَا مُحَمَّدُ بنُ عَبدِ اللّٰهِ وَ رَسُولُ اللّٰهِ ، وَاللّٰهِ مَا أُحِبُّ أَن تَرفَعُونِي فَوقَ مَا رَفَعَنِي اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ - وفي رواية- إِنِّي لَا أُرِيدُ أَن تَرفَعُونِي فَوقَ مَنزِلَتِيَ الَّتِي أَنزَلَنِيهَا اللّٰهُ تَعَالىٰ ، أَنَا مُحَمَّدُ بنُ عَبدِ اللّٰهِ ، عَبدُهُ وَرَسُولُهُ " (اے لوگو! تم نے جتنا کہا بس اتنا ہی کہو، کہیں شیطان تم پر غالب نہ آجائے، میں تو عبداللہ کا بیٹا محمد ہوں، اللہ کا رسول ہوں، میں پسند نہیں کرتا کہ تم مجھ کو میرے اس درجہ اور مقام سے بلند کرو جتنا کہ اللہ نے مجھے بلند کیا ہے، ایک روایت میں اس طرح آیا ہے کہ آپ نے فرمایا کہ میں نہیں چاہتا کہ تم مجھے اس مقام سے بڑھادو جس مقام میں کہ اللہ نے مجھے رکھا ہے، میں تو عبداللہ کا بیٹا محمد اور اللہ کا بندہ ورسول ہوں)۔(۱)

مقام غور ہے کہ جب نبی کریم ﷺ اپنے بارے میں یہ فرماتے ہیں کہ مجھے میرے مقام سے نہ بڑھاؤ اور میری تعریف میں حد سے تجاوز نہ کرو تو کسی ولی، بزرگ، شیخ، استاذ، پیر وغیرہ کو حد سے بڑھانا اور خدائی مقام پر بٹھادینا، ان کو حاجت روا و مشکل کشا سمجھنا اور ان سے اپنی حاجتیں مانگنا، ان کیلئے نذرانہ چڑھانا، ان کی مزاروں پر سجدے کرنا، اور ان کی تعریف میں حدود کی رعایت نہ رکھنا یہ سب کس کس طرح درست ہوسکتا ہے؟ کس قدر افسوس ہے کہ آج امت مسلمہ کا ایک طبقہ ان تمام شرکیہ اعمال و افعال میں مبتلا ہے، اور اس سے زیادہ افسوس ناک بات یہ ہے کہ اسی کو صحیح اسلام بھی سمجھتا اور قرار دیتا ہے، اور صحیح اسلام جس میں یہ مبالغہ اور حد سے تجاوز کو منع کیا گیا ہے اس کو غلط قرار دینے کی جاہلانہ جسارت کرتا ہے۔

---

(۱) مسند احمد: ۱۳۵۵۳، سنن کبری نسائی: ۶/ ۷۱، مسند عبد بن حمید: ۱/ ۳۹۷

سجدۂ تعظیمی کی حرمت:

سجدۂ تعظیمی پہلی بعض شریعتوں میں مشروع تھا، حضرت آدم علیہ السلام کے سامنے فرشتوں کا سجدہ اور حضرت یوسف علیہ السلام کے سامنے ان کے والدین اور بھائیوں کا سجدہ اسی قبیل سے تھا، مگر جب یہ بھی غلو کا شکار ہوگیا اور اس بہانے بزرگوں اور ولیوں کی عقیدت و عظمت میں غلو کرنے والوں نے ان لوگوں کو بھی معبود بنالیا تو شریعت اسلامیہ نے اس کو بھی منسوخ کردیا۔

اور ایک حدیث میں ہے کہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ جب ملک شام سے واپس آئے تو رسول اللہ ﷺ کو انہوں نے سجدہ کیا، آپ نے فرمایا کہ اے معاذ! یہ کیا ہے؟ انہوں نے کہا کہ میں نے اہل شام کو دیکھا کہ وہ اپنے پادریوں، عالموں، راہبوں کو سجدہ کرتے ہیں، میرے دل میں آیا کہ ہم بھی آپ کے ساتھ ایسا کریں، آپ نے فرمایا کہ: " لا تفعلوا ، فإني لو كنت آمر أحداً أن يسجد لغير الله لأمرت المرأةَ أن تسجد لزوجها "(ایسا نہ کرو، کیونکہ اگر میں اللہ کے سوا کسی اور کے لئے سجدہ کا حکم دیتا تو عورت کو حکم دیتا کہ وہ اپنے شوہر کو سجدہ کرے)(۱)

ایک اور حدیث میں ہے کہ حضرت قیس بن سعد بن عبادہ مقام حیرہ گئے تو وہاں کے لوگوں کو دیکھا کہ اپنے سرداروں اور چودھریوں کو سجدہ کرتے ہیں، تو کہنے لگے کہ اللہ کے رسول سجدہ کے زیادہ حقدار ہیں، جب واپس آئے تو نبی کریم ﷺ سے اس کا ذکر کیا کہ حیرہ میں میں نے دیکھا کہ وہاں لوگ اپنے چودھریوں کو سجدہ کرتے ہیں، یارسول اللہ! آپ اس کے زیادہ حقدار ہیں کہ ہم آپ کو سجدہ کیا کریں، (ابوداؤد و حاکم کی روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ کیا جب تم میری قبر سے گزروگے تو اس کو بھی سجدہ

(۱) ابن ماجہ: ۱۸۵۳، احمد: ۱۹۴۲۲، صحیح ابن حبان: ۴۷۹/۹۔ مستدرک: ۱۹۰/۴، معجم کبیر: ۲۰۸/۵، مصنف عبدالرزاق: ۳۰۱/۱۱، سنن بیہقی: ۲۹۲/۷

کروگے؟ انہوں نے کہا کہ نہیں) آپ نے فرمایا کہ: "لَا تَفْعَلُوا، لَوْ كُنْتُ آمُرُ أَحَداً أَنْ يَسْجُدَ لِأَحَدٍ لَأَمَرْتُ النِّسَاءَ أَنْ تَسْجُدْنَ لِأَزْوَاجِهِنَّ لِمَا جَعَلَ اللّٰهُ لَهُمْ عَلَيْهِنَّ مِنَ الْحَقِّ" (ایسا نہ کرو، اور اگر میں کسی کے لئے کسی کو سجدہ کا حکم دیتا تو میں عورتوں کو حکم دیتا کہ وہ اپنے شوہروں کو سجدہ کریں، اس حق کی وجہ سے جو اللہ نے مردوں کا ان پر رکھا ہے)۔(۱)

اس میں ظاہر ہے کہ سجدۂ عبادت کا سوال نہیں تھا؛ کیوں کہ سجدۂ عبادت تو کبھی بھی کسی کے لیے جائز نہیں ہوا۔ سوال تو سجدۂ تعظیم کا تھا، اور آپ نے اس سے بھی منع فرمادیا۔ پھر اس سے بھی یہ معلوم ہوا کہ صحابی کے دل میں آپ کو سجدہ کرنے کی بابت جو سوال پیدا ہوا تھا وہ بھی صرف آپ کی اس دنیوی زندگی کی حد تک تھا۔ آپ کے وصال کے بعد آپ کے مزار پر سجدہ کا تو تصور بھی صحابی نے نہیں کیا، اور جو سوال تھا اس کا جواب بھی آپ نے یہ دیا کہ سوائے اللہ کے کسی کے لیے سجدہ جائز نہیں۔ لہٰذا میرے لیے بھی جائز نہیں ۔ جب آپ ﷺ کے لیے جائز نہیں تو کسی اور کے لیے کیسے جائز ہوسکتا ہے۔

غیر اللہ سے علم غیب کی نفی:

اللہ تعالیٰ کی صفات غیر اللہ کو تقسیم کرنے والے لوگ بڑی فراخ دلی کے ساتھ "عالم الغیب"، "مشکل کشا"، "حاجت روا" وغیرہ خدائی اوصاف اللہ کے بندوں میں بانٹتے رہتے ہیں، حالانکہ اوپر آپ پڑھ آئے ہیں کہ اللہ کے اوصاف وصفات کو کسی مخلوق میں ماننا بھی شرک کی ایک قسم ہے جس کو شرک فی الصفات کہا جاتا ہے۔ اسلام نے اسی کے بطلان کے لئے جگہ جگہ وضاحت کے ساتھ یہ بتایا کہ عالم الغیب صرف ایک اللہ کی

(۱) ابو داؤد: ۲۱۴۰، سنن دارمی: ۱/۴۰۶، مستدرک حاکم: ۲/۲۰۴، معجم کبیر: ۱۸/۳۵۱، سنن بیہقی: ۷/۲۹۱، الآحاد والمثانی: ۴/۲۷

ذات ہے کوئی اور اس میں اس کا شریک نہیں۔

بہت سے لوگوں میں جنات کے متعلق یہ عقیدہ تھا کہ وہ عالم الغیب ہوتے ہیں، قرآن نے ایک واقعہ کے ذریعہ اس عقیدہ کی تردید کی، وہ واقعہ یہ کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی موت کا جب وقت آیا تو اللہ تعالی نے ان کی موت کو ان جنات پر پوشیدہ کردیا جو مشقت آمیز کاموں پر مقرر تھے، کیونکہ حضرت سلیمان اپنے عصا پر ٹیک لگائے کھڑے تھے، اور اسی حالت میں ان کی وفات ہوگئی، اور ایک سال تک اسی طرح کھڑے رہے، یہاں تک کہ جب اس لکڑی کو دیمک نے اندر اندر سے چاٹ لیا اور وہ بوسیدہ ہوکر ٹوٹی اور حضرت سلیمان گر پڑے تب جنات کو معلوم ہوا کہ یہ تو مر چکے ہیں، اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جنات علم غیب نہیں رکھتے۔اس کا ذکر قرآن نے ان الفاظ میں کیا ہے:

﴿ فَلَمَّا قَضَيْنَا عَلَيْهِ الْمَوْتَ مَا دَلَّهُمْ عَلٰى مَوْتِهِ إِلَّا دَابَّةُ الْأَرْضِ تَأْكُلُ مِنسَأَتَهُ فَلَمَّا خَرَّ تَبَيَّنَتِ الْجِنُّ أَن لَّوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ الْغَيْبَ مَا لَبِثُوا فِي الْعَذَابِ الْمُهِينِ﴾ [سبا:۱۴]

(جب ہم نے ان پر موت کا فیصلہ کردیا تو ان کی موت پر کسی نے ان (جنات) کو مطلع نہیں کیا مگر زمین کے ایک کیڑے نے جس نے ان کے عصا کو کھالیا تھا پس جب وہ گر پڑے تو جنات کو معلوم ہوا کہ اگر وہ علم غیب رکھتے تو اس ذلت والے عذاب میں نہ رہتے)

قرآن میں ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو بتایا کہ میں علم غیب نہیں رکھتا، چنانچہ ارشاد ہے:

﴿ وَلَا أَقُولُ لَكُمْ عِندِي خَزَائِنُ اللّٰهِ وَلَا أَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَا أَقُولُ إِنِّي مَلَكٌ وَلَا أَقُولُ لِلَّذِينَ تَزْدَرِي أَعْيُنُكُمْ لَن يُؤْتِيَهُمُ اللّٰهُ خَيْرًا اللّٰهُ أَعْلَمُ بِمَا

فِیۡۤ اَنۡفُسِهِمۡ اِنِّیۡۤ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِیۡنَ﴾ [هود: ۳۱]

(اور میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اور نہ یہ کہ میں علم غیب رکھتا ہوں اور نہ یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں اور نہ یہ کہتا ہوں کہ تمہاری آنکھ میں جو حقیر ہیں اللہ ان کو کوئی خیر نہیں دیگا، اللہ زیادہ جانتا ہے اس کو جو ان کے دلوں میں ہے، اگر یہ کہوں تو میں ظالموں میں سے ہو جاؤں گا)

نیز قرآن میں ہمارے نبی حضرت سید الکائنات فخر موجودات محمد عربی فداہ ابی و امی ﷺ سے کہا گیا ہے کہ:

﴿قُلۡ لَّاۤ اَقُوۡلُ لَكُمۡ عِنۡدِیۡ خَزَآئِنُ اللّٰهِ وَلَاۤ اَعۡلَمُ الۡغَیۡبَ وَلَاۤ اَقُوۡلُ لَكُمۡ اِنِّیۡ مَلَكٌ اِنۡ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا یُوۡحٰۤی اِلَیَّ قُلۡ هَلۡ یَسۡتَوِی الۡاَعۡمٰی وَالۡبَصِیۡرُ اَفَلَا تَتَفَكَّرُوۡنَ﴾ [الأنعام: ۵۰]

(آپ کہہ دیجئے کہ میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اور یہ کہ میں غیب جانتا ہوں اور نہ یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں، میں تو صرف میرے اوپر آنے والی وحی کا اتباع کرتا ہوں، آپ کہہ دیجئے کہ کیا اندھا اور آنکھ والا برابر ہو سکتے ہیں، کیا تم غور وفکر سے کام نہیں لیتے)

ان آیات میں حضرت نوح علیہ السلام اور حضرت محمد رسول اللہ ﷺ سے علم غیب کی نفی کی گئی ہے، اور ان حضرات پیغمبران کی زبانی کہا گیا ہے کہ میرا یہ دعوی ہی نہیں کہ میں علم غیب جانتا ہوں، جیسے یہ بھی میں دعوی نہیں کرتا کہ میرے پاس خزانے ہیں جو تم مانگو میں اس میں سے دیدوں، کیونکہ یہ سب خدائی صفات ہیں جس میں کوئی اس کا شریک نہیں، اور اگر میں یہ دعوی کروں تو ظالم ٹھہروں گا۔

ان کے علاوہ متعدد آیات میں غیر اللہ سے علم غیب کی مطلقاً نفی کی گئی ہے، ایک جگہ فرمایا:

﴿ وَعِندَهُ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَا إِلَّا هُوَ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَمَا تَسْقُطُ مِن وَرَقَةٍ إِلَّا يَعْلَمُهَا وَلَا حَبَّةٍ فِي ظُلُمَاتِ الْأَرْضِ وَلَا رَطْبٍ وَلَا يَابِسٍ إِلَّا فِي كِتَابٍ مُّبِينٍ ﴾ [الأنعام:٥٩]

(اوراسی کے پاس غیب کی کنجیاں ہیں ان کواس کے علاوہ کوئی نہیں جانتا،اوروہ جانتا ہے جوکچھ خشکی میں ہےاورتری میں ہے،اورنہیں گرتا کوئی پتہ مگروہ اس کوجانتا ہے اورنہیں گرتا ہے کوئی دانہ زمین کے اندھیروں میں اورنہیں ہے کوئی تر چیز اورخشک مگروہ کتاب مبین میں ہے۔)

﴿ قُل لَّا يَعْلَمُ مَن فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ الْغَيْبَ إِلَّا اللّٰهُ وَمَا يَشْعُرُونَ أَيَّانَ يُبْعَثُونَ ﴾ [النمل:٦٥]

(آپ کہہ دیجئے کہ سوائے اللہ کے کوئی بھی آسمانوں اورزمین کے رہنے والے ہیں غیب کاعلم نہیں رکھتے)

اس کے علاوہ قرآن میں اللہ تعالی ہی پرعالم الغیب کاکئی جگہ اطلاق کیا گیا ہے، دیکھئے: سورۂ انعام:۷۳،سورۂ توبہ:۹۴، و۱۰۵،سورۂ رعد:۹،سورۂ مومنون:۹۲،سورۂ سجدہ:۶،سورۂ سبا:۳سورۂ زمر:۴۶،سورۂ حشر:۲۲،سورۂ جمعہ:۸،سورۂ تغابن:۱۸،سورۂ جن:۲۶،ان سب مقامات پراللہ تعالی ہی کے لئے عالم الغیب کا اطلاق کیا گیا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ ہی کوعالم الغیب سمجھنا چاہئے۔

نیزقرآن میں متعدد مواقع پر یہ وضاحت ہے کہ آسمانوں اورزمین کاغیب صرف اللہ ہی کے لئے ہے،چنانچہ ارشاد ہے:

﴿ وَلِلّٰهِ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ ﴾ الهود:١٢٣، النحل:٧٧]اور ایک جگہ اس طرح فرمایا کہ:﴿ لَهُ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ ﴾ [الكهف:٢٦]

ان آیات میں ” لِلّٰهِ“ اور ” لَهُ“ کومقدم کرکے حصر کامفہوم ادا کیا گیا ہے،اوریہ

بتایا ہے کہ اللہ ہی کے لئے آسمانوں اور زمین کا علم غیب ہے، اس میں کوئی اور اس کا شریک وساجھی نہیں۔ حضرات مفسرین نے ان آیات میں یہی مفہوم ومطلب بیان کیا ہے۔

مفسر قرآن علامہ ابوالسعود فرماتے ہیں:

" وللّٰه تعالى خاصةً لا لأحدٍ غيره استقلا لًا ولا اشتراكاً غيبُ السمٰوات والأرض ، أي الأمور الغائبة عن علوم المخلوقين قاطبةً" (یعنی اللہ ہی کے لئے ہے خاص طور پر، اس کے سوا کسی کے لئے نہیں، نہ مستقل طور پر اور نہ مشترک طور پر، آسمانوں اور زمین کے غیب کا علم، یعنی ان امور کا علم جو تمام مخلوق سے پوشیدہ ہے)۔(۱)

امام فخرالدین رازی مشہور مفسر قرآن اپنی تفسیر کبیر میں لکھتے ہیں:

" قوله تعالى: ولله غيب السمٰوات والأرض يفيد الحصر ، معناه: أن العلم بهذه الغيوب ليس إلا للّٰه تعالى "(اللہ کا یہ قول :ولله غيب السمٰوات والأرض " حصر کا فائدہ دیتا ہے مطلب یہ ہے کہ ان غیب کی باتوں کا علم صرف اللہ کو ہے کسی اور کو نہیں)۔(۲)

قرآن پاک کے ساتھ احادیث رسول بھی صاف وواضح الفاظ میں اس کا اعلان کرتی ہیں کہ علم غیب صرف اللہ کو ہے، کسی اور کو اس میں کوئی حصہ نہیں۔ حضرت جبریل نے جب آپ ﷺ سے یہ پوچھا تھا کہ متى الساعة ؟(کہ قیامت کب آئے گی؟) تو آپ ﷺ نے اس کے جواب میں یہ فرمایا کہ: " ما المسئول عنها بأعلم من السائل" (سوال کرنے والے سے زیادہ سوال کئے جانے والا نہیں جانتا)(۳)

الغرض نبی ہو یا فرشتہ یا ولی کوئی بھی علم غیب کا مالک وعالم نہیں، الا یہ کہ خود حق

(۱)تفسیر ابو السعود: ۲/۳۵۷ (۲)تفسیر کبیر: ۳۳۹/۵ (۳)مسلم: ۱۰، ابوداؤد: ۴۶۹۵ ، نسائی: ۴۹۹۰، ابن ماجہ: ۶۳، احمد: ۳۶۷

تعالیٰ کسی کو کوئی بات غیب کی بتانا چاہیں تو وہ جس قدر بتائیں اتنی بات دوسروں کو معلوم ہوگی ورنہ کوئی سبیل نہیں کہ غیب کی بات کوئی جان لے۔ قرآن پاک میں ہے:

﴿ عَالِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلَى غَيْبِهِ أَحَداً ، إِلَّا مَنِ ارْتَضَى مِن رَّسُولٍ فَإِنَّهُ يَسْلُكُ مِن بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهِ رَصَداً ﴾ [الجن:۲۶-۲۸]

(وہ عالم الغیب ہے پس اپنے غیب پر کسی کو مطلع نہیں کرتا مگر اپنے پسندیدہ رسول کو، تو وہ اس کے آگے اور پیچھے چوکیدار کو چلاتا ہے)

معلوم ہوا کہ اللہ جس کو چاہتا ہے اور جتنا چاہتا ہے اس کو اس قدر علم غیب عطاء فرما دیتا ہے، اس کے سوا کوئی کسی ذریعہ سے غیب پر مطلع نہیں ہوسکتا۔

غیر اللہ سے مختار کل و مشکل کشا ہونے کی نفی:

توحید کے عقیدے کی تشریح میں یہ بات گزر چکی ہے کہ اللہ ہی مختار کل ہے، اس لئے اپنی تمام حاجات و ضروریات میں اس کو مشکل کشا و حاجت روا جان کر اسی سے مانگنا چاہیے، کسی اور کے سامنے اپنی حاجات کو پیش کرنا اور ان کو مشکل کشا و حاجت روا سمجھنا جائز نہیں، بلکہ شرک ہے، لہٰذا اس عقیدے کی حفاظت کے لئے ضروری تھا کہ غیر اللہ کا محتاج و مجبور ہونا بیان کیا جائے اور ان سے مختار کل و مشکل کشا و حاجت روا ہونے کی نفی کی جائے۔

چنانچہ اسلام نے پوری صفائی کے ساتھ اس کو ذکر کیا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرات انبیاء میں ایک بہت اونچے مقام کے حامل ہیں اور ابو الانبیاء کہلاتے ہیں ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے بتایا کہ انہوں نے اپنے باپ سے کہا کہ:

﴿ لَأَسْتَغْفِرَنَّ لَكَ وَمَا أَمْلِكُ لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِن شَيْءٍ رَّبَّنَا عَلَيْكَ تَوَكَّلْنَا وَإِلَيْكَ أَنَبْنَا وَإِلَيْكَ الْمَصِيرُ ﴾ [الممتحنة:٤]

(میں تمہارے لئے اللہ سے ضرور استغفار کروں گا، اور میں اللہ کے پاس

تمہارے نفع کا کچھ بھی اختیار نہیں رکھتا)

اس میں بتایا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام جیسے پیغمبر نے بھی اپنے باپ کے بارے میں یہ کہہ دیا کہ میں کوئی اختیار نہیں رکھتا کہ جو چاہوں کروں، ہاں اللہ تعالی سے تمہارے حق میں استغفار کرنا یہ کام ضرور کرسکتا ہوں۔

اور حضرت محمد عربی ﷺ سے اللہ تعالی نے فرمایا کہ آپ یہ سنا دیجئے:

﴿ قُلْ لَّآ أَمْلِكُ لِنَفْسِيْ نَفْعاً وَلَا ضَرّاً إِلَّا مَا شَاءَ اللّٰهُ وَلَوْ كُنْتُ أَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ وَمَا مَسَّنِيَ السُّوءُ إِنْ أَنَا إِلَّا نَذِيْرٌ وَبَشِيْرٌ لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُوْنَ ﴾ [الأعراف:۱۸۸]

(آپ کہہ دیجئے کہ میں نفع کا کوئی اختیار نہیں رکھتا اور نہ نقصان کا، مگر جو اللہ چاہے، اور اگر میں غیب کا علم رکھتا تو بہت سا خیر جمع کر لیتا اور مجھے کبھی نقصان دہ بات نہ پہنچتی، میں تو کچھ نہیں ہوں سوائے اس کے کہ میں ایمان والوں کے لئے نذیر و بشیر ہوں)

اس آیت پر ذرا بھی توجہ دی جائے تو یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اللہ نے نبیوں کو اختیار نہیں دے دیا ہے کہ جو چاہیں کریں، حتی کہ خود سب سے بڑے پیغمبر حضرت محمد ﷺ کو بھی اس کا اختیار نہیں دیا، بلکہ آپ کی زبانی اس کا انکار کرایا گیا ہے۔

ایک اور موقعہ پر آپ کی زبان مبارک سے اس طرح کہلوایا گیا ہے:

﴿ قُلْ إِنِّيْ لَا أَمْلِكُ لَكُمْ ضَرّاً وَلَا رَشَداً ، قُلْ إِنِّيْ لَنْ يُجِيْرَنِيْ مِنَ اللّٰهِ أَحَدٌ وَلَنْ أَجِدَ مِنْ دُوْنِهِ مُلْتَحَداً ﴾ [الجن:۲۱-۲۲]

(آپ کہہ دیجئے کہ میں تمہارے کسی نقصان کا اختیار نہیں رکھتا اور نہ تمہاری ہدایت کا مالک ہوں، آپ کہہ دیجئے کہ مجھے اللہ سے کوئی بچا نہیں سکتا، اور نہ میں اللہ کے سوا کوئی پناہ پاسکوں گا)

یہ ساری آیات ببانگ دہل اعلان کررہی ہیں کہ اللہ نے نفع ونقصان کا مالک کسی کونہیں بنایا، سارے انبیاء واولیاء بھی اسی اللہ کے محتاج بندے ہیں، جب ان کو کوئی ضرورت پڑتی تو وہ اللہ تعالی ہی کو پکارتے اور اسی سے اپنی حاجت وضرورت طلب کرتے تھے۔

قرآن میں متعدد حضرات انبیاء کا تذکرہ کیا گیا ہے اوراس میں ان کے اس قسم کے واقعات کوبھی بڑی اہمیت سے اجاگر کیا گیا ہے کہ ان کے ضروریات وحاجات میں انہوں نے اپنے پروردگار کو پکارا۔

مثلاً حضرت ایوب علیہ السلام جن کو اللہ تعالی نے ایک بیماری میں مبتلا کر دیا تھا، ان کے بارے میں اللہ تعالی کہتے ہیں:

﴿ وَأَيُّوبَ إِذْ نَادَى رَبَّهُ أَنِّي مَسَّنِيَ الضُّرُّ وَأَنتَ أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ، فَاسْتَجَبْنَا لَهُ فَكَشَفْنَا مَا بِهِ مِن ضُرٍّ وَآتَيْنَاهُ أَهْلَهُ وَمِثْلَهُم مَّعَهُمْ رَحْمَةً مِّنْ عِندِنَا وَذِكْرَى لِلْعَابِدِينَ ﴾[الانبیاء:۸۳-۸۴]

(اورایوب کو یاد کرو جبکہ انہوں نے اپنے رب کو پکارا کہ مجھے تکلیف پہنچی ہے اور آپ ارحم الراحمین ہیں، تو ہم نے ان کی سن لی، پس ہم نے اس تکلیف کو ان سے دور کردیا، اورانہیں ہم نے ان کے اہل بھی عطاء کردئے اور اسی کے ساتھ اسی کے مثل اور بھی دئے، اپنی خاص رحمت سے اور عبادت گزاروں کے لئے نصیحت کے طور پر)

اور لیجئے، حضرت یونس علیہ السلام جب اللہ کے حکم سے مچھلی کے پیٹ میں رکھ دئے گئے اور وہاں وہ پریشان ہوئے تو مچھلی کے پیٹ کی اور سمندر کی تاریکیوں اور اندھیریوں میں اللہ کو اپنی پریشانی ومصیبت میں پکارا، اللہ نے اس کا ذکر کیا ہے:

﴿ وَذَا النُّونِ إِذ ذَّهَبَ مُغَاضِباً فَظَنَّ أَن لَّن نَّقْدِرَ عَلَيْهِ فَنَادَى فِي الظُّلُمَاتِ أَن لَّا إِلَهَ إِلَّا أَنتَ سُبْحَانَكَ إِنِّي كُنتُ مِنَ الظَّالِمِينَ، فَاسْتَجَبْنَا

لَهُ وَنَجَّيْنَاهُ مِنَ الْغَمِّ وَكَذَلِكَ نُنجِي الْمُؤْمِنِينَ﴾ [الانبیاء:۸۷-۸۸]

(اور مچھلی والے کو یاد کرو جب وہ غصہ میں نکل پڑے اور یہ خیال کیا کہ ہم ان پر کوئی داروگیر نہیں کریں گے، پس انہوں نے اندھیریوں میں پکارا کہ آپ کے سوا کوئی معبود نہیں، آپ پاک ہیں، بلاشبہ میں ہی ظالموں میں سے ہوں، پس ہم نے ان کی سن لی اور ان کو غم سے نجات دی، ہم اسی طرح مومنوں کو نجات دیتے ہیں)

اسی طرح جب کفار ومشرکین کی جانب سے وہ پریشان ہوئے اور ان کو ہلاک کرنا چاہا تو ان کو خود کوئی اس کا اختیار نہیں تھا، لہٰذا وہاں بھی اللہ تعالیٰ ہی کو پکارا۔ حضرت سیدنا نوح علیہ السلام کے ذکر میں آیا ہے:

﴿وَنُوحاً إِذْ نَادَى مِن قَبْلُ فَاسْتَجَبْنَا لَهُ فَنَجَّيْنَاهُ وَأَهْلَهُ مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيمِ ، وَنَصَرْنَاهُ مِنَ الْقَوْمِ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا إِنَّهُمْ كَانُوا قَوْمَ سَوْءٍ فَأَغْرَقْنَاهُمْ أَجْمَعِينَ﴾ [الانبیاء:۷۶-۷۷]

(اور نوح کو جبکہ انہوں نے اس سے پہلے پکارا تو ہم نے ان کی سن لی، پس ہم نے بڑی مصیبت سے ان کو اور ان کے ماننے والوں کو نجات دی، اور ان کو ان لوگوں سے جو ہماری آیات کو جھٹلانے والے تھے نجات دی، کیونکہ وہ بری قوم تھی، لہٰذا ہم نے ان سب کو غرق کر دیا)

حضرت نوح کی یہ پکار ان کی قوم کے کفار ومشرکین سے تنگ آ کر ان کی ہلاکت کے لئے تھی، جب اللہ سے انہوں نے ان کے حق میں بددعاء کی تو اللہ نے اس کو قبول کیا اور ان کفار کو طوفان میں ہلاک کیا۔

اسی طرح حضرت زکریا علیہ السلام کو بڑھاپے کی عمر تک کوئی اولاد نہیں ہوئی، تو بڑھاپے میں اللہ کو اولاد کے لئے پکارا، اور اللہ تعالیٰ نے ان کی دعاء قبول کی اور اولاد عطاء فرمائی، اللہ تعالے نے اس کا ذکر کیا ہے:

﴿ وَزَكَرِيَّا إِذْ نَادَى رَبَّهُ رَبِّ لَا تَذَرْنِي فَرْداً وَأَنتَ خَيْرُ الْوَارِثِينَ ، فَاسْتَجَبْنَا لَهُ وَوَهَبْنَا لَهُ يَحْيَى وَأَصْلَحْنَا لَهُ زَوْجَهُ إِنَّهُمْ كَانُوا يُسَارِعُونَ فِي الْخَيْرَاتِ وَيَدْعُونَنَا رَغَباً وَرَهَباً وَكَانُوا لَنَا خَاشِعِينَ ﴾ [الانبیاء: ۸۹- ۹۰]

(اور یاد کرو حضرت زکریا کو، جبکہ انہوں نے اپنے رب کو پکارا کہ اے رب! مجھے آپ تنہا نہ چھوڑ دیجئے، اور آپ بہترین وارث ہیں، پس ہم نے ان کی سن لی اور ان کو یحیی عطاء کیا، اور ان کی زوجہ کو ان کے لئے ٹھیک کر دیا، بے شک یہ لوگ نیک کاموں میں جلدی کرتے تھے، اور ہمیں رغبت وخوف سے پکارتے تھے، اور وہ ہمارے سامنے عاجزی کرنے والے تھے)

مشہور صوفی بزرگ حضرت علی ہجویری لاہوری نے جب اپنے زمانے میں لوگوں کی یہ بے راہ روی دیکھی کہ اولیاء اللہ کی مزاروں پر لوگ حاجات طلب کرتے ہیں تو انہوں نے اپنی کتاب ''کشف المحجوب'' میں لکھا کہ:

''جس کو خدا کی راہ کا علم ہے وہ مخلوق کی راہ نہیں دیکھتا مخلوق سے حاجتیں طلب کرنا خدا کی معرفت سے دوری کا نشان ہے، بندہ کو اگر علم ہے کہ اللہ تعالی قاضی الحاجات ہے تو اپنے جیسی مخلوق سے کیوں سوال کرے کیونکہ مخلوق کا مخلوق سے مانگنا ایسا ہی ہے جیسے قیدی قیدی سے رہائی طلب کرے۔(۱)

معلوم ہوا کہ تمام انبیاء کا یہی عقیدہ وعمل تھا کہ اللہ ہی کو حاجت روا ومشکل کشا سمجھتے اور اسی کو پکارتے تھے، خواہ وہ پریشانی ومصیبت کا موقعہ ہو یا کوئی حاجت ومسئلہ در پیش ہو۔ قرآن کریم میں ان واقعات کو بیان کرنے اور ان کو اہمیت دینے سے مقصود یہی ہے کہ یہ بات آشکارا ہو جائے کہ اللہ وحدہ لاشریک کے سوا کوئی مختار کل، حاجت روا و مشکل کشا نہیں۔

---

(۱) کشف المحجوب: ۹۸

معجزہ وکرامت کیا ہے؟:

اسی عقیدۂ توحید کی حفاظت کا ایک پہلو یہ ہے کہ جب لوگوں کو حضرات انبیاء کے معجزات واولیاء اللہ کی کرامات سے یہ دھوکہ ہوسکتا تھا کہ یہ حضرات جو چاہے کر سکتے ہیں، ان میں مختارکل ہونے کی خاصیت ہے، حاجت روائی ومشکل کشائی ان کی صفت ہے، تو قرآن وحدیث میں اس مسئلہ کو بھی صاف کردیا گیا اور یہ بتادیا کہ یہ ان کے اختیار سے نہیں، بلکہ حق تعالی شانہ کے اختیار سے ہوتے ہیں، لہٰذا ان سے بھی دھوکہ نہ کھانا چاہئے۔

معجزہ وکرامت دراصل حق تعالی کا فعل ہوتا ہے اور نبی ورسول یا ولی وبزرگ محض اس کا آلۂ کار ہوتے ہیں، وہ ان کے اپنے اختیار وارادے سے نہیں ہوتا۔ قرآن نے حضرت نبی کریم ﷺ کے ایک معجزے کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے:

﴿ فَلَمْ تَقْتُلُوهُمْ وَلَـٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلَـٰكِنَّ اللّٰهَ رَمَى وَلِيُبْلِيَ الْمُؤْمِنِينَ مِنْهُ بَلَاءً حَسَناً إِنَّ اللّٰهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴾ [الانفال: ۱۷]

(پس تم نے ان کفار کو قتل نہیں کیا، بلکہ اللہ نے قتل کیا، اور آپ نے خاک کی مٹھی نہیں پھینکی تھی جب پھینکی تھی، بلکہ اللہ نے پھینکی تھی، اور تاکہ اللہ مومنین کو خود اجر دے، بے شک اللہ خوب سننے والے خوب جاننے والے ہیں)

اس میں جنگ بدر میں ہونے والے ایک معجزے کا ذکر ہے کہ اللہ کے نبی ﷺ نے جنگ کی شدت کے موقعہ پر ایک مٹھی مٹی لے کر کفار کی طرف **''شاہت الوجوہ''** کہکر پھینک دی اور وہ ایک مٹھی مٹی کفار کے ہر ہر فوجی کی آنکھ میں جا گری جس کی وجہ سے ان کی آنکھوں نے کام کرنا چھوڑ دیا اور ادھر مسلمانوں نے ایک دم ان پر

حملہ کر دیا اور مسلمانوں کو فتح و کامرانی مل گئی۔(۱)

حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی لکھتے ہیں: ''جب جنگ کی شدت ہوئی تو حضور علیہ السلام نے ایک مٹھی کنکریاں لشکر کفار کی طرف پھینکیں ، اور تین مرتبہ ''شاھت الوجوہ'' فرمایا، خدا کی قدرت سے کنکریوں کے ریزے ہر کافر کی آنکھ میں پہنچے، وہ سب آنکھیں ملنے لگے، ادھر سے مسلمانوں نے فوراً دھاوا بول دیا۔ آخر بہت سے کفار کھیت رہے۔ اسی کو فرماتے ہیں کہ گو بظاہر کنکریاں تم نے اپنے ہاتھ سے پھینکی تھیں لیکن کسی بشر کا یہ فعل عادۃً ایسا نہیں ہوسکتا کہ مٹھی بھر کنکریاں ہر سپاہی کی آنکھ میں پڑ کر ایک مسلح لشکر کی ہزیمت کا سبب بن جائیں ، یہ صرف خدائی ہاتھ تھا جس نے مٹھی بھر سنگریزوں سے فوجوں کے منہ پھیر دئے ،تم بے سرو سامان قلیل التعداد مسلمانوں میں اتنی قدرت کہاں تھی کہ محض تمہارے زور بازو سے کافروں کے ایسے ایسے منڈ مارے جاتے ، یہ تو خدا ہی کی قدرت کا کرشمہ ہے۔(۲)

حضرت عیسی علیہ السلام کو اللہ تعالی نے احیاء موتی اور شفاء امراض اور خلق طیر کا معجزہ عطاء فرمایا تھا جس کا ذکر قرآن میں موجود ہے، لیکن جہاں اللہ تعالی نے ان کے ان معجزات کا ذکر کیا ہے وہاں یہ بھی بتایا ہے کہ یہ اللہ کے حکم سے سرزد ہوتے تھے۔ اللہ تعالی نے حضرت عیسی مسیح سے جو کہا تھا اس کا ذکر فرماتے ہیں کہ:

﴿وَإِذْ تَخْلُقُ مِنَ الطِّينِ كَهَيْئَةِ الطَّيْرِ بِإِذْنِي فَتَنفُخُ فِيهَا فَتَكُونُ طَيْرًا بِإِذْنِي وَتُبْرِءُ الْأَكْمَهَ وَالْأَبْرَصَ بِإِذْنِي وَإِذْ تُخْرِجُ الْمَوتَى بِإِذْنِي﴾ [آل عمران:۴۹]

(اور جبکہ تو مٹی سے پرندے کی صورت بناتا پھر اس میں پھونکتا، تو وہ میرے حکم سے پرندہ بن جاتا، اور تو میرے حکم سے اندھوں اور کوڑھی کو اچھا کر دیتا، اور جب کہ تو

(۱) دیکھو تفسیر طبری: ۲۰۲/۶، ابن کثیر: ۳۹۱/۲، تفسیر قرطبی: ۳۳/۷ (۲) تفسیر عثمانی: ۲۳۷

میرے حکم سے مردوں کو زندہ کرتا)

اس آیت میں ہر ہر معجزے کے ساتھ اس بات کا ذکر کیا گیا ہے کہ وہ اللہ کے حکم سے تھا، تا کہ کسی کو کوئی غلط فہمی نہ ہو جائے اور وہ اس خالص خدائی فعل کو انسانی فعل سمجھ جائے۔

اسی طرح حضرت سلیمان علیہ السلام کے ایک وزیر جن کا نام بعض نے اصف بن برخیا لکھا ہے ان کی ایک کرامت کا ذکر قرآن میں آیا ہے، وہ یہ کہ ملکۂ سبا بلقیس کے عظیم تخت کو حضرت سلیمان نے ملک یمن سے منگوانا چاہا تو اپنے پاس کے لوگوں میں فرمایا کہ کون میرے پاس اس کا تخت اس کے یہاں آنے سے پہلے لائے گا؟ ایک عفریت جن نے کہا کہ میں آپ کی مجلس کے برخاست ہونے سے پہلے اس کو یہاں حاضر کردوں گا۔ حضرت سلیمان کے وزیر جو ایک ذی علم آدمی تھے انہوں نے کہا میں آپ کی پلک جھپکنے کی دیر اس کو حاضر کردوں گا۔ چنانچہ انہوں نے اس کو اسی طرح حاضر کردیا۔ جب انہوں نے اس کو حاضر کردیا تو حضرت سلیمان علیہ السلام نے کہا کہ ”هٰذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّي لِيَبْلُوَنِي أَأَشْكُرُ أَمْ أَكْفُرُ“ (کہ یہ میرے رب کا فضل ہے تا کہ وہ آزمائے کہ میں شکر کرتا ہوں یا ناشکری)[سورۂ نمل:۳۸-۴۰]

حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی لکھتے ہیں: ”معلوم ہوا کہ اعجاز و کرامت فی الحقیقت خداوند قدیر کا فعل ہے جو نبی یا ولی کے ہاتھ پر خلاف معمول ظاہر کیا جاتا ہے، پس جس کی قدرت سے سورج یا زمین کا کرہ ایک لمحہ میں ہزاروں میل کی مسافت طے کر لیتا ہے اسے کیا مشکل ہے کہ تخت بلقیس کو پلک جھپکنے میں ”مآرب“ سے ”شام“ پہنچادے حالانکہ تخت بلقیس کو سورج اور زمین سے ذرہ اور پہاڑ کی نسبت ہے۔(۱)

نیز قرآن صاف بتاتا ہے کہ نبی کے اختیار سے معجزہ کا ظہور نہیں ہوتا، اسی لئے

---

(۱) تفسیر عثمانی:۵۰۶

ایک آیت میں فرمایا گیا ہے کہ:

﴿مَا كَانَ لِرَسُوْلٍ أَنْ يَّاْتِيَ بِاٰيَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ﴾ [الرعد:۳۸]

(کسی رسول کو قدرت نہیں کہ وہ کوئی معجزہ لائے مگر اللہ کے حکم سے)

اس آیت کی تفسیر میں مفسرین نے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس میں یہ فرماتے ہیں کہ کوئی رسول جس کو اللہ نے مخلوق کی طرف بھیجا اس کو اس بات کی قدرت نہیں کہ وہ اپنی امت کے پاس کوئی معجزہ لائے جیسے پہاڑوں کو چلانے، شہر کو ایک مقام سے دوسرے مقام کی طرف منتقل کرنے، اور مردوں کو زندہ کرنے وغیرہ کی کوئی قدرت مگر اللہ کے حکم سے۔(۱)

ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ نے اس بات کا ذکر کیا ہے کہ کفار نے اپنے اپنے رسولوں سے مخصوص معجزات کا مطالبہ کیا تو اس کے جواب میں رسولوں کو حکم دیا گیا کہ وہ بتادیں:

﴿اِنْ نَّحْنُ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَمُنُّ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَمَا كَانَ لَنَا اَنْ نَّاْتِيَكُمْ بِسُلْطٰنٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ـ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ﴾

[ابراهيم: ۱۱]

(ہم نہیں ہیں مگر تم جیسے ہی بشر لیکن اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہے احسان فرماتا ہے اور ہمیں کوئی قدرت نہیں کہ ہم تمہارے پاس کوئی معجزہ لائیں مگر اللہ کے حکم سے اور اللہ ہی پر مومنوں کو بھروسہ کرنا چاہئے)۔

متعدد مفسرین نے اس آیت کی تشریح میں لکھا ہے کہ کفار نے رسولوں سے مطالبہ کیا کہ ہماری پسند کا معجزہ دکھاؤ اس پر رسولوں نے جواب میں کہا کہ ''ہم تم جیسے بشر ہیں یہ صحیح ہے لیکن اللہ جس پر چاہتے ہیں نبوت اور رسالت دے کر احسان

(۱) طبری: ۳۹۸/۷، ابن کثیر: ۶۸۳/۲

فرماتے ہیں اور ہم کو کوئی قدرت نہیں کہ تمہارا من پسند معجزہ دکھائیں مگر اللہ کے حکم اور اجازت سے"۔(۱)

اور علماء اسلام نے بھی وضاحت کی ہے کہ معجزہ وہی ہے جو درحقیقت اللہ کا فعل ہو، کیونکہ معجزہ نبی کی نبوت کی تصدیق کے لئے اللہ تعالی ظاہر فرماتے ہیں، لہٰذا جب تصدیق اللہ کو کرنی ہے تو وہ فعل بھی اللہ کا ہونا چاہئے، اور اگر وہ اللہ کا فعل نہ ہو تو اس سے نبی کی تصدیق ہی نہیں ہوتی کیونکہ اس کا دعوی ہی یہ ہے کہ وہ اللہ کا نبی ہے لہٰذا اگر اللہ اس کی تصدیق ایسے کام سے نہ کرے جو ساری دنیا کو عاجز کردے تو اس سے اس کے اس دعوے کی تصدیق کیونکر ہوگی۔(۲)

امام الحرمین الجوینی نے اپنی کتاب لاجواب" لمع الادلة فی قواعد اهل السنة والجماعة" میں معجزے کی تعریف اس طرح کی ہے:" وهي أفعال الله تعالى الخارقة للعادة المستمرة، وظاهرها على حسب دعوى النبوة هو تحديه و يعجز عن الإتيان بأمثالها الذين يتحداهم النبي"(معجزات اللہ کے وہ افعال ہیں جو عادت مستمرہ کے خلاف ہوتے ہیں، اور ان کا ظاہر دعوائے نبوت پر اس کی جانب سے ایک چیلنج ہے، اور نبی جن کو چیلنج دیتا ہے وہ لوگ اس جیسے کام سے عاجز ہوتے ہیں)۔(۳)

الغرض اسلام نے اس بات کی بھرپور کوشش کی ہے کہ توحید خداوندی میں کوئی خلل وخرابی نہ پیدا ہو اور وہ بالکل ہر شبہ واشتباہ سے صاف و پاک رہے۔

غیر اللہ کی قسم کھانا ممنوع ہے:

اسی سلسلہ کی ایک اہم تعلیم یہ ہے کہ اللہ کے علاوہ کسی اور کی قسم نہ کھائی جائے،

---

(۱) ابن کثیر: ۲/۶۹۱، قرطبی: ۹/۲۹۵ (۲) غاية المرام للآمدی: ۱/۳۲۸، شرح مواقف: ۳/۳۴۲

(۳) لمع الادلة: ۱۲۴

اس سلسلہ میں متعدد احادیث ہیں ۔حضرت عبد اللہ بن عمر سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: من كان حالفا فليحلف بالله أو ليصمت "(جو قسم کھانا چاہے تو وہ اللہ کی قسم کھائے یا خاموش رہے)(۱)

حضرت عبد اللہ بن عمر سے روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک بار اپنے باپ کی قسم کھائی تو اللہ کے نبی ﷺ نے ان کو آواز دی اور فرمایا کہ " إن الله ينهاكم أن تحلفوا بآبائكم ، من كان حالفا فليحلف بالله أو ليصمت" (بے شک اللہ تعالی تم کو منع کرتا ہے کہ تم اپنے باپوں کی قسم کھاؤ، جو قسم کھانا چاہے تو وہ اللہ کی قسم کھائے یا خاموش رہے)(۲)

حضرت عبد اللہ بن عمر سے روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کے پاس کسی بات پر کہا کہ " لا وأبي " (میرے باپ کی قسم) تو آپ نے ان کو اس سے منع کیا اور فرمایا کہ من حلف بغير الله فقد أشرك "(تم اپنے باپوں کی قسم نہ کھاؤ، جس نے اللہ کے سوا کسی اور کی قسم کھائی اس نے اللہ کے ساتھ شرک کیا)(۳)

اور حضرت ابن عمر ہی سے ایک روایت میں آیا کہ ان کے سامنے کسی شخص نے کہا "لا والكعبة " (کعبہ کی قسم) تو انہوں نے کہا میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ آپ نے فرمایا کہ " مَنْ حَلَفَ بِغَيْرِ اللّٰهِ فَقَدْ أَشْرَكَ " (جس نے اللہ کے سوا کسی اور کی قسم کھائی اس نے اللہ کے ساتھ شرک کیا)(۴)

ان احادیث میں جو صحیح سندوں سے ثابت ہیں غیر اللہ کی قسم کھانے کو شرک سے تعبیر کیا گیا ہے، معلوم ہوا کہ غیر اللہ خواہ وہ نبی ہو یا ولی یا باپ ہو یا پیر و شیخ ہو کسی کی بھی

(۱) بخاری: ۲۵۳۳، مسلم: ۱۶۴۶، نسائی: ۳۷۶۴ (۲) بخاری: ۵۷۵۷، مسلم: ۱۶۴۶، ابو داؤد: ۳۲۴۹، احمد: ۴۵۹۳، صحیح ابن حبان: ۲۰۱/۱۰ (۳) مسند احمد: ۳۲۹، مستدرک: ۱۱۷/۱ (۴) ابوداؤد: ۳۲۵۱، صحیح ابن حبان: ۱۹۹/۱۰

قسم نہیں کھائی جاسکتی۔

شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ فرماتے ہیں کہ:

''تمام مسلمانوں کا اتفاق ہے کہ جو کسی قابل احترام مخلوق کی یا جس کی عظمت و حرمت کا وہ قائل ہے جیسے عرش، کرسی، کعبہ، مسجد حرام، مسجد اقصی، مسجد نبوی، ملائکہ، نیک لوگ، وغیرہ کی قسم کھائے اس کی قسم منعقد نہیں ہوتی، اور اس قسم میں کفارہ ہے، اور مخلوقات کی قسم کھانا جمہور علماء کے نزدیک حرام ہے، اور امام ابوحنیفہ کا یہی مذہب ہے، اور امام شافعی کا ایک قول یہی ہے اور اس پر صحابہ کا اجماع نقل کیا گیا ہے۔(۱)

ایک دوسرے موقعہ پر لکھتے ہیں:

''اور اللہ کے علاوہ دوسری چیزوں کی قسم جیسے فرشتوں کی، انبیاء کی، مشائخ کی، بادشاہوں وغیرہ کی تو وہ باتفاق ائمہ ممنوع ہے اور منعقد نہیں ہوتی، اور علماء نے سوائے رسول اللہ ﷺ کی قسم کے دوسری چیزوں کی قسم کھانے میں کوئی اختلاف نہیں کیا، اور اس میں بھی جمہور علماء اس پر ہیں کہ خواہ رسول اللہ ﷺ کی قسم کھائی جائے یا کسی اور کی وہ منعقد نہیں ہوتی، کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ: ''جو قسم کھائے تو وہ اللہ کی قسم کھائے یا خاموش رہے'' نیز فرمایا کہ: ''جس نے اللہ کے علاوہ کسی اور کی قسم کھائی اس نے شرک کیا''، لہٰذا جس نے اپنے شیخ کی یا اس کی تربت کی، یا اس کی حیات کی، یا اس کے اللہ پر حق کی، یا بادشاہوں کی، یا سلطان کی نعمت کی، یا تلوار کی، یا کعبہ کی، یا اپنے باپ کی یا باپ کی تربت کی یا اس جیسی قسم کھائے گا تو وہ باتفاقِ مسلمین ممنوع ہے اور منعقد نہیں ہوتی۔(۲)

زمانے سے کچھ نہیں ہوتا:

اسی تعلیم کا ایک جزء یہ ہے کہ اسلام نے یہ بتایا ہے کہ زمانہ سے کچھ اچھائی یا برائی متعلق نہیں، بلکہ وہ سب اللہ کی مشیت وارادے سے متعلق ہے، اسی لئے حدیث قدسی

(۱) مجموعۃ الفتاوی: ۲۰۴/۱ (۲) مجموعۃ الفتاوی: ۵۰۶/۱۱

میں آتا ہے کہ اللہ تعالی نے فرمایا کہ : " يؤذيني ابن آدم ، يسبّ الدهر وأنا الدهر، بيدي الأمر ، أقلب الليل والنهار "(ابن آدم مجھے ایذاء دیتا ہے، کہ زمانے کو برا بھلا کہتا ہے، حالانکہ زمانہ تو میں خود ہوں، میرے ہی ہاتھ میں معاملہ ہے، میں ہی دن ورات کو الٹ پلٹ کرتا ہوں)(۱)

ایک حدیث میں اس طرح آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالی نے فرمایا کہ ابن آدم مجھے ایذاء دیتا ہے یوں کہتا ہے کہ :" **يا خيبةَ الدهر** "(ہائے زمانہ کا خسارہ) تم میں سے کوئی اس طرح نہ کہے، کیونکہ میں خودتو زمانہ ہوں، رات اور دن کو الٹتا پلٹتا رہتا ہوں، جب چاہتا ہوں ان کو پکڑ لیتا ہوں۔ (۲)

اس سے معلوم ہوا کہ جو لوگ زمانے سے اچھائی یا برائی منسوب کرتے ہیں وہ اللہ کی وحدانیت پر پورا یقین نہیں رکھتے اور اللہ کے علاوہ بھی کسی چیز کو اچھائی یا برائی نفع یا نقصان دینے والا خیال کرتے ہیں، حالانکہ یہ خیال باطل محض ہے۔

اس حدیث میں جو یہ فرمایا کہ اللہ تعالی کہتے ہیں کہ "زمانہ تو میں خود ہوں" اس کا مطلب یہ ہے کہ زمانے کو بنانے والا اور اس کو چلانے والا اور اس میں اچھے و برے کام، نفع ونقصان کے حالات وواقعات یہ سب میرے اختیار و قبضے میں ہیں، کسی کے اختیار و قبضے میں نہیں، لہٰذا زمانہ خود کچھ نہیں کر سکتا، جب تک اللہ کوئی فیصلہ وحکم صادر نہ فرمائیں۔

چاند وسورج وستاروں میں کوئی طاقت نہیں:

زمانۂ جاہلیت میں لوگ سورج گرہن یا چاند گرہن ہوتا تو سمجھتے تھے کہ کسی بڑے آدمی کے مرجانے سے یا کسی کے پیدا ہونے سے ہوتا ہے، گویا موت وحیات سے

(۱) بخاری:۴۵۴۹، مسلم:۶۰۰۰۲۲۴۶، احمد:۷۲۴۴، مستدرک:۴۹۱/۲، معجم الاوسط:۳۵۴/۸

(۲) مسلم:۲۲۴۶، احمد:۷۵۵۹، مستدرک:۴۹۲/۲، الادب المفرد:۲۶۹/۱

سورج و چاند گرہن کو جوڑ تے تھے ، اس پر رسول اللہ ﷺ نے اس خیال کی تردید کی، چنانچہ حدیث میں حضرت عبداللہ بن عمر سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ:

" إن الشمس والقمر لا يخسفان لموت أحد ولا حياته ، ولكنهما آيتان من آيات الله ، فإذا رأيتموهما فصلوا" (سورج و چاند گرہن نہ کسی کی موت کی وجہ سے ہوتے ہیں نہ کسی کی حیات کی وجہ سے، بلکہ یہ دونوں اللہ کی نشانیوں میں سے دو نشانیاں ہیں، لہٰذا جب یہ دیکھو تو نماز پڑھو)(۱)

ایک روایت میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے دور میں ایک بار سورج گرہن ہوا تو آپ نے لوگوں کو نماز پڑھائی اور طویل قیام و رکوع و سجود کیا اور پھر خطبہ دیا، اور اس میں فرمایا کہ سورج گرہن اور چاند گرہن اللہ کی نشانیوں میں سے دو نشانیاں ہیں، یہ نہ کسی کی موت کی وجہ سے ہوتے ہیں اور نہ کسی کی زندگی کی وجہ سے ہوتے ہیں، لہٰذا جب تم ان کو دیکھو تو اللہ کو پکارو، اور اس کی بڑائی بیان کرو اور نماز پڑھو اور صدقہ دو۔(۲)

ایک روایت میں یہ ہے کہ سورج گرہن ہوا تو اس دن آپ ﷺ کے فرزند حضرت ابراہیم کا انتقال ہوا، لوگوں نے کہا کہ اسی کی وجہ سے یہ سورج گرہن ہوا ہے، تو آپ نے اس کی تردید میں یہ فرمایا۔(۳)

حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے ایک طویل حدیث میں مروی کہ ایک اور موقعہ پر جب سورج گرہن ہوا تو آپ نے خطبہ دیا اور لوگوں سے فرمایا کہ: " أما بعد ، فإن رجالًا يزعمون : إن كسوف هذه الشمس وكسوف هذا القمر و زوال هذه النجوم عن مطالعها لموت رجال عظماء من أهل الأرض ، و

(۱) بخاری: ۹۹۵، مسلم: ۹۱۴ (۲) بخاری: ۹۹۷، مسلم: ۹۰۱، ابو داؤد: ۱۱۷۷ (۳) بخاری: ۱۰۱۱، مسند احمد: ۱۷۲۴۳، صحیح ابن حبان: ۷/۶۷، صحیح ابن خزیمہ: ۲/۳۲۸، سنن کبری نسائی: ۱/۵۶۷

أنهم قد كذبوا ، ولكنها آيات الله تعالى يعتبر بها عباده ، فينظر من يحدث له منهم توبة "(اما بعد: بے شک کچھ لوگ گمان کرتے ہیں کہ یہ سورج گرہن اور یہ چاند گرہن اور یہ ستاروں کا اپنے مطلع سے زائل ہونا زمین والوں میں سے بڑے لوگوں کی موت سے ہوتا ہے اور بے شک ان لوگوں نے جھوٹ کہا ہے، ہاں لیکن یہ اللہ کی نشانیاں ہیں جن سے وہ اپنے بندوں کو عبرت دیتا ہے، یہ دیکھنے کے لئے کہ ان میں سے کون اللہ کے لئے توبہ کرتا ہے)(۱)

ایک حدیث میں ہے کہ ایک انصاری صحابی کہتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک ستارہ گرا اور چمکا، رسول اللہ ﷺ نے پوچھا کہ تم لوگ جاہلیت میں اس کے بارے میں کیا کہتے تھے، صحابہ نے عرض کیا کہ ہم یہ کہا کرتے تھے کہ آج رات کوئی بڑا آدمی پیدا ہوا ہے یا کوئی بڑا آدمی مرا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ یہ نہ کسی کی موت سے ہوتا ہے، نہ کسی کی حیات سے ہوتا ہے، بلکہ ہمارا رب جب کوئی فیصلہ فرماتا ہے تو عرش کے فرشتے تسبیح بیان کرتے ہیں، الخ۔ (۲)

الغرض اس سے معلوم ہوا کہ سورج، چاند اور ستاروں کا کوئی عمل دخل کسی کی موت وحیات میں نہیں، بلکہ سب کچھ اللہ کی جانب سے ہوتا ہے، اور ان میں اللہ کی حکمتیں پوشیدہ ہوتی ہیں۔

ایک کی بیماری دوسرے کو لگتی نہیں:

اسلام کی تعلیم میں ایک یہ بھی ہے کہ جو کچھ اچھا یا برا ہوتا ہے وہ اللہ کی مشیت و تقدیر سے ہوتا ہے، کسی انسان اور کسی مخلوق کو بالذات اس میں کوئی دخل نہیں، اگر ہے تو

---

(۱) صحیح ابن خزیمہ: ۲/۳۲۵، صحیح ابن حبان: ۷/۱۰۱، مسند احمد: ۲۰۹۱۰، مستدرک: ۱/۴۷۸، معجم کبیر طبرانی: ۷/۱۹۱، سنن بیہقی: ۳/۳۳۹، مسند ابن الجعد: ۱/۳۸۹ (۲) صحیح ابن حبان: ۱۳/۴۹۹، مسند ابویعلی: ۱۳/۱۰۵، سنن کبری نسائی: ۶/۳۴۷، سنن بیہقی: ۸/۱۳۸

وہ محض کسب یا سبب ہونے کی حیثیت سے ہے۔ مگر زمانۂ جاہلیت کے لوگوں میں جہاں بہت سے غلط عقائد ونظریات قائم تھے وہیں ایک یہ عقیدہ بھی تھا کہ بعض بیماریاں متعدی ہوتی ہیں، اور وہ لوگ اللہ کے حکم ومشیت کی قید کے بغیر ان کے بارے میں یہ سمجھتے تھے کہ وہ ایک مریض سے دوسرے کی طرف منتقل ہوتی ہیں۔ لہٰذا اس کی اصلاح بھی لازم تھی، تو اللہ تعالیٰ قرآن میں اور اللہ کے نبی ﷺ نے احادیث میں اس کا ذکر کیا ہے۔

قرآن میں وارد ہوا ہے کہ:

﴿ قُل لَّن يُصِيبَنَا إِلَّا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَنَا هُوَ مَوْلَانَا وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ ﴾ [التوبة:۵۱]

(آپ کہہ دیجئے کہ ہمیں ہرگز نہیں پہنچے گا مگر وہی جو اللہ نے ہمارے لئے لکھ دیا ہے، اور مؤمنین کو اللہ ہی پر بھروسہ رکھنا چاہئے)

ایک اور جگہ خاص مصیبت کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے:

﴿ مَا أَصَابَ مِن مُّصِيبَةٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللّٰهِ وَمَن يُؤْمِن بِاللّٰهِ يَهْدِ قَلْبَهُ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴾ [التغابن:۱۱]

(نہیں پہنچتی کوئی مصیبت مگر اللہ کے حکم سے، اور جو کوئی اللہ پر ایمان رکھتا ہے اللہ اس کے دل کی رہنمائی کرتے ہیں، اور اللہ ہر چیز کو جاننے والے ہیں)

ان آیات میں اسی عقیدے کا بیان ہے کہ سب کچھ اللہ کی مشیت وارادے سے اور اس کی لکھی ہوئی تقدیر کی بنا پر واقع ہوتا ہے، کسی انسان میں یا کسی چیز میں بالذات کوئی طاقت نہیں کہ ہر حال میں وہ کوئی اثر دکھائے۔

اور نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ: "لَا عَدْوٰى وَلَا طِيَرَةَ وَلَا هَامَةَ وَلَا صَفَرَ، وَ فِرَّ مِنَ الْمَجْذُومِ كَمَا تَفِرُّ مِنَ الْأَسَدِ" (بیماری لگنے کا عقیدہ کوئی حقیقت نہیں

رکھتا، اور نہ بدفالی کوئی چیز ہے نہ ھامہ اور صفر کے بارے میں عقیدہ کوئی چیز ہے، ہاں جذامی سے ایسا بھاگ جیسے تو شیر سے بھاگتا ہے)(۱)

ایک روایت میں ہے کہ آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ:" لَا عَدْوٰی وَلَا ھَامَۃَ وَلَا نَوْءَ وَلَا صَفَرَ" (بیماری لگنے کا عقیدہ کوئی حقیقت نہیں رکھتا، اور نہ ھامہ اور صفر اور ستارہ کے بارے میں عقیدہ کوئی چیز ہے)۔(۲)

ایک اور روایت میں ہے کہ آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ لَا عَدْوٰی وَلَا طِیَرَۃَ وَلَا غُوْلَ" (بیماری لگنے کا عقیدہ کوئی حقیقت نہیں رکھتا، اور نہ بدفالی کوئی چیز ہے، نہ شیاطین کے بھٹکانے کے بارے میں عقیدہ کوئی چیز ہے)۔(۳)

ایک حدیث میں یہ ہے کہ " لَا عَدْوٰی وَلَا طِیَرَۃَ وَیعجبني الفأل ، الکلمة الحسنة و الکلمة الطیبة" (بیماری لگنے کا عقیدہ کوئی حقیقت نہیں رکھتا، اور نہ بدفالی کوئی چیز ہے، اور مجھے فال اچھا لگتا ہے، یعنی کوئی نیک اور اچھا کلمہ)۔(۴)

حضرت ابو ہریرہ سے ایک اور روایت میں ہے کہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ بیماری کا دوسرے کو لگنا کوئی چیز نہیں، اور ھامہ اور صفر کا عقیدہ بھی کوئی چیز نہیں، تو ایک دیہاتی نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! کیا خیال ہے ان اونٹوں کے بارے میں جو ریت میں رہتے ہیں، گویا کہ وہ ہرن ہیں (یعنی ہرن کی طرح ان کو کوئی بیماری ہی نہیں) پس ایک خارش زدہ اونٹ آتا ہے اور ان میں مل جاتا ہے تو وہ اونٹ بھی خارش کی بیماری میں مبتلا ہو جاتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ :" فَمَنْ أَعْدٰی الْأَوَّلَ " (پہلے اونٹ کو کس نے بیماری دی)۔(۵)

ان احادیث میں کل چھ الفاظ آئے ہیں: عدوی، طیرہ، صفر، غول، ھامہ اور نوء۔

(۱) بخاری:۵۳۸۰ (۲) مسلم:۲۲۲۰ (۳) مسلم:۲۲۲۲ (۴) مسلم:۲۲۲۴، مسند احمد:۱۳۶۵۸

(۵) بخاری:۵۳۷۸، مسلم:۲۲۲۰، مسند احمد:۷۶۰۹، صحیح ابن حبان:۱۳/۴۸۴

مناسب ہے کہ یہاں ان سب کی تشریح کردی جائے:

(۱) **لا عدویٰ**: بعض علماء نے کہا کہ عدوی کے معنے ''فساد وخرابی'' کے ہیں، اور بعض نے کہا کہ اس کے معنے ''علت و بیماری کے ایک سے دوسرے کی طرف تجاوز کرنے'' کے ہیں۔ (۱)

اور اللہ کے نبی ﷺ کے اس جملے کا معنے ہوا ''خرابی و بیماری کا ایک آدمی سے دوسرے کی جانب منتقل ہونے کا خیال کوئی چیز نہیں، یعنی صحیح نہیں ہے۔ علماء نے لکھا ہے کہ اس سے آپ کا مقصود زمانۂ جاہلیت کے لوگوں کے اس عقیدے کی تردید ہے کہ بیماری بالطبع و بالذات بغیر اللہ کے حکم و مشیت کے ایک سے دوسرے کی طرف تجاوز کرتی ہے۔ کیونکہ وہ یہی سمجھتے تھے کہ امراض ایک دوسرے کو لگتے ہیں اور بالذات و بالطبع لگتے ہیں۔ (۲)

اور بعض حضرات علماء نے کہا کہ یہ ان علماء طب اور سائنس کے نظریئے کی تردید ہے جو یہ کہتے ہیں کہ بیماریاں ایک دوسرے کو لگتی ہیں، اور یہ ان بیماریوں کا خاصہ و طبیعت ہے، آپ نے بتادیا کہ یہ نظریہ باطل ہے۔ (۳)

مگر اس پر ایک سوال و اشکال پیدا ہوتا ہے کہ خود نبی کریم ﷺ نے بعض اپنے ارشادات میں اور اسی طرح اپنے عمل سے یہ بتایا ہے کہ بعض بیماریاں متعدی ہوتی ہیں، مثلاً اوپر ایک حدیث میں آیا ہے کہ: ''وَ فِرَّ مِنَ الْمَجْذُوْمِ كَمَا تَفِرُّ مِنَ الْأَسَدِ'' (جذامی سے اس طرح بھاگو جیسے شیر سے بھاگتے ہیں)

اور ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: لَا یُوْرِدُ مُمْرِضٌ عَلٰی مُصِحٍّ'' (بیمار اونٹ والا صحیح اونٹ والے کے پاس اپنے اونٹوں کو پانی نہ پلائے) (۴)

---

(۱) مرقات: ۳/۹ (۲) شرح مسلم للنووی: ۲/۲۳۱، فتح الباری: ۲۴۱/۱۰، معارج: ۹۸۴/۳، فتح المجید: ۲۹۴/۱، تیسیر العزیز الحمید: ۳۷۳/۱ (۳) مرقات: ۳/۹، فیض القدیر: ۴۳۳/۶ (۴) مسلم: ۲۲۲۱، وللفظ لہ، بخاری: ۵۴۳۹، ابن ماجہ: ۳۵۴۱، احمد: ۹۶۱۰

اسی طرح ایک حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ: وفد بنو ثقیف میں ایک جذامی تھا اس نے آپ سے بیعت کی درخواست کی تو آپ نے اس کو براہ راست بیعت نہیں کیا، بلکہ یہ فرمایا کہ جاؤ ہم نے تمہیں بیعت کرلی۔(۱)

بظاہران احادیث میں تعارض معلوم ہوتا ہے، حالانکہ تمام احادیث صحیح ہیں، اس لئے یہ کہنا پڑے گا کہ ان احادیث میں حقیقی طور پر کوئی اختلاف وتعارض نہیں ہے۔ چنانچہ حضرات علماء نے اس سلسلہ میں بحث کی ہے اور بعض لوگ ان احادیث میں نسخ کے قائل ہوئے ہیں، اور بعض لوگ ان میں ترجیح کی طرف گئے ہیں، اور اکثر حضرات نے ان میں جمع وتطبیق کی راہ اختیار کی ہے۔(۲)

پھر جن حضرات نے جمع وتطبیق کو اختیار کیا ہے انہوں نے اس کی کئی صورتیں بیان کی ہیں:

(۱) ایک یہ کہ اللہ کے نبی ﷺ کا منشأ یہ ہے کہ بالذات بغیر اللہ کے منشأ وحکم کے کوئی بیماری متعدی نہیں ہوتی، جیسا کہ اہل جاہلیت سمجھتے تھے؛ کیونکہ سب امور اللہ کی مشیت وحکم کے تابع ہیں، اور بیماری بھی اسی کے حکم کے تابع ہے، ہاں اللہ کی مشیت وحکم کے مطابق کوئی بیماری ایک دوسرے کی جانب تجاوز کر جائے جیسے اسباب میں ہوتا ہے تو یہ ممکن ہے اور ہوتا ہے، اسی لئے اللہ کے نبی ﷺ نے جذامی سے بھاگنے کا حکم دیا اور جذامی کو ہاتھ میں ہاتھ دیکر بیعت نہیں کیا کیونکہ سبب کے درجے میں بیماری ایک سے دوسرے کو لگ سکتی ہے۔ الغرض تعدیۂ امراض کی نفی سے مراد بالذات تعدیہ ہے اور تعدیۂ امراض کے اثبات سے مراد حکم خدا سے تعدیہ ہے لہٰذا کوئی تعارض نہیں۔ اسی کو

(۱) مسلم: ۲۲۳۱، ابن ماجہ: ۳۵۴۴ (۲) اس کی تفصیل کے لئے دیکھئے: فتح الباری ابن حجر: ۱۰/۱۵۹-۱۶۲، شرح مسلم نووی: ۲/۲۳۱، زاد المعاد ابن القیم: ۴/۱۱۶-۱۲۰، مفتاح دار السعادۃ ابن القیم: ۲/۲۶۶-۲۶۸، مرقات ملا علی قاری: ۹/۳-۴

اکثر حضرات نے اختیار کیا ہے جن میں سے ابن الصلاح ،بیہقی ،ابن القیم اورنووی بھی ہیں۔

(۲) دوسری صورت یہ ہے کہ اللہ کے نبی ﷺ کا منشأ مطلقاً تعدیۂ امراض کی نفی کرنا ہے کہ ایک کی بیماری دوسرے کو بالکل نہیں لگتی ،رہا یہ کہ پھر اللہ کے نبی ﷺ نے جذامی سے پرہیز کیوں کیا اوراس کا کیوں حکم دیا تو یہ دراصل اس لئے ہے کہ اگر کوئی کمزور عقیدہ والا جذامی سے ملا اور اللہ کے حکم ومشیت سے اس کو وہی بیماری آگئی تو وہ خیال کرے گا کہ یہ بیماری اس سے ملنے ہی سے مجھے آئی ہے،اوراس طرح اس کا ایمان خراب ہوتا ،لہٰذا اللہ کے نبی علیہ السلام نے حسماً للمادۃ و سداً للباب یہ فرمایا کہ جذامی سے شیر کی طرح بھاگو،لیکن کوئی صحیح العقیدہ پکا مسلمان اللہ پر کامل اعتماد رکھنے والا جذامی کے ساتھ ملے اور کھائے پیئے تو کوئی حرج نہیں جیسے کہ خود اللہ کے نبی ﷺ نے جذامی کے ساتھ کھانا ایک ہی برتن میں کھایا تھا۔امام ابوعبید اور ایک جماعت علماء نے اسی صورت کو اختیار کیا ہے۔

(۳) ایک صورت یہ ہے کہ اصل تو وہی ہے کہ بیماری کسی کی کسی کو نہیں لگتی ،جیسے کہ لا عدوی فرمایا گیا ہے،مگر بعض بیماریاں ایسی ہوتی ہیں کہ ان کی بدبو غیرہ سے طبعا کراہت ونفرت پیدا ہوتی ،لہٰذا آپ نے اسی طبعی کراہت کے طور پر فرمایا کہ جذامی سے بھاگو، یہ اس لئے نہیں کہ بیماری لگ جاتی ہے، بلکہ اس لئے کہ طبعاً اس سے کراہت ہوتی ہے۔

اب ہم اصل مسئلہ کی جانب رجوع کرتے ہیں، وہ یہ کہ توحید کی تعلیم میں یہ داخل ہے کہ تمام امور کو اللہ کی جانب راجع کیا جائے ،اور کسی مخلوق کو نفع ونقصان کا مالک نہ سمجھا جائے ،لہٰذا اللہ کے نبی ﷺ نے اس میں اس کی تعلیم دیدی کہ بالذات کسی کو مؤثر ونفع بخش ونقصان دہ نہیں سمجھنا چاہیئے۔

بدفالی (ٹوناٹوٹکا) شرک ہے:

(۲) ''لا طیرۃ'': دوسری چیز ان احادیث میں ''لا طیرۃ'' فرمائی گئی ہے، طیرہ کے معنی ہیں بدفالی، اور یہ لفظ اصل میں طیر سے ماخوذ ہے جس کے معنی ''پرندہ'' کے ہیں، اور بدفالی و بدشگونی کو طیرہ کہنے کی وجہ یہ ہے کہ زمانۂ جاہلیت کے لوگ پرندوں سے بدشگونی لیا کرتے تھے، اس طرح کہ کوئی شخص اپنے کسی کام سے نکلتا اور کوئی پرندہ اس کی داہنی جانب سے اُڑتا نظر آتا تو اس کو اپنے حق میں مبارک خیال کرتا اور اس کام کے لئے آگے بڑھ جاتا، اور اگر پرندہ بائیں جانب سے اڑتا دکھائی دیتا تو اس کو نامبارک و منحوس خیال کرتا تھا اور واپس لوٹ جاتا۔ اسلام نے اس بے ہودہ و بے اصل عقیدہ کی تردید فرمائی اور بتایا کہ کسی پرندہ کے داہنے یا بائیں اڑنے سے کچھ نہیں ہوتا جو ہوتا ہے وہ اللہ کی ذات سے ہوتا ہے۔

اور اسی لئے ایک حدیث حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے آئی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: '' الطيرة شرك ''(بدفالی شرک ہے)۔(۱)

اور حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ:'' لا طيرة والطيرة على من تطير '' (بدفالی کوئی چیز نہیں، اور بدفالی یعنی نحوست اسی پر ہے جو بدفالی لیتا ہے)۔(۲)

اس سے معلوم ہوا کہ کسی چیز میں نحوست نہیں ہے ہاں جو کسی کو منحوس سمجھتا ہے اس کے حق میں اللہ تعالی اس کو منحوس بنا دیتے ہیں، اور جو صرف اللہ پر یقین رکھتا ہے اس کے حق میں ہر چیز مبارک ہی مبارک ہوتی ہے۔

اسی لئے ایک حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ: '' ثلاث لَازِمَةٌ لأُمَّتِي :

---

(۱) ابو داؤد: ۳۹۱۰، ابن ماجہ: ۳۵۳۸، احمد: ۳۶۸۷، صحیح ابن حبان: ۱/۴۹۱، مستدرک: ۱/۶۴،
الادب المفرد: ۱/۳۱۳ (۲) صحیح ابن حبان: ۱۳/۴۹۲

الطِيَرَۃُ ، وَالحَسَدُ وَ الظَّنُّ " (تین باتیں میری امت کا لازمہ ہیں: ایک بدفالی، دوسرے حسد، اور تیسرے بدگمانی) اس پر ایک صحابی نے پوچھا کہ جس میں یہ باتیں ہوں اس سے وہ کس طرح دور ہوں گی ؟ تو آپ نے فرمایا کہ: إِذَا حَسَدُتَ فَاسُتَغُفِرِ اللّٰهَ وَإِذَا ظَنَنُتَ فَلاَ تُحَقِّقُ ،و إِذَا تَطَيَّرُتَ فَامُضِ"(جب کسی سے حسد ہو جائے تو اللہ سے استغفار کر، اور جب بدگمانی ہو تو اس کو حق نہ سمجھ، اور جب تو بدفالی لے تو اپنے کام پر چلتا رہ)۔(۱)

ایک روایت میں اس طرح فرمایا کہ:'' انسان میں تین باتیں ہیں: بدفالی، بدگمانی اور حسد، پس بدفالی سے خلاصی یہ ہے کہ (اس پر یقین کر کے) واپس نہ ہو، اور بدگمانی سے خلاصی یہ ہے کہ اس کو حق نہ جانے اور حسد سے خلاصی یہ ہے کہ حد سے تجاوز نہ کرے۔(۲)

علامہ ابن حجر عسقلانی نے شرح بخاری میں ایک اہم بات اس سلسلہ کی لکھی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ:'' یہ بدفالی کا ناجائز ہونا اس وقت ہے جبکہ کسی کا یہ اعتقاد ہو کہ یہ پرندے وغیرہ شر کو واقع کرنے میں بالذات مؤثر ہیں اور ان چیزوں کو اللہ کی جانب منسوب نہ کرے، لیکن اگر کوئی یہ جانتا ہے کہ مؤثر و مدبر تو اللہ تعالی ہی ہے لیکن تجربے سے یہ ثابت ہے کہ فلاں قسم کی آواز کے بعد یا فلاں قسم کی حالت کے بعد کوئی برائی واقع ہوا کرتی ہے تو اگر کوئی اسی کا اپنے آپ کو عادی و پابند بنالے تو یہ بری بات ہے، اور اگر اس کے بجائے اس نے اللہ سے خیر کا سوال کیا اور برائی سے پناہ چاہی اور اللہ پر توکل کرتے ہوئے آگے بڑھ گیا تو اس کو کوئی نقصان نہ ہوگا، اور اگر ایسا نہیں کیا تو اس پر مؤاخذہ و پکڑ ہوگی اور بسا اوقات عذاب کے طور پر بعینہ وہ برائی اس بھی پر واقع ہو جائے گی، جس طرح کہ اہل جاہلیت کے ساتھ ایسا بہت ہوا ہے۔(۳)

---

(۱)معجم کبیر طبرانی:۲۲۸/۳ (۲) شعب الایمان:۶۳/۲ (۳) فتح الباری:۲۱۵/۱۰

الغرض کسی بھی چیز سے بدفالی لینا اوراس کو منحوس سمجھنا اوراس کو اپنے کاموں میں رکاوٹ سمجھ کر راستے سے واپس ہو جانا، یہ سب دراصل جاہلی امور ہیں جن کا سلام سے کوئی تعلق نہیں، بلکہ اسلام اس کے خلاف یہ سکھا تا ہے کہ کسی سے کچھ نہیں ہوتا، بلکہ سب کچھ اللہ تعالی کے کرنے سے ہوتا ہے۔

فال نیک کی حقیقت:

ہاں نیک فالی کی شریعت میں اجازت ہے، جیسا کہ اوپر حدیث میں گزرا کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ : "وَيُعْجِبُنِي الْفَأْلُ ، الكَلِمَةُ الْحَسَنَةُ وَالْكَلِمَةُ الطَّيِّبَةُ" (مجھے فال اچھا لگتا ہے، یعنی کوئی نیک اوراچھا کلمہ)، مگر فال نیک کس کو کہتے ہیں؟ یہ بھی خود اسی حدیث میں بتادیا گیا ہے کہ کوئی اچھی بات کان میں پڑ جائے۔

علامہ ابن حجر عسقلانی کہتے ہیں کہ اس کی شرط یہ ہے کہ اس کا قصد وارادہ نہ کرے ورنہ وہ بدفالی میں داخل ہو جائے گا، علامہ ابن بطال نے کہا کہ اللہ تعالی نے انسانی فطرت میں نیک کلمہ اوراچھی بات کی محبت، اوراس سے انس رکھا ہے جیسے اچھے منظر وصاف پانی سے خوشی ان میں رکھ دی ہے اگر چہ کہ وہ اس کے مالک نہ ہوں اور نہ اس کو پئیں۔ (۱)

نیز حدیث میں حضرت انس کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب اپنی کسی حاجت کے لئے نکلتے تھے تو یہ پسند کرتے تھے کہ ایسے الفاظ سنیں: "یا نجیح" "یا راشد" (اے کامیاب، اے ہدایت والے)۔ (۲)

حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ: " كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ يَتفَاءَ لُ وَلَا يَتطَيَّرُ وَكَانَ يُعْجِبُهُ الاسْمُ الْحَسَنُ" (رسول اللہ ﷺ نیک فالی لیتے تھے بدفالی نہیں لیتے تھے، اورآپ کو اچھا نام پسند تھا) (۳)

(۱) فتح الباری: ۲۱۵/۱۰ (۲) ترمذی: ۱۶۱۶، معجم اوسط طبرانی: ۲۷/۴/۴، معجم صغیر: ۳۳۱/۱ (۳) مسند احمد: ۲۳۲۸

الغرض نیک فال یہ ہے کہ کوئی ہمیں اچھے نام سے یاد کرے، پکارے، ہمارے بارے میں کوئی اچھی بات یا رائے بیان کرے تو ہم اللہ سے امید رکھتے ہوئے یہ خیال کرلیں کہ ہمیں یہ بھلائی نصیب ہوگی، یہ نیک فالی ہے اس کی اجازت ہے۔

صفر کی نحوست کا عقیدہ باطل ہے:

(۳) ''لاَ صَفَرَ'': ایک بات ان احادیث میں یہ فرمائی گئی ہے کہ صفر کچھ نہیں، اس سے کیا مراد ہے؟ اس میں علماء نے اختلاف کیا ہے، بعض کہتے ہیں کہ یہ ایک پیٹ کی بیماری ہے جس کے بارے میں عرب کے جہلاء سمجھتے تھے کہ وہ متعدی بیماری ہے، اس صورت میں یہ بیماری کے متعدی ہونے کے عقیدہ کی تردید ہے، جس کا ذکر اوپر تفصیلاً ہوگیا۔ بعض نے کہا کہ یہ پیٹ کا ایک کیڑا ہے، جو ان کے عقیدے کے مطابق کبھی آدمی کو قتل کردیتا ہے، اسلام نے اس کی تردید کرکے یہ بتایا کہ موت وحیات اللہ کے اختیار میں ہے، کسی کے بارے میں یہ سمجھنا کہ یہ موت دیتا ہے صحیح نہیں۔ اور امام ابوداؤد نے نقل کیا ہے کہ جاہلی لوگ ماہ صفر کو منحوس سمجھتے تھے اس کے بارے میں یہ فرمایا گیا ہے۔ اور بعض نے کہا کہ یہ ان لوگوں کے اس عقیدے کی تردید ہے کہ صفر کے مہینہ میں فتنے اور حوادثات بہت ہوتے ہیں۔ ملا علی قاری اس لفظ کی متعدد تفسیریں نقل کرکے فرمایا کہ زیادظاہر یہ ہے کہ یہ تمام معانی مراد ہیں کیونکہ یہ سب عقیدے باطل ہیں۔ (۱)

چاند ستاروں پر یقین شرک ہے:

(۴) ''لاَ نَوْءَ'': ایک بات یہ فرمائی گئی ہے کہ ''نوء'' کوئی چیز نہیں، نوء کے معنے ''چاند کی منزل'' کے ہیں، اور بعض نے کہا کہ ''نوء'' کے معنے ہیں ''ستارے کا گرنا اور ستارے کا طلوع ہونا''، یہ لفظ اضداد میں سے ہے۔ علماء لکھتے ہیں کہ زمانۂ جاہلیت کے مشرک لوگ یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ جب ایک ستارہ مشرق میں طلوع اور اس کے

---

(۱) فتح الباری: ۱۰/۱۷۱، مرقات المفاتیح: ۹/۴، فیض القدیر: ۶/۴۳۳

بالمقابل کا مغرب میں غروب ہوتا ہے تو اس کی وجہ سے بارش ہوتی ہے۔ اسلام نے اس کی تردید کی اور بتایا کہ یہ عقیدہ شرکیہ عقیدہ ہے، اس لئے کہ بارش ہونا یا نہ ہونا اللہ کی مشیت و مرضی کے تابع ہے، نہ کسی ستارے کے طلوع ہونے سے اسکا تعلق ہے اور نہ غروب سے اس کو کوئی واسطہ۔

حضرت زید بن خالد الجہنی سے ایک حدیث میں مروی ہے کہ حدیبیہ کے مقام پر ہم کو رسول اللہ ﷺ نے رات میں بارش ہونے کے بعد نماز فجر پڑھائی، جب نماز سے فارغ ہوئے تو لوگوں کی جانب پھر کر فرمایا کہ کیا تم جانتے ہو کہ تمہارے رب نے کیا کہا؟ لوگوں نے کہا کہ اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں، فرمایا کہ اللہ تعالی نے کہا کہ میرے بندوں میں سے کچھ نے مجھ پر ایمان لاتے ہوئے صبح کی اور کچھ نے کافر ہو کر صبح کی، پس جس نے یہ کہا کہ ہم پر اللہ کے فضل سے اور اس کی رحمت سے بارش ہوئی وہ مجھ پر ایمان رکھنے والا اور ستارے کا انکار کرنے والا ہے، اور جس نے یہ کہا کہ ہم پر فلاں ستارے کی منزل کی وجہ سے بارش ہوئی وہ مجھے ٹھکرایا اور ستارے پر ایمان لایا۔(۱)

ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اگر اللہ تعالی سات برس تک بارش روک لے اور پھر بارش بھیجے تو اس پر بھی ایک جماعت اللہ سے کفر کر بیٹھے گی، وہ کہیں گے: ہم پر فلاں ستارے کی وجہ سے بارش ہوئی۔(۲)

اس سے یہ بات واضح ہوگئی کہ کسی ستارے پر، چاند پر یا کسی اور چیز پر یقین کرنا اور ان کی جانب بارش کو یا کسی اور نعمت کو منسوب کرنا یہ جاہلی عقیدہ و کام ہے۔

بھوت کا عقیدہ بے اصل ہے:

(۵) "لَا غُوْلَ": غَول (غین پر زبر کے ساتھ) کے معنی بعد و ہلاکت کے

---

(۱) مؤطا مالک: ۱/۱۹۲، مسلم: ۱۲۵، ابوداؤد: ۳۹۰۶، مسند احمد: ۱۰۲۱۷، صحیح ابن حبان: ۱/۴۱۷

(۲) مسند احمد: ۱۱۰۵۷، صحیح ابن حبان: ۱۳/۵۰۰

ہیں، اور غُول (غین پر پیش کے ساتھ) یہ بھوت کو کہتے ہیں جو شیطان کی ایک قسم ہے، جاہلی لوگوں کا عقیدہ تھا کہ جب کوئی انسان اکیلا جنگل بیابان میں جاتا ہے تو بھوت اس کو مختلف شکلوں میں نظر آتے اور راستے سے بھٹکا دیتے یا کبھی قتل کر دیتے ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے اس عقیدے کی نفی فرمادی ہے۔اور اس انکار کا مطلب یہ ہے کہ جاہلی لوگ جو یہ سمجھتے ہیں کہ جنات وشیاطین وبھوت جنگلات میں مختلف شکلوں میں ظاہر ہوکر لوگوں کو راہ سے بھٹکاتے ہیں یا قتل کر دیتے ہیں یہ کوئی چیز نہیں، یعنی اس کی ان کو قدرت نہیں کہ خود کسی کو گمراہ کر دیں۔اسی لئے ایک حدیث میں ہے کہ: ''جب بھوت نظر آئیں تو اذان سے ان کو دفع کرو''۔ باقی شیاطین وجنات کا وجود، اس کی نفی مقصود نہیں کیونکہ جنات وشاطین کا وجود ایک مسلم حقیقت ہے۔(۱)

اُلّو کی نحوست کا عقیدہ بے اصل ہے:

(۶) ''لَا هَامَةَ'': ھامہ بول یعنی اُلّو کو کہتے ہیں، اس کی مراد میں یہاں متعدد اقوال نقل کئے گئے ہیں: ایک یہ کہ عرب لوگ جاہلیت میں یہ سمجھتے تھے کہ جب کوئی شخص قتل کر دیا جاتا ہے اور اس کی دیت وخون بہا وصول نہیں کیا جاتا تو اس کے سر سے ایک ھامہ یعنی کیڑا نکلتا ہے اور اس کی قبر کے اطراف گھومتا رہتا ہے اور کہتا ہے: ''اسقونی، اسقونی''، (مجھے پانی دو مجھے پانی دو) جب اس کی دیت وصول کر لی جاتی ہے تو واپس چلا جاتا ہے ورنہ وہیں رہتا ہے۔ دوسرا یہ کہ عرب لوگوں کا خیال تھا کہ الو منحوس ہے، اگر کسی کے گھر پر بیٹھ جائے تو وہ گھر والا یا اس گھر کا کوئی شخص مر جائے گا۔اس حدیث سے ان غلط وبے اصل عقیدوں کی نفی کی گئی ہے۔ تیسرا یہ کہ عرب سمجھتے تھے کہ جو مر جاتا ہے اور اس کی ہڈیاں بوسیدہ ہو جاتی ہیں تو وہ بوم والو بن جاتا ہے اور اس کے گھر والوں کی خبریں اس کے پاس پہنچاتا ہے، اسلام نے اس بے اصل عقیدے پر رد کیا ہے۔(۲)

---

(۱) فتح الباری: ۱۰/۱۵۹، مرقات: ۹/۵، فیض القدیر: ۶/۴۳۴ (۲) فتح الباری: ۱۰/۲۴۱، مرقات: ۹/۳

کاہنوں، نجومیوں پر اعتماد کفر ہے:

اسلام نے توحید کی حفاظت کے لئے کاہنوں اور غیب کی باتیں اور قسمت کے فیصلے بتانے والوں پر اعتماد کرنے بلکہ ان کے پاس جانے سے بھی منع کیا ہے، کیونکہ غیب کی بات اور قسمت کا فیصلہ جاننا یہ اللہ تعالیٰ کی صفت ہے، وہی عالم الغیب ہے، لہٰذا کسی اور پر اس بارے میں اعتماد کا مطلب اللہ کی صفت علم میں اس کو شریک قرار دینا ہے۔ اس لئے اسلام اس کی سختی کے ساتھ تردید و مذمت کرتا ہے، اس سلسلہ کی چند احادیث سن لیجئے:

(۱) رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: " مَنْ أَتٰى عَرَّافًا فَسَأَلَهُ عَنْ شَيْءٍ لَمْ تُقْبَلْ لَهُ صَلَاةٌ أَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً " (جو شخص نجومی کے پاس آئے اور اس سے کسی چیز کے بارے میں سوال کرے تو اس کی چالیس دن تک کوئی نماز قبول نہیں کی جاتی)(۱)

(۲) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: " مَنْ أَتٰى حَائِضًا أَوِ امْرَأَةً فِيْ دُبُرِهَا أَوْ كَاهِنًا فَصَدَّقَهُ فَقَدْ كَفَرَ بِمَا أُنْزِلَ عَلٰى مُحَمَّدٍ- وفي رواية - فَقَدْ بَرِئَ مِمَّا أُنْزِلَ عَلٰى مُحَمَّدٍ" (جس شخص نے حائضہ عورت سے جماع کیا یا بیوی سے پیچھے کے راستے سے جماع کیا یا نجومی کے پاس آیا اور اس کی تصدیق کیا تو اس نے اس دین کا انکار کیا جو محمد ﷺ پر نازل کیا گیا، ایک روایت میں یوں ہے: کہ وہ اس دین سے بری ہے جو محمد ﷺ پر نازل کیا گیا ہے)(۲)

(۳) ایک روایت میں حضرت عبداللہ ابن مسعود سے اس طرح آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: " مَنْ أَتٰى كَاهِنًا أَوْ عَرَّافًا أَوْ سَاحِرًا فَسَأَلَهُ فَصَدَّقَهُ بِمَا

---

(۱) مسلم: ۲۲۳۰، احمد: ۱۶۶۸۹، معجم اوسط طبرانی: ۲/۱۰۷، سنن بیہقی: ۱۳۸/۸ (۲) ابو داؤد: ۳۹۰۴، ترمذی: ۱۳۵، ابن ماجہ: ۶۳۹، مسند احمد: ۹۲۷۹، دارمی: ۱/۲۷۵، سنن بیہقی: ۱۹۸/۷، سنن کبری للنسائی: ۳۲۳/۵

يَقُولُ فَقَدْ كَفَرَ بِمَا أُنْزِلَ عَلٰى مُحَمَّدٍ“ (جو کاہن یا عراف یا جادوگر کے پاس آیا اور اس کی باتوں کی تصدیق کیا تو اس نے اس دین کا انکار کیا جو محمد ﷺ پر نازل ہوا ہے)(۱)

(۴) حضرت معاویہ بن الحکم سے مروی ہے کہ بعض اصحاب نبی نے پوچھا کہ ہم میں بعض لوگ ہیں جو بدفالی لیتے ہیں؟ فرمایا کہ یہ ایک بات ہے جو دلوں میں پاتے ہو، مگر یہ تم کو کسی کام سے روک نہ دے، ایک روایت میں فرمایا کہ یہ تم کو نقصان نہیں دیگا، عرض کیا کہ: ہم میں بعض لوگ نجومیوں کے پاس جاتے ہیں، فرمایا کہ نجومیوں کے پاس نہ جاؤ“۔(۲)

اس میں صحابہ کے بارے میں نہیں کہا گیا ہے کہ وہ بدفالی لیا کرتے ہیں یا کاھنوں کے پاس جاتے ہیں، بلکہ یہ ان حضرات کا وہ عمل ہے جو اسلام سے پہلے تھا اور وہ جاہلی دور میں کیا کرتے تھے، اس کی دلیل یہ ہے کہ یہی حدیث مسلم میں آئی ہے اس میں یہ الفاظ ہیں: ”معاویہ بن الحکم کہتے ہیں کہ: یارسول اللہ! چند امور ہیں جو ہم جاہلیت میں کیا کرتے تھے، پھر وہی باتیں بیان کی ہیں۔(۳)

ان احادیث میں نجومیوں کے پاس جانے اور ان سے کچھ پوچھنے، اور ان کی تصدیق کرنے سے منع کیا گیا ہے اور اس پر وعید بھی بیان کی گئی ہے کہ چالیس دن تک نماز قبول نہ ہوگی۔ معلوم ہوا کہ اسلام میں اس کی اجازت نہیں ہے کہ کسی نجومی یا غیب کی باتیں بتانے والے کے پاس جایا جائے یا اس کی باتوں کی تصدیق کی جائے۔

سحر یعنی جادو شرک ہے:

سحر یعنی جادو بھی اسلام میں ناجائز ہے، اور اس پر قرآن وحدیث میں کفر کا

---

(۱) سنن بیہقی: ۱۳۶/۷، مسند ابو یعلی: ۲۸۰/۹، مسند بزار: ۲۵۶/۵ بزار کی روایت میں عراف کا ذکر نہیں ہے (۲) مسند احمد: ۲۳۸۲۰، معجم کبیر: ۳۹۶/۱۹، مصنف عبد الرزاق: ۴۰۲/۱۰، سنن بیہقی: ۱۳۸/۸ (۳) مسلم: ۵۳۷

اطلاق کیا گیا ہے، اور حدیث میں اس پر شرک کا اطلاق کیا گیا ہے، ایک حدیث ابھی اوپر گزری جس میں اللہ کے نبی ﷺ نے فرمایا کہ جادوگر کے پاس آنے والا اور اس کی تصدیق کرنے والا دین کا انکار کرنے والا ہے۔ اس سلسلہ میں مزید احادیث ملاحظہ کیجئے:

(۱) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: "اِجْتَنِبُوا السَّبْعَ الْمُوبِقَاتِ، قَالُوا: يَا رَسُولَ اللّٰهِ ! وَمَا هُنَّ؟ قَالَ: اَلشِّرْكُ بِاللّٰهِ ، وَالسِّحْرُ وَ قَتْلُ النَّفْسِ الَّتِي حَرَّمَ اللّٰهُ إِلَّا بِالْحَقِّ ، وَ أَكْلُ الرِّبَا وَ أَكْلُ مَالِ الْيَتِيمِ ، وَالتَّوَلِّي يَوْمَ الزَّحْفِ وَ قَذْفُ الْمُحْصَنَاتِ الْغَافِلَاتِ الْمُؤْمِنَاتِ" (سات ہلاک کرنے والی باتوں سے بچو، صحابہ نے پوچھا کہ یا رسول اللہ! وہ کیا ہیں؟ فرمایا کہ وہ یہ ہیں: اللہ کے ساتھ شرک کرنا، جادو کرنا، کسی بے گناہ جان کو قتل کرنا، سود کھانا، یتیم کا مال کھانا، جنگ کے دن میدان جنگ سے پیٹھ پھیر کر واپس آجانا، اور پاکباز مومن، برائی سے غافل عورتوں پر تہمت لگانا)۔(۱)

(۲) حضرت جندب سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: " حد الساحر ضربة بالسيف" (جادوگر کی سزا تلوار سے مارنا ہے)(۲)

(۳) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے حکام کے پاس خط لکھا تھا اس میں یہ بھی لکھا تھا کہ: " اقتلوا كل ساحر أو ساحرة " (ہر جادوگر مرد و عورت کو قتل کر دو)(۳)

(۴) حضرت ابن عباس سے روایت کیا گیا ہے کہ انہوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: تین باتیں ایسی ہیں کہ جس میں وہ نہ ہوں تو اللہ تعالی اس کی مغفرت فرما دیں گے: ایک یہ کہ اس حال میں مرے کہ شرک نہ کیا ہو، اور دوسرے یہ کہ

---

(۱) بخاری: ۲۶۱۵، مسلم: ۸۹، ابو داؤد: ۲۸۷۴، صحیح ابن حبان: ۳۷۱/۱۲ (۲) ترمذی: ۱۴۶۰، مستدرک: ۴۰۱/۴، دار قطنی: ۱۱۴/۳ (۳) مسند احمد: ۱۶۵۷، ابوداؤد: ۳۰۴۳، مسند الشافعی: ۳۸۳

نہ جادوگر ہو اور نہ کسی جادوگر کے پیچھے چلے، تیسرے یہ کہ اپنے بھائی سے بغض نہ رکھے۔ (۱)

ان احادیث سے جادو کی مذمت و برائی اور اس کا ایمان و توحید کے خلاف ہونا معلوم ہوتا ہے۔ ہاں ائمہ نے اس میں اختلاف کیا ہے کہ جادوگری کفر ہے اور جو دوگر کافر ہے یا کیا؟ بعض ائمہ جیسے امام مالک و امام ابوحنیفہ کہتے ہیں کہ جادوگری کفر ہے اور جادوگر کافر ہے، اس لئے اس کو قتل کرنے کا حکم دیا گیا ہے، اور بعض ائمہ نے اس میں تفصیل کی ہے کہ اگر جادو میں کفریہ الفاظ جیسے شیاطین سے استمداد وغیرہ ہو تو یہ کفر ہے ورنہ سخت ترین معصیت اور گناہ کبیرہ ہے۔ (۲)

شرکیہ تعویذ گنڈے حرام و شرک ہیں:

توحید پر ضرب لگانے اور اس میں خلل واقع کرنے والی چیزوں میں ایک شرکیہ تعویذ گنڈے بھی ہیں، اسلام میں اس کی بھی سخت مذمت و حرمت بیان کی گئی ہے۔

(۱) حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ آپ نے فرمایا کہ: ”إِنَّ الرُّقیٰ وَالتَّمَائِمَ وَالتِّوَلَةَ شِرْكٌ“ (منتر، تعویذ، تِوَلہ)، حضرت عبد اللہ بن مسعود کی زوجہ حضرت زینب نے عرض کیا کہ آپ ایسا کیوں کہتے ہیں جبکہ خدا کی قسم کبھی میری آنکھ دکھتی تو میں فلاں یہودی کے پاس جایا کرتی تھی، جو مجھے منتر پڑھتا تھا، جب وہ منتر پڑھتا تو مجھے آرام ہو جاتا تھا، حضرت عبد اللہ بن مسعود نے کہا کہ یہ شیطان کی حرکت ہے، کہ وہ چبھوتا ہے، جب وہ منتر پڑھتا ہے تو رک جاتا ہے۔ پھر فرمایا کہ تمہیں یہ کافی ہے جو رسول اللہ ﷺ کہا کرتے تھے: ”أَذْهِبِ الْبَأْسَ، رَبَّ النَّاسِ، اِشْفِ أَنْتَ الشَّافِيُ، لَا شِفَاءَ إِلَّا شِفَاؤُكَ شِفَاءً لَا يُغَادِرُ سَقَمًا“ (اے لوگوں کے پروردگار! تو تکلیف کو دور کردے، شفاء

(۱) الادب المفرد: ۱/۱۴۹، معجم کبیر: ۱۲/۲۴۳، معجم اوسط: ۱/۱۷۱ (۲) دیکھو تفسیر قرطبی: ۲/۴۱

عطاء فرما، تو ہی شفا دینے والا ہے، تیری شفاء کے سوا کوئی شفاء نہیں ہے جو بیماری کو دور کردے)(۱)

اس حدیث میں تین لفظ آئے ہیں: ایک رقی، اس کے معنے منتر کے ہیں، اور مراد شرکیہ الفاظ پر مشتمل وہ منتر جس میں بتوں وغیرہ کے نام لئے جاتے ہیں اور زمانۂ جاہلیت کے لوگوں میں رائج تھا۔ دوسرا لفظ ''تمائم'' ہے اس کے معنے ''گلے میں لٹکائے جانے والی تعویذ'' کے ہیں، اس سے مراد بھی وہی تعویذ ہے جس میں شرکیہ الفاظ ہوں یا یہ کہ اس کے معنے ہی معلوم نہ ہوں، کیونکہ زمانۂ جاہلیت میں یہی تعویذ پایا جاتا تھا۔ اور تیسرا لفظ '' تِوَلَة '' ہے، اس کی تفسیر خود حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے ایک روایت میں جو ابھی آنے والی ہے، وارد ہوئی ہے، کہ اس سے مراد وہ جادو ہے جس کو عورت اپنے شوہر کو اپنا بنانے کے لئے استعمال کرتی ہے۔ اور امام بیہقی کہتے ہیں: ''امام ابوعبید نے کہا کہ ' تِوَلَة '' وہ منتر ہے جو عورت اپنے شوہر کے نزدیک پسندیدہ بننے کے لئے استعمال کرتی ہے اور یہ جادو میں سے ہے۔ (۲)

(۲) حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے نقل کیا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: " مَنْ عَلَّقَ تَمِيْمَةً فَلَا أَتَمَّ اللّٰهُ لَهُ ، وَمَنْ تَعَلَّقَ وَدْعَةً فَلَا ودع اللّٰهُ لَهُ "(جو تعویذ لٹکائے اللہ اس کی بات پوری نہ کرے، اور جو ودعہ لٹکائے اللہ اس کو راحت وسکون نہ دے)۔ (۳)

اس حدیث میں دو باتیں ہیں: ایک تو اس میں شرکیہ تعویذ ڈالنے والوں کو بددعاء

---

(۱) ابو داؤد: ۳۸۸۳، ابن ماجہ: ۳۵۳۰، احمد: ۳۶۱۵ (۲) سنن الکبری: ۳۵۰/۹ (۳) طحاوی: ۲/ ۳۶۰، صحیح ابن حبان: ۴۵۰/۱۳، مسند احمد: ۴۴۰/۱۷، مستدرک: ۴۶۳/۴، معجم کبیر: ۲۹۷/۱۷، مسند ابویعلی: ۲۹۵/۳، حاکم نے اس کو صحیح الاسناد کہا اور امام منذری نے کہا کہ اس حدیث کی سند جید ہے، الترغیب: ۳۰۶/۴

دی گئی ہے کہ اللہ ان کے مقصد کو پورا نہ کرے، دوسرے یہ فرمایا کہ جو ودعہ لٹکائے اللہ اس کو سکون نہ دے، اس میں جو لفظ " ودعہ " آیا ہے اس کے بارے میں علامہ ابن الاثیر نے "النہایۃ" میں فرمایا کہ: الوَدَعُ والوَدْعُ بالفتح والسکون : جمع وَدَعَة ، وهو شيء أبيض يُجلَبُ من البحر يُعلَّقُ في حُلُوق الصبيان و غيرهم " (وَدَع اور وَدْع (دال پر زبر اور جزم کے ساتھ) یہ ودعہ کی جمع ہے، اور یہ ایک سفید چیز ہوتی ہے جو سمندر سے حاصل کی جاتی ہے اور بچوں وغیرہ کے گلے میں لٹکائی جاتی ہے)۔(۱)

(۳) ایک روایت میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود اپنے گھر گئے تو اپنی بیوی کے گلے میں کوئی منتر پڑھی ہوئی چیز دیکھی تو اس کو کھینچا اور کاٹ دیا، پھر کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ رقی، تمائم اور تولہ شرک ہے۔ لوگوں نے پوچھا کہ یہ رقی اور تمائم تو ہم نے سمجھ لیا، یہ تولہ کیا ہے؟ تو کہا کہ یہ ایک (جادو کی قسم کی) چیز ہے جو عورتیں اپنے شوہروں کے نزدیک محبوب بننے کے لئے استعمال کیا کرتی ہیں۔(۲)

(۴) حضرت ابو امامہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کہا کہ تین چیزیں جادو میں سے ہیں: رقی، تول اور تمائم۔(۳)

ان سب احادیث میں وہ تعویذات اور منتر مراد ہیں جو شرکیہ عمل والفاظ کے ذریعہ کئے جاتے ہیں، باقی وہ تعویذات اور منتر جو قرآن وحدیث کی دعاؤں پر مشتمل ہوں، اور اللہ کے ذکر وتسبیحات سے کئے جاتے ہوں وہ جائز ہیں بلکہ سنت رسول سے ثابت ہیں۔ اور اس کی دلیل یہ ہے کہ یہاں مراد شرکیہ تعویذات ہیں یہ حدیث ہے جو حضرت عوف بن مالک سے روایت کی گئی ہے، وہ کہتے ہیں کہ ہم جاہلیت میں منتر پڑھتے تھے، ہم نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! آپ اس کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟

---

(۱) النھایہ: ۳۶۵/۵ (۲) صحیح ابن حبان: ۴۵۶/۱۳ (۳) معجم کبیر: ۲۰۳/۸

آپ نے فرمایا کہ :" اِعرِضُوا عَلَيَّ رُقَاكُم ، لَا بَأسَ مَالَم تَكُنْ شِرْكًا "(مجھ پر تمہارے وہ منتر پیش کرو، اگر وہ شرک نہ ہوتو کوئی حرج نہیں)(۱)

اور علماء نے بھی ان احادیث کا یہی مقصد بتایا ہے، امام بیہقی کہتے ہیں: ''امام ابوعبید نے کہا کہ رہے تمائم ورُقی تو حضرت عبداللہ بن مسعود کی مراد اس سے یہ ہے کہ جو غیرعربی زبان میں ہوں جن کا معنے معلوم نہ ہو، وہ شرک ہے۔ امام بیہقی آگے کہتے ہیں کہ:

" ويحتمل أن ذلك وما أشبهه من النهي والكراهية فيمن تعلّقها وهو يرى تمام العافية وزوال العلة منها على ما كان أهل الجاهلية يصنعون ، فأما من تعلقها متبركاً بذكر الله تعالى فيها وهو يعلم أن لا كاشف إلا الله ولا دافع عنه سواه فلا بأس بها إن شاء الله" (یہ احتمال بھی ہے کہ یہ اور اس جیسی نہی وکراہیت ان لوگوں کے بارے میں ہے جو ان تعویذات کو اس حال میں لٹکاتے ہیں کہ انہی کو پوری عافیت و بیماری کا ازالہ خیال کرتے ہیں جیسے اہل جاہلیت کیا کرتے تھے ،لیکن جو ان تعویذات کو ذکر اللہ سے برکت کے طور پر ڈالتا ہے، جبکہ وہ یہ بھی سمجھتا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی بیماری ومصیبت کو دور کرنے والا نہیں اور اللہ کے سوا کوئی ان کو دفع کرنے والا نہیں ،تو ان شاءاللہ اس میں کوئی حرج نہیں)۔(۲)

ملا علی القاری شرح مشکوۃ میں لکھتے ہیں:

"والأحاديث في القسمين كثيرة ، و وجه الجمع أن ما كان من الرقية بغير أسماء الله تعالى ، وصفاته ، وكلامه في كتبه المنزلة ، أو بغير اللسان العربية ، ومايعتقد منها أنها نافعة لا محالة فيتكل عليها ، فإنها منهية ، وإياها أراد عليه الصلاة والسلام بقوله : "مَا تَوَكَّلَ مَنُ اسُتَرُقٰى" ،وما

(۱) مسلم:۹/۴۰۷، ابوداؤد:۳۳۸۸، شرح معانی الآثار:۲/۳۶۱ (۲) سنن الکبری:۹/۳۵۰

كان على خلاف ذلك كالتعوذ بالقرآن و أسماء الله تعالى والرقى المروية فليست بمنهية" (دونوں قسم (منتر کے جواز و عدم جواز) کی بہت سی احادیث ہیں، اوران میں تطبیق کی صورت یہ ہے کہ جومنتر وتعویذ اللہ کے ناموں اور صفات اورکلام منزل کے بغیر ہو یا عربی زبان میں نہ ہو یا اس اعتقاد کے ساتھ ہو کہ ضرور یہ نفع دیگا تو یہ ممنوع ہے اور اللہ کے رسول علیہ السلام نے اس حدیث میں یہی مراد لی ہے کہ: ''جس نے منتر وتعویذ کیا اس نے اللہ پر توکل نہیں کیا''، اور جو اس کے برعکس اللہ سے پناہ لینے اور اللہ کے ناموں اور حدیث میں مروی دعاؤں سے ہو تو وہ ممنوع نہیں ہے)۔(۱)

اور شیخ محمد بن عبدالوھاب نجدی نے اپنی کتاب: التوحید' میں لکھا ہے:"والرقى : هي التي تسمى العزائم ، و خص من الدليل ما خلا الشرك" (رقی وہی ہے جس کو منتر کہا جاتا ہے، اور دلیل نے اس میں سے شرک کے علاوہ کو خاص کر دیا ہے)۔ اس کی شرح میں صاحب فتح المجید لکھتے ہیں: اس سے مصنف نے اس طرف اشارہ کیا ہے کہ جن منتروں کو شرک کہا گیا ہے وہ وہ ہیں جن میں غیر اللہ سے مدد چاہی گئی ہو، لیکن اگر اللہ کے ناموں اور صفات، آیات اور رسول اللہ ﷺ سے منقول دعاؤں کے سوا دوسری چیز ذکر نہ کی گئی ہو تو یہ جائز یا مستحب ہے۔(۲)

اسی طرح شیخ محمد بن عبدالوھابؒ کے پوتے ''تیسیر العزیز الحمید شرح کتاب التوحید' میں اسی جملے پر لکھتے ہیں:

"يشير إلى أن الرُقى الموصوفة بكونها شركاً هي الرُقى التي منها شرك من دعاء غير الله و الاستعاذة والاستغاثة به كالرُقى بأسماء الملائكة والأنبياء والجن و نحو ذلك ، أمّا الرُقى بالقرآن وأسماء الله

(۱) مرقات: ۲۷۶/۱-۲۷۷ (۲) فتح المجید شرح کتاب التوحید: ۱۲۰/۱

وصفاته و دعائه والاستعاذة به وحدهٗ لا شريك له فليستُ شركاً ،بل ولا ممنوعةً بل مستحبة أو جائزة"(اس سے مصنف نے اس طرف اشارہ کیا ہے کہ جن منتروں کو شرک کہا گیا ہے وہ وہ منتر ہیں جن میں غیر اللہ کو پکارنے ، مدد چاہنے اور پناہ چاہنے کی وجہ سے شرک پایا جائے ،لیکن قرآن، اللہ کے ناموں اور صفات سے،اور صرف اسی ایک ذات وحدہٗ لا شریک سے دعاء اور پناہ مانگتے ہوئے منتر کیا جائے تو یہ شرک نہیں، بلکہ ممنوع بھی نہیں، بلکہ مستحب یا جائز ہے)۔(۱)

اس سے یہ بات واضح ہوگئی کہ تعویذات میں اگر اللہ کے ناموں ،صفات اور دعاؤں ،قرآنی آیات سے کچھ پڑھا جائے تو یہ باتفاق علماء جائز بلکہ مستحب ہے۔

اب یہاں دو مسئلے قابل تحقیق ہیں ،ایک یہ کہ منتر میں شرکیہ الفاظ و اعمال سے بچتے ہوئے کچھ اور الفاظ استعمال کئے جائیں تو کیا حکم ہے؟ جیسے بعض لوگ قرآن و دعاؤں سے ہٹ کر تجربے سے کچھ اور قسم کے منتر پڑھا کرتے ہیں ۔اس بارے میں احادیث سے جواز معلوم ہوتا ہے،حضرت قتادہ ،حضرت شعبی اور حضرت سعید بن جبیر وغیرہ ائمہ اسی کی طرف گئے ہیں۔مثلاً

(۱)ایک حدیث میں ہے کہ ایک قریشی عورت جس کا نام شفاء تھا وہ ''نملہ'' پہلو کی پھنسیوں کی بیماری کا منتر کیا کرتی تھی ، اللہ کے نبی ﷺ نے اس سے فرمایا کہ یہ منتر حفصہ کو سکھا دو ۔(۲)

(۲)ایک روایت میں خود حضرت شفاء کہتی ہیں کہ ایک دفعہ اللہ کے رسول ﷺ میرے پاس تشریف لائے جبکہ میں حضرت حفصہ کے پاس تھی،آپ نے فرمایا کہ کیا تم حفصہ کو یہ نملہ کا منتر نہیں سکھاؤ گی جیسے تم نے ان کو کتابت سکھائی ہے۔(۳)

---

(۱)تیسیر العزیز الحمید:۱/۱۳۵(۲)احمد: ۲۶۴۹۲،طحاوی:۲/۳۶۱، مستدرک: ۴/۴۵۹،سنن بیہقی:۴/۳۶۶،معجم کبیر:۲۴/۳۱۶(۳)ابوداؤد:۳۸۸۷،احمد:۲۷۱۴۰،طحاوی:۲/۳۶۱معجم کبیر:۴/۳۱۳،ابن ابی شیبہ:۵/۴۳

(۳) ایک روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ ایک انصاری کو یہ نملہ بیماری ہوئی تو لوگوں نے کہا کہ شفاء سے منتر پڑھوالو، جب انہوں نے حضرت شفاء سے منتر کے لئے کہا تو انھوں نے یہ کہہ کر انکار کردیا کہ میں نے اسلام لانے کے بعد منتر نہیں پڑھا، وہ انصاری صحابی حضور علیہ السلام کے پاس گئے اور شفاء کی بات بتائی، آپ نے حضرت شفاء کو بلایا اور فرمایا کہ وہ منتر میرے سامنے پیش کرو، جب انہوں نے پیش کیا تو آپ نے سن کر اس کی اجازت دی اور فرمایا کہ حفصہ کو بھی سکھادو۔ (۱)

(۴) حضرت جابر سے روایت ہے کہ ایک شخص کو بچھو نے کاٹ لیا، وہاں نبی کریم ﷺ بھی تشریف فرما تھے، ایک صحابی نے عرض کیا کہ کیا میں اس پر منتر پڑھ دوں، آپ نے فرمایا کہ تم میں سے جو شخص اپنے بھائی کو جس قدر نفع پہنچا سکتا ہے وہ پہنچائے۔ (۲)

(۵) مدینہ میں ایک عورت کو سانپ نے ڈس لیا، لوگوں نے حضرت عمرو بن حزم صحابی کو جو اس کا منتر جانتے تھے بلایا کہ منتر پڑھ دو، انہوں نے انکار کیا، لوگوں نے اس کی خبر رسول اللہ ﷺ کو دیدی، آپ نے حضرت عمرو کو بلا کر پوچھا، انہوں نے کہا کہ یا رسول اللہ! آپ نے تو منتر پڑھنے سے منع کیا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ وہ منتر مجھے پڑھ کر سناؤ، جب انہوں نے پڑھ کر سنایا تو آپ نے فرمایا کہ: ”**لا بأس بها، إنما هي مواثيق، فارق بها**“ (۳)

اور بعض نے عورت کے قصہ کے بغیر اس حدیث کو روایت کیا ہے۔ (۴)

دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ تعویذات اگر قرآنی آیات اور اللہ کے ناموں اور دعاؤں پر مشتمل ہوں تو ان کو گلے میں یا اور کسی جگہ لٹکانے کا کیا حکم ہے؟ اس میں اختلاف ہے، صحابہ وعلماء کی ایک جماعت نے جواز کا حکم لگایا ہے اور دوسرے حضرات نے عدم جواز

---

(۱) مستدرک: ۴/۶۳ (۲) مسلم: ۲۱۹۹، طحاوی: ۲/۳۶۱، احمد: ۱۴۶۲۴، صحیح ابن حبان: ۲/۲۹۰

(۳) طحاوی: ۲/۳۶۲، احمد: ۲/۱۵۲۷ (۴) مستدرک: ۴/۴۶۰، ابن ماجہ: ۳۵۱۵، معجم کبیر: ۱۷/۳۷

بیان کیا ہے۔

چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ صحابہ کو خوف و دہشت کے لئے یہ دعاء سکھایا کرتے تھے: " أَعُوْذُ بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَّةِ مِنْ غَضَبِهِ وَ شَرِّ عِبَادِهِ وَمِنْ هَمَزَاتِ الشَّيَاطِيْنِ وَ أَنْ يَحْضُرُوْنَ"، راوی کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمرو اپنی اولاد میں سے جو سمجھدار تھے ان کو یہ کلمات سکھاتے تھے، اور جو سمجھدار نہیں تھے ان کو لکھ کر ڈالتے تھے۔ (۱)

اس سے ایک صحابی کا عمل معلوم ہوا کہ وہ اپنے چھوٹے بچوں کو تعویذ لکھ کر ان کے گلے میں ڈالتے تھے، اور ظاہر ہے کہ ایک صحابی کا یہ عمل ناجائز تو نہیں ہوسکتا، پھر چھوٹے بچوں کو ڈالنے سے بڑوں کے لئے ناجائز ہونا ثابت نہیں ہوتا، یہ کہا جاسکتا ہے کہ بڑوں کو چونکہ وہ خود پڑھ سکتے ہیں اس لئے ضرورت نہیں تھی، لہٰذا اگر کوئی بڑا آدمی ان پڑھ ہو اور پڑھ نہ سکے اسکے لئے ضرورت ہو تو تعویذ کے ڈالنے میں کوئی حرج نہیں۔

صاحب تیسیر العزیز نے کہا کہ:

"جاننا چاہئے کہ صحابہ اور تابعین اور ان کے بعد کے لوگوں نے قرآن، اللہ کے ناموں اور صفات پر مشتمل تعویذ کے لٹکانے کے بارے میں اختلاف کیا ہے، ایک جماعت نے اس کو جائز کہا ہے، اور یہی حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص وغیرہ کا قول ہے اور یہی بات حضرت عائشہ سے مروی قول سے ظاہر ہوتی ہے، اور امام ابو جعفر الباقر نے اور ایک روایت میں امام احمد نے یہی کہا ہے اور ان حضرات نے حدیث کو شرکیہ تعویذات پر محمول کیا ہے، لیکن جن تعویذات میں قرآن اور اللہ کے نام وصفات ہوں وہ ایسے منتر کی طرح ہیں، میں کہتا ہوں کہ علامہ ابن القیم کا بھی یہی مختار ہے۔ اور ایک

---

(۱) ترمذی: ۳۵۲۸، ابوداؤد: ۳۸۹۳، مسند احمد: ۶۶۹۶، مستدرک: ۱/۳۳۷، مصنف ابن ابی شیبہ: ۵/۴۴

جماعت نے کہا کہ یہ جائز نہیں ہے، حضرت ابن عباس وابن مسعود کا یہی قول ہے، اور یہی حضرت حذیفہ اور حضرت عقبہ وعبداللہ بن حکیم کا ظاہر قول ہے، اور تابعین کی ایک جماعت جن میں عبداللہ بن مسعود کے اصحاب بھی ہیں اور ایک روایت میں امام احمد نے یہی کہا ہے، اوران کے اصحاب میں سے اکثر نے اسی کو اختیار کیا اور متأخرین نے اسی پر جزم کیا ہے۔ (۱)

معلوم ہوا کہ قرآنی آیات اور دعاؤں اور اللہ کے ناموں پر مشتمل تعویذات گلے وغیرہ میں ڈالنے کے بارے میں سلف میں دورائے ہیں، اور دونوں طرف بڑے بڑے حضرات صحابہ وتابعین وائمہ ہیں، لہٰذا اس کی گنجائش ہے، اگر کوئی نہ ڈالے تو انسب وبہتر ہے، لیکن ڈالنے والوں کو برا بھلا کہنا جیسا کہ بعض ناواقف ومتشدد لوگوں کا طریقہ ہے، یہ صحیح نہیں ہے۔

غیراللہ سے توسل کی شرکیہ صورت:

توحید اسلامی میں بار بار اس پر زور دیا گیا ہے کہ جب تمہیں کوئی حاجت و ضرورت پیش آئے، کوئی مسئلہ درپیش ہو جائے، مصیبت و پریشانی کا سامنا کرنا پڑے تو اسی ایک اللہ کو پکارو، جو سب کا خالق و مالک ہے، جو نبیوں اور رسولوں، ولیوں اور اقطاب وابدال سب کا حاجت روا و مشکل کشا ہے، جس کو سب ہی نے اپنی ضرورتوں و حاجتوں میں پکارا ہے، جس کے سامنے سب ہی نے بیماریوں و مصائب میں عاجزی و درماندی و بے بسی کا اظہار کیا ہے، وہی تمہاری بگڑی بنائے گا، مشکلیں آسان کرے گا، ضرورتیں پوری فرمائیگا، اس کو پکارنے کے لئے تمہیں کوئی چیز رکاوٹ نہیں ہے۔ لہٰذا اس کے لئے کسی کا وسیلہ پکڑنے اور کسی کو واسطہ بنانے کی بھی کوئی حاجت نہیں ہے۔

یہاں ایک بات سمجھ لینا چاہئے کہ توسل کی متعدد صورتیں اور شکلیں ہیں، ان میں

---

(۱) تیسیر العزیز الحمید: ۱/۱۳۷

سے بعض غیر مشروع و نا جائز ہیں اور بعض مشروع و جائز ہیں:

توسل کی پہلی صورت: توسل کی بدترین صورت وہ ہے جو زمانۂ جاہلیت کے مشرکین میں رائج تھی، وہ یہ کہ ان مشرکین کا عقیدہ و مذہب یہ تھا کہ جو لوگ نیک و مقرب تھے ان کو اللہ تعالیٰ نے مقام الوہیت عطا کر دیا، جیسے کوئی شہنشاہ ہو اور اس کا غلام اس کی خدمت کرتا رہے اور خدمت عمدگی سے انجام دے تو وہ بادشاہ اس کو کسی جگہ کی حکومت کا خلعت عطاء کر دیتا ہے اور اپنے زیر فرمان شہروں میں سے کسی شہر کا نظام اس کے حوالہ کر دیتا ہے، اور اپنی مملکت کے اطراف بعض علاقوں میں بھیجتا ہے اور ان کو جزئی امور میں تصرف کا حق دیدیتا ہے، پھر وہ بادشاہ جزوی امور کی طرف متوجہ نہیں ہوتا اور دیگر لوگوں کے امور ان غلاموں کے ہی حوالہ کر دیتا ہے اور جو ان غلاموں کی خدمت کرے ان کے معاملات میں اپنے غلاموں کی سفارش قبول کرتا ہے۔ اسی طرح مشرکین اس کے قائل تھے کہ اللہ کے مخصوص و مقرب بندوں کا تقرب حاصل کرنا اور وسیلہ پکڑنا ضروری ہے تاکہ اللہ تعالیٰ بادشاہ مطلق کے دربار میں قبولیت آسان ہو اور ان کے حق میں وہ مقربین کی سفارش قبول ہو۔ نیز یہ مشرکین اس بات کے قائل تھے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت جب ہی قبول ہوگی جب اس کے ساتھ ان بتوں کی عبادت بھی کی جائے، بلکہ وہ کہتے تھے کہ اللہ تعالیٰ تو بہت ہی بلند و بالا ہے، لہٰذا اس کی عبادت براہ راست اسکے تقرب کا ذریعہ نہیں بن سکتی، بلکہ ضروری ہے کہ ان بتوں و معبودوں کی پوجا کی جائے تاکہ وہ اللہ کے پاس ہماری سفارش کریں۔ (۱)

اسلام نے اس شکل و صورت توسل کو باطل و شرک قرار دیا اور اس کے خلاف قرآن کی بے شمار آیات دلالت کرتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ:

﴿ وَيَعۡبُدُونَ مِن دُونِ اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّهُمۡ وَلَا يَنفَعُهُمۡ وَيَقُولُونَ

---

(۱) دیکھو حجۃ اللہ البالغۃ: ۱/۶۷ او ۱/۱۸۳، الفوز الکبیر: ۴

هَـؤُلاءِ شُفَعَاؤُنَا عِندَ اللّهِ ، قُلْ أَتُنَبِّئُونَ اللّهَ بِمَا لاَ يَعْلَمُ فِيْ السَّمٰوٰتِ وَلاَ فِيْ الأَرْضِ سُبْحَانَهُ وَتَعَالَى عَمَّا يُشْرِكُونَ﴾ [یونس:۱۸]

(وہ عبادت کرتے ہیں اللہ کے سوا ان چیزوں کی جو ان کو نہ نقصان پہنچا سکتی ہیں اور نہ ان کو نفع دے سکتی ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ بت تو اللہ کے پاس ہمارے سفارشی ہیں، آپ پوچھئے کہ کیا تم اللہ کو وہ بات بتاتے ہو جو وہ زمین و آسمان میں نہیں جانتا؟ وہ پاک ہے اور بلند ہے ان چیزوں سے جو وہ اللہ کے ساتھ شریک کرتے ہیں)

امام فخر الدین الرازی نے اپنی تفسیر میں مشرکین کی اس صورت حال کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا ہے:

فاعلم أن من الناس من قال : إن أولئك الكفار توهموا أن عبادة الأصنام أشد في تعظيم اللّٰه سبحانه وتعالى ، فقالوا: ليست لنا أهلية أن نشتغل بعبادة الله تعالى بل نحن نشتغل بعبادة هذه الأصنام ، وأنها تكون شفعاء نا عند الله "

پھر ان کی عبادت کے طریقوں اور ان کے مختلف قسم کے معبودوں کا ذکر کرتے ہوئے چوتھی قسم کے بارے میں کہتے ہیں:

" و رابعها أنهم وضعوا الأصنام على صور أنبيائهم و أكابرهم و زعموا أنهم متى اشتغلوا بعبادة هذه التماثيل فإن أولئك الأكابر تكون شفعاء لهم عند الله و نظيره في هذا الزمان اشتغال كثير من الخلق بتعظيم قبور الأكابر على اعتقادهم أنهم إذا عظموا قبورهم فإنهم يكونون شفعاء لهم عند الله "۔(۱)

اس کی تفسیر میں علامہ شبیر احمد عثمانی نے لکھا ہے:

(۱) التفسیر الکبیر: ۴۹/۱۷ تفسیر سورۃ یونس:۱۸

’’خدا کو چھوڑ کر ایسی چیزوں کی پرستش کرتے ہیں جن کے قبضۂ قدرت میں نفع اور ضرر کچھ نہیں، جب پوچھا جاتا ہے تو کہتے ہیں کہ بے شک بڑا خدا تو ایک ہی ہے جس نے آسمان و زمین پیدا کئے، مگر ان اصنام (بتوں) وغیرہ کو خوش رکھنا اس لیے ضروری ہے کہ سفارش کر کے بڑے خدا سے دنیا میں ہمارے اہم کام درست کرادیں گے اور اگر موت کے بعد دوسری زندگی کا سلسلہ ہوا تو وہاں بھی ہماری سفارش کریں گے، باقی چھوٹے موٹے کام جو خود ان کے حدود و اختیار میں ہے ان کا تعلق تو خود انہیں سے ہے، بناءً علیہ ہم کو ان کی عبادت کرنی چاہئے‘‘۔ (۱)

قرآن مجید میں دوسرے مقام پر ہے کہ:

﴿وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهِ أَوْلِيَاءَ مَا نَعْبُدُهُمْ إِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَا إِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى﴾ [الزمر:۳]

(جنہوں نے بنالیا اللہ کو چھوڑ کر حمایتی (وہ کہتے ہیں کہ) ہم تو ان کی پرستش اس لیے کرتے ہیں تاکہ ہم کو اللہ کی طرف قربت کے مقام میں پہنچادیں)

اس کی تفسیر میں علامہ قرطبیؒ فرماتے ہیں کہ:

’’حضرت قتادہ نے کہا کہ جب ان (مشرکین سے) کہا جاتا کہ تمہارا رب اور خالق کون ہے اور آسمانوں اور زمین سے پیدا کرنے اور آسمان سے بارش برسانے والا کون ہے؟ تو کہتے کہ ’’اللہ‘‘ ہے، پھر جب ان سے پوچھا جاتا کہ پھر بتوں کی عبادت کے کیا معنی؟ تو کہتے کہ یہ بت ہم کو اللہ سے قریب کرتے اور ہماری سفارش کرتے ہیں‘‘۔ (۲)

ایک جگہ ان کے بتوں کی بے بسی اور ان کا بندہ ہونا اور خود اپنی بھی مدد سے عاجز ہونا بیان کر کے ان کے اس غلط عقیدہ کی تردید کی گئی ہے، چنانچہ ارشاد ہے:

(۱) تفسیر عثمانی: ۶۷۸ (۲) قرطبی: ۲۳۳/۱۵

﴿ إِنَّ الَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللّٰهِ عِبَادٌ أَمْثَالُكُمْ فَادْعُوهُمْ فَلْيَسْتَجِيبُوا لَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِينَ ﴾ [الأعراف:۱۹۴]

(بلاشبہ وہ جن کی تم اللہ کے علاوہ عبادت کرتے ہو وہ تم ہی جیسے بندے ہیں ،پس تم ان کو پکارو تو سہی کہ دیکھیں وہ تمہارا جواب دیتے ہیں؟ اگر تم سچے ہو)

اسی کے آگے فرمایا گیا ہے کہ:

﴿ وَالَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ لَا يَسْتَطِيعُونَ نَصْرَكُمْ وَلَا أَنْفُسَهُمْ يَنْصُرُونَ ، وَإِنْ تَدْعُوهُمْ إِلَى الْهُدٰى لَا يَسْمَعُوا وَتَرَاهُمْ يَنْظُرُونَ إِلَيْكَ وَهُمْ لَا يُبْصِرُونَ ﴾ [الأعراف:۱۹۷ - ۱۹۸]

(اور تم جن کی عبادت اللہ کے سوا کرتے ہو وہ نہ تو تمہاری کوئی مدد کر سکتے ہیں اور نہ خود اپنی جان ہی بچا سکتے ہیں، اور اگر تم ان کو پکارو رستے کی طرف تو وہ نہ سن سکیں اور تو ان کو دیکھتا ہے کہ وہ تجھے دیکھ رہے ہیں حالانکہ وہ دیکھتے نہیں)

اس سے صاف معلوم ہوا کہ اللہ کے سوا جن کی یہ لوگ پوجا کرتے تھے ان میں کوئی طاقت وقوت نہیں کہ وہ ان کی مدد ونصرت کریں، اور جب کوئی مدد ونصرت ان سے ممکن نہیں تو ان کو اپنا حامی ومددگار سمجھنا اور ان کو اللہ کی جانب سے عطائی الوہیت کا مالک خیال کرنا انتہائی غیر معقول بات ہے۔

اور یہ بات صرف بتوں کے بارے میں نہیں کہی گئی جو بظاہر بھی اور حقیقت کے لحاظ سے بھی بے بسی ومحتاجی کا مکمل نمونہ ہیں اور بے جان چیزیں ہیں، بلکہ قرآن نے حضرت مسیح اور ملائکہ جن کا جاندار ہونا معلوم ہے، اور بظاہر کچھ کرتے دھرتے نظر آتے ہیں ان کے متعلق بھی یہی بات فرمائی ہے۔ سورۂ کہف میں آیا ہے:

﴿ أَفَحَسِبَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَنْ يَتَّخِذُوا عِبَادِي مِنْ دُونِي أَوْلِيَاءَ إِنَّا أَعْتَدْنَا جَهَنَّمَ لِلْكَافِرِينَ نُزُلًا ﴾ [الكهف:۱۰۲]

(کیا ان کافروں نے یہ خیال کرلیا ہے کہ انہوں نے میرے بندوں کو اپنا حمایتی بنالیا ہے، بلاشبہ ہم نے کافروں کے لئے مہمانی کے طور پر جہنم تیار کی ہے)

اس آیت میں میرے بندوں کا ذکر آیا ہے اس کی تفسیر میں علماء نے لکھا ہے کہ مراد حضرت عیسی مسیح اور فرشتے ہیں جن کو کفار اپنا حمایتی وسفارشی خیال کرتے تھے۔ اس میں اللہ تعالی نے اس کی بھرپور تردید فرمادی ہے۔(۱)

اسی طرح ایک اور جگہ ہے:

﴿ قُلِ ادْعُواْ الَّذِينَ زَعَمْتُم مِّن دُونِهِ فَلاَ يَمْلِكُونَ كَشْفَ الضُّرِّ عَنكُمْ وَلاَ تَحْوِيلاً ، أُولَـئِكَ الَّذِينَ يَدْعُونَ يَبْتَغُونَ إِلَى رَبِّهِمُ الْوَسِيلَةَ أَيُّهُمْ أَقْرَبُ وَيَرْجُونَ رَحْمَتَهُ وَيَخَافُونَ عَذَابَهُ إِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ كَانَ مَحْذُوراً ﴾

[بنی اسرائیل:۵۶-۵۷]

(کہہ دیجئے کہ پکارو ان کو جن کو تم خدا سمجھتے ہو، پس یہ نہ تو تمہارے سے تکلیف کو دور کرنے یا اس کو بدلنے کا اختیار نہیں رکھتے ، وہ لوگ جن کو یہ لوگ پکارتے ہیں خود اللہ تک پہنچنے وسیلہ تلاش کرتے ہیں کہ کون اپنے رب کے زیادہ قریب ہے، اور وہ اس کی رحمت سے امید رکھتے اور اس کے عذاب سے ڈرتے ہیں ،اور تیرے رب کا عذاب تو ڈرنے ہی کی چیز ہے)

اس میں ایک قول مفسرین کرام کا یہ ہے کہ اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو حضرت مسیح وحضرت عزیر اور ملائکہ وجنات کی عبادت کرتے تھے، حضرت ابن عباس سے یہی قول امام طبری نے روایت کیا ہے۔(۲)

الغرض ان آیات نے بتادیا کہ خواہ وہ بت ہوں یا حضرت مسیح یا حضرت عزیر یا جنات وملائکہ سب کے سب اللہ کے بندے ہیں ان کے اختیار میں کچھ نہیں ہے وہ خود

---

(۱) دیکھو تفسیر طبری:۲۹۲/۸ (۲) تفسیر طبری:۹۴/۸، تفسیر ابن کثیر:۶۶/۳

اللہ کی قربت کے لئے تلاش وجستجو میں رہتے ہیں کہ کس طرح اللہ کا قرب ملے، وہ تم کو کس طرح سے تمہاری حاجات وضروریات میں کام آئیں گے۔لہٰذا یہ توسل کی صورت شرک ہےاس کی اسلام کبھی گنجائش نہیں دے سکتا۔

توسل کی دوسری صورت: وسیلہ وتوسل کی دوسری صورت یہ ہے کہ بزرگان دین واولیاءاللہ کی مزارات پر جاکران سے عرض کیا جائے کہ آپ اللہ تعالی سے ہمارے لئے دعاءکریں کہ ہمارافلاں کام بنادیا جائے ،ہمیں لڑکا عطاء کیا جائے وغیرہ، یہ صورت بھی جائزنہیں، کیونکہ عام طور پرلوگ یہ سمجھتے ہیں کہ ان اولیاءاللہ کو اتنا حق واستحقاق ہے کہ وہ اگراللہ تعالی سے کہہ دیں تو ضروراللہ تعالی کو وہ کام انجام دینا پڑے گا، جیسے کسی بادشاہ کا مقرب وزیراگر بادشاہ سے کسی کے حق میں سفارش کردے تو وہ بادشاہ اس کی بات ماننے پر مجبورہوجاتا ہے کیونکہ وزیرکا استحقاق اسی کا تقاضا کرتا ہےتو یہ اورزیادہ بری صورت ہے جوقرآن وحدیث کی تعلیمات سے صاف صاف ٹکراتی ہیں۔

قرآن کہتا ہے کہ:

﴿ مَن ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِندَهُ إِلَّا بِإِذْنِهِ ﴾ [البقرة:٢٥٤]

(کون ہے جواللہ کے پاس اس کی اجازت کے بغیرکسی کی سفارش کرے)

ایک جگہ فرمایا کہ:

﴿لَا یَمْلِكُونَ الشَّفَاعَةَ إِلَّا مَنِ اتَّخَذَ عِندَ الرَّحْمَنِ عَهْداً ﴾ [مریم:٨٧]

(وہ سفارش کے مالک نہیں ہیں مگرصرف وہ جس نے رحمٰن سے وعدہ لے لیا ہے)ایک اورموقعہ پرفرمایا گیا ہے کہ:

﴿ وَلَا تَنفَعُ الشَّفَاعَةُ عِندَهُ إِلَّا لِمَنْ أَذِنَ لَهُ ﴾ [السبا:٢٣]

(اوراللہ کے پاس سفارش نہیں کام آئے گی مگرصرف اسے جس کیلئے اجازت دی ہے)

ایک جگہ اور زیادہ واضح بیان ہے:

﴿ وَكَم مِّن مَّلَكٍ فِي السَّمٰوٰتِ لَا تُغْنِي شَفَاعَتُهُمْ شَيْئاً إِلَّا مِن بَعْدِ أَن يَأْذَنَ اللّٰهُ لِمَن يَشَاءُ وَيَرْضَى ﴾ [النجم:٢٦]

(اور کتنے فرشتے آسمانوں میں ہیں جن کی سفارش ان کو کچھ نفع نہیں دیگی، مگر اللہ کی اجازت کے بعد اس کے حق میں جس کے لئے وہ چاہے اور راضی ہو)

ان آیات سے دو باتیں معلوم ہوئیں: ایک تو یہ کہ اللہ کے پاس کسی کی سفارش نہیں چلے گی مگر اس کی جسے اللہ کی اجازت حاصل ہو، دوسری یہ کہ اسی کے حق میں سفارش کی جا سکے گی اور اللہ اس کو قبول کریں گے جس کے بارے میں سفارش کرنے کی اجازت ہوگی۔ لہٰذا اللہ کے دربار کو غیر اللہ کے درباروں پر قیاس کرنا صحیح نہیں کہ اللہ کسی کا مجبور نہیں، اس کے برخلاف دنیوی بادشاہ کسی نہ کسی درجے میں دوسروں کے محتاج ہوتے ہیں۔

اسی لئے فقہاء حنفیہ نے اس طرح کے جملوں سے دعاء کو مکروہ لکھا ہے کہ: اے اللہ! میں انبیاء کے اس حق کے وسیلہ سے سوال کرتا ہوں جو ان کا تجھ پر ہے" کیونکہ اللہ کے ذمہ کسی کا کوئی حق نہیں ہے۔ (۱)

الحاصل اولیاء اللہ کے بارے میں یہ خیال کرنا کہ ان کی بات اللہ کے یہاں ضرور مانی جائے گی، اور اس کا ان کو حق ہے، یہ صحیح نہیں اور قرآن سے متصادم ہے۔

توسل کی تیسری صورت: تیسری صورت یہ ہے کہ قبروں کے پاس اولیاء اللہ سے دعاء کی درخواست کی جائے مگر اوپر والا عقیدہ نہ ہو بلکہ یہ سمجھے کہ یہ اللہ کے مقرب ہونے کی وجہ سے ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالی ان کی دعاء قبول کر لے، مگر یہ صورت بھی ناپسندیدہ و مکروہ ہے، کیونکہ اولیاء اللہ کا اپنی قبروں میں ہماری باتوں کو سنتے ہیں یا نہیں؟

(۱) دیکھو درمختار: ۵۶۹/۹، البحر الرائق: ۳۷۹/۸

اس میں علماء کا قدیم دور سے اختلاف چلا آرہا ہے، یہ سماع موتی کا مسئلہ ہے، اس سلسلہ میں دلائل کا تعارض بھی ہے، جیسا کہ اہل علم پر مخفی نہیں، اسلئے محقق علماء نے اس میں جو بات اختیار کی ہے وہ یہ ہے کہ: ''ہر فرد کو اور ہر وقت میں سماع کا اطلاق بے دلیل ہے، اور اسی طرح یکسر اس کا انکار بھی نصوص کی مخالفت ہے، اس لئے یوں کہا جا سکتا ہے کہ فی الجملہ سماع موتی ثابت ہے، فی الجملہ کا مطلب یہ ہے کہ کسی وقت میں ہوگا، کسی وقت نہ ہوگا اور کسی کے لئے ہوگا، کسی کے لئے نہ ہوگا اور بعض باتوں میں ہوگا بعض میں نہ ہوگا، علامہ آلوسی نے کہا کہ میرے نزدیک یہی راجح ہے۔(۱)

الغرض جب سماع موتی کا مسئلہ خود اختلافی ہے تو اولیاء اللہ کو اپنی حاجات میں دعاء کے لئے کہنا یہ خود ایک اختلاف کی صورت کو ظاہر کرتا ہے۔ اور جب راجح قول کے مطابق ہر وقت اور ہر کسی کا سننا ثابت نہیں تو ان سے خطاب کرنا بے فائدہ بھی ہے۔

مگر اس حکم سے رسول اللہ ﷺ خاص طور پر مستثنیٰ ہیں، کیونکہ یہ بات دلائل کی روشنی میں اپنی جگہ ثابت ہو چکی ہے کہ آپ اپنی قبر اطہر میں زندہ ہیں اور وہاں جانے والے کی بات سنتے ہیں۔ اس بحث کا تکملہ ابھی آگے ہم پیش کریں گے۔

توسل کی چوتھی صورت: اس کی چوتھی صورت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے ہم خود حضرات انبیاء و اولیاء اللہ کے وسیلہ سے دعاء کریں کہ اے اللہ! ہمارا فلاں کام فلاں بزرگ و ولی و صالح کے طفیل میں بنادے اور پورا کردے، پھر اس کی دو صورتیں ہیں: ایک یہ کہ ان بزرگوں و مقربین کی وفات کے بعد ان کے توسل سے دعاء کی جائے، اور دوسری یہ کہ ان کی زندگی میں توسل کیا جائے۔ جہاں تک مسئلہ ہے بعد وفات بزرگان ان کے وسیلہ سے دعاء کا، تو اس میں اکثر علماء جواز کے قائل ہیں، اور حافظ ابن تیمیہ اور حافظ ابن القیم اور اہل ظاہر اس کو ناجائز و حرام اور شرک کہتے ہیں، مگر اس میں ہم جمہور

---

(۱) دیکھو روح المعانی: ۲۱-۵۸

علماء کے ساتھ ہیں۔

علامہ ابن تیمیہ وغیرہ کی دلیل یہ ہے کہ جب حضرت عمر کے زمانہ خلافت میں قحط پڑا تھا تو حضرت عمر نے حضرت عباس کے وسیلہ سے دعاء کی اور یہ کہا کہ : اللهم إنا كنا نتوسل إليك بنبينا فتسقينا و إنا نتوسل إليك بعمّ نبينا فاسقِنا "(اے اللہ ہم ہمارے نبی کا وسیلہ لیتے تھے تو آپ ہمیں سیراب کرتے تھے اور ہم آپ کے نبی کے چچا کا وسیلہ لیتے ہیں لہٰذا ہمیں سیراب کیجئے) تو بارش سے سیراب کئے گئے۔(۱)

یہ حضرات کہتے ہیں کہ اگر وفات کے بعد رسول اللہ ﷺ کے وسیلہ سے دعاء کرنا جائز ہوتا تو حضرت عمر خود رسول اللہ ﷺ کے وسیلہ سے دعاء کرتے ،اور حضرت عباس کا وسیلہ لینے کی ضرورت نہ ہوتی ،معلوم ہوا کہ یہ جائز نہیں تھا اس لئے حضرت عمر نے رسول اللہ کے بجائے حضرت عباس کا وسیلہ لیکر دعاء کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ائمہ میں سے کسی سے بھی بعد وفات نبی یا صالح سے وسیلہ لینا ثابت نہیں۔(۲)

مگر یہ بات صحیح نہیں ،کیونکہ خود اللہ کے رسول ﷺ سے اس طرح کا توسل حدیث میں ثابت ہے، لیجئے:

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب حضرت علی کی والدہ فاطمہ بنت اسد کا انتقال ہوا اور ان کی قبر تیار ہوگئی تو رسول اللہ ﷺ نے ان کے حق میں یہ دعاء کی: " اَللّٰهُ الَّذِي يُحيِيُ وَ يُمِيتُ ، وَهُوَحَيٌّ لَا يَمُوتُ ،اِغفِرُ لِأُمِّي فَاطِمَةَ بُنتِ أَسَدٍ وَ لَقِّنهَا حُجَّتَهَا وَوَسِّع عَلَيهَا مُدخَلَهَا بِحَقِّ نَبِيِّكَ وَ الأَنبِيَاءِ الَّذِينَ مِن قَبلِي فَإِنَّكَ أَرحَمُ الرَّاحِمِينَ "(اللہ جو زندہ کرتا اور مارتا ہے اور وہ خود زندہ ہے جو مرتا نہیں ،میری والدہ فاطمہ بنت اسد کی مغفرت فرما دے اور ان کو ان کی دلیل ایمان تلقین کردے اور ان کی قبر کو کشادہ کردے تیرے نبی اور میرے سے پہلے

(۱) بخاری:۹۶۴،صحیح ابن حبان:۱۱۰/۷،معجم کبیر:۷۲/۱،سنن بیہقی:۳۵۲/۳ (۲) کتاب الزیارۃ مندرجہ الجامع الفرید:۴۳۵

نبیوں کے توسل سے، بلاشبہ تو ارحم الراحمین ہے)(۱)

اس حدیث کو بعض علماء محدثین نے ضعیف کہا ہے، جیسے ابن الجوزی نے کہا کہ اس حدیث کے بیان کرنے میں روح بن صلاح تنہا ہیں اور وہ مجہولین میں شمار ہیں اور ابن عدی نے ان کو ضعیف کہا ہے۔(۲)

مگر ابن الجوزی میں تشدد تھا، اور وہ بعض صحیح حدیثوں کو بھی ضعیف بلکہ موضوع کہہ دیا کرتے تھے، جیسا کہ اہل علم پر مخفی نہیں، یہاں بھی صحیح یہ ہے کہ یہ حدیث ضعیف نہیں، بلکہ حسن ہے کیونکہ اس کے تمام راوی صحیح بخاری کے راوی ہیں، صرف ایک راوی روح بن صلاح پر کلام کیا گیا ہے اور ان کی بھی دو جلیل القدر محدثین نے توثیق کردی ہے ایک امام ابن حبان نے دوسرے امام حاکم نے۔(۳)

علامہ ہیثمی کہتے ہیں: رواه الطبراني في الكبير والأوسط ، و فيه روح بن صلاح ، وثقه ابن حبان والحاكم ، وفيه ضعف ، و بقية رجاله رجال الصحيح۔ (اس حدیث کو طبرانی نے معجم کبیر واوسط میں روایت کیا، اور اس کی سند میں روح بن صلاح راوی ہے جس کو ابن حبان اور حاکم نے ثقہ کہا ہے اور اس راوی میں کچھ ضعف ہے، اور اس کے باقی راوی سب صحیح کے راوی ہیں)(۴)

اس سے معلوم ہوا کہ ابن عدی نے تو روح بن صلاح کو ضعیف کہا ہے مگر دوسرے محدثین نے اس کو ثقہ بھی کہا ہے، لہٰذا یہ مختلف فیہ راوی ہیں اور ایسے راوی کی حدیث حسن ہوتی ہے۔ اس حدیث سے یہ بات معلوم ہوئی کہ خود رسول اللہ ﷺ نے اپنے سے ماقبل انبیاء کا وسیلہ لیا ہے، جب آپ نے لیا ہے تو ہم تو بدرجۂ اولی لے سکتے ہیں۔

پھر بعد وفات نبی ﷺ آپ کے وسیلہ سے دعاء کرنا بلانکیر سلف سے چلا آ رہا ہے،

---

(۱) معجم کبیر: ۲۴/۳۵۱، والاوسط: ۱/۶۷، حلیۃ الاولیاء : ۳/۱۲۱ (۲) العلل المتناهية: ۱/۲۷۰

(۳) دیکھو لسان المیزان: ۲/۴۶۵، کتاب الثقات: ۸/۲۴۴ (۴) مجمع الزوائد: ۹/۲۵۷

اور بعض صحابہ سے بھی ثابت ہے۔

(۱) حضرت عثمان بن حنیف جو مشہور صحابی ہیں ان سے ثبوت ملتا ہے، امام طبرانی نے اپنی معجم صغیر و معجم کبیر میں روایت کیا کہ ایک شخص اپنی کسی حاجت سے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے پاس آیا جایا کرتا تھا، مگر حضرت عثمان اس کی طرف کوئی توجہ نہیں فرماتے تھے، اس شخص نے حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ سے اس کی شکایت کیا، تو انہوں نے کہا کہ لوٹا لے، وضوء کر اور مسجد میں جا کر دو رکعت نماز پڑھ، پھر یہ دعاء کر:

" اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَسْئَلُكَ وَ أَتَوَجَّهُ إِلَيْكَ بِنَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ ﷺ نَبِيِّ الرَّحْمَةِ، يَا مُحَمَّدُ ! إِنِّي أَتَوَجَّهُ بِكَ إِلٰى رَبِّي فَتَقْضِي لِي حَاجَتِي "

(اے اللہ ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اور تیری جناب میں متوجہ ہوتا ہوں ہمارے نبی محمد کے وسیلہ سے جو کہ نبی رحمت ہیں، اے محمد! میں آپ کے رب کی طرف متوجہ ہوتا ہوں آپ کے وسیلہ سے، پس میری حاجت پوری فرما دیجئے)

اس کے بعد تو حضرت عثمان کے پاس جا، میں بھی چلوں گا، وہ شخص گیا اور وہی کیا جو انہوں نے کہا تھا، پھر حضرت عثمان کے دروازے پر گیا تو دربان نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے حضرت عثمان کے پاس پیش کر دیا، انہوں نے اس کو اپنی چٹائی پر بٹھایا اور اس کی حاجت پوچھی اور اس کو پورا کر دیا، وہ شخص وہاں سے نکلا اور حضرت عثمان بن حنیف سے ملا، اور عرض کیا کہ اللہ آپ کو جزاء دے کہ آپ کے کہنے سے حضرت عثمان نے میری ضرورت پوری کر دی، انہوں نے کہا کہ میں نے تو ان سے کوئی بات چیت ہی نہیں کی، لیکن میں نے رسول اللہ ﷺ کے پاس یہ واقعہ دیکھا کہ ایک نابینا آپ کے پاس آیا اور بینائی کے جاتے رہنے کی شکایت کی تو رسول اللہ ﷺ نے اس کو یہ کہا کہ وضو کر، نماز پڑھ اور یہ دعاء پڑھ، اور اس نے ایسا ہی کیا تو ابھی بات زیادہ لمبی نہیں ہوئی تھی کہ وہ آیا

اور ایسا ہو گیا گویا کہ اس کو کوئی تکلیف ہی نہیں تھی۔ (۱)

اس حدیث کو امام طبرانی نے معجم صغیر میں صحیح کہا ہے، اور علامہ ابن تیمیہ نے اپنے فتاوی میں نقل کیا ہے کہ امام عبداللہ المقدسی نے صحیح قرار دیا ہے۔ (۲)

اس میں حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو اللہ کے نبی ﷺ کا وسیلہ لیکر دعاء کرنا سکھایا ہے، اگر یہ نا جائز ہوتا تو ایک صحابی اس کو کس طرح گوارا کرتے؟

(۲) حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے ہونے والے ایک واقعہ سے اس کا ثبوت ہوتا ہے کیونکہ حضرت عمر کی جانب سے اس کی تقریر و تصدیق کی گئی ہے، وہ یہ کہ مالک الدار جو حضرت عمر کے خازن تھے وہ کہتے ہیں کہ حضرت عمر کے زمانے میں ایک بار قحط ہو گیا تو ایک دیہاتی شخص نے رسول اللہ ﷺ کی قبر اطہر کے پاس آ کر عرض کیا کہ : ”یا رسول الله ! ا ستسق لأمتك ، فإنهم قد هلكوا “(یا رسول اللہ! اپنی امت کے لئے بارش طلب کیجئے کہ وہ تو ہلاک ہو گئی)، اس کے بعد اس کو خواب میں کہا گیا تو عمر کے پاس جا کر سلام سنانا اور ان سے کہنا کہ تم کو سیراب کیا جائے گا، اور یہ بھی کہنا کہ عقل مندی سے کام کیا کریں، وہ شخص آپ کے پاس آیا اور یہ ساری بات سنائی، حضرت عمر رونے لگے اور فرمایا کہ: اے رب! میں تو کاموں میں کوتاہی نہ کروں گا مگر یہ کہ کسی کام سے عاجز ہی ہو جاؤں۔ (۳)

اس کے راوی مالک بن عیاض الدار ہیں جو حضرت عمر کے آزاد کردہ غلام ہیں، ان کے بارے میں علی بن المدینی نے کہا ہے کہ یہ مجہول ہیں کیونکہ ان سے صرف محمد بن اسحاق نے روایت کیا ہے۔ (۴)

لیکن ان کو مجہول قرار دینا صحیح نہیں، کیونکہ محدثین کی اصطلاح میں مجہول وہ ہے

---

(۱) معجم کبیر: ۳۰/۹، معجم صغیر: ۲۰۶/۱ (۲) مجموعۃ الفتاوی : ۲۷۴/۱ (۳) مصنف ابن ابی شیبہ: ۳۵۶/۶ (۴) تھذیب الکمال: ۶۲۴/۲۲ وتھذیب التھذیب: ۱۹۴/۸

جس سے صرف ایک راوی روایت کرے، اور جس سے دو راوی روایت کرنے والے ہوں وہ مجہول نہیں رہتا، اور مالک الدار سے دو سے زائد راوی روایت کرنے والے پائے جاتے ہیں، امام مزی نے تھذیب الکمال میں یہ نام ان سے روایت کرنے والوں کے دئے ہیں: ان کے بھائی محمد بن عبد اللہ بن مالک، ابو صالح السمان، دوسرے محمد بن اسحاق بن یسار، عبداللہ بن لہیعہ، فلیح بن سلیمان، حسن بن الحر، عتبہ بن ابی الحکم۔ لہٰذا یہ مجہول الذات تو نہیں ہو سکتے۔ اب زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ مجہول الوصف ہیں، مگر یہ بات بھی اسطرح دور ہو جاتی ہے کہ امام ابن حبان نے ان کو ثقات میں شامل کیا ہے۔ (۱)

اور محدثین کا اصول یہ ہے کہ اگر کسی راوی کے بارے میں کوئی ایک محدث بھی توثیق کر دے تو پھر وہ مجہول الوصف نہیں رہتا، بلکہ اس سے نکل جاتا ہے۔ الغرض یہ حدیث بھی اصول محدثین کے لحاظ سے قابل اعتبار ہے۔ اسی لئے امام ابن کثیر نے اس کی سند کو صحیح قرار دیا ہے۔ (۲)

ہاں کوئی یہ شبہ کر سکتا ہے کہ یہ تو ایک خواب کا واقعہ ہے اس کو ایک شرعی مسئلہ کے لئے حجت بنانا کیسے جائز ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ہم اس کو مسئلہ کی دلیل یا حجت نہیں بنا رہے ہیں، بلکہ اس بات کا ثبوت بنا رہے ہے کہ توسل کرنے کا رواج صحابہ کے زمانے میں بھی رہا ہے، لہٰذا یہ کہنا کہ صحابہ کے دور میں اس کا رواج نہیں تھا غلط ہے، نیز حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسے موحد اعظم نے اس واقعہ پر کوئی تنقید و نکیر نہیں کی ہے، جس سے ان کا اس واقعہ کی تصدیق کرنا بھی ثابت ہوتا ہے اور حضرت عمر کی تصدیق و شہادت اس کے جواز ہی کی وجہ سے ہو سکتی ہے۔

(۳) حضرت عبد اللہ بن عمر سے مروی ہے کہ وہ جب بھی سفر میں جاتے یا

---

(۱) دیکھو: الثقات: ۵/۳۸۴ (۲) دیکھو البدایہ والنہایہ: ۷/۹۲

سفر سے واپس ہوتے تو قبر نبوی پر حاضر ہوتے اور درود شریف پیش کرتے اور دعاء کرتے پھر واپس ہوتے۔(۱)

یہ ظاہر ہے کہ دعاء کے لئے قبر نبوی پر حاضری کی کوئی خاص ضرورت نہیں، لہٰذا اس سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ آپ وہاں دعاء شفاعت کرتے تھے۔ یہ بھی اس بات کا ثبوت ہے کہ بعد وفات نبوی آپ سے سفارش کرنا جائز ہے۔

معلوم ہوا کہ سلف میں اس کا ثبوت ملتا ہے، چنانچہ امام ابوبکر حصنی دمشقی نے علامہ ابن تیمیہ کے رد میں جو مفصل کتاب " دفع شُبه من تشبّه و تمرّد ونسب ذلك إلى السيد الإمام أحمد" لکھی ہے اس میں وہ صاف بتاتے ہیں کہ :"لم يزل أهل الإيمان يتوسلون به من غير نكير"(کہ اہل ایمان ہمیشہ رسول اللہ ﷺ کا وسیلہ لیتے چلے آئے ہیں)۔(۲)

توسل کی پانچویں صورت: اس کی پانچویں صورت یہ ہے کہ نبی یا ولی کی حیات میں اس کے وسیلہ سے اللہ تعالی سے دعاء کی جائے، اس میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں کہ یہ صورت جائز ہے، البتہ علامہ ابن تیمیہ اور بعض اہل ظاہر نے اس میں نبی کی ذات سے وسیلہ اور اس کی دعاء سے وسیلہ کی دو قسمیں پیدا کر کے ذات سے وسیلہ کو حرام و شرک اور اس کی دعاء سے وسیلہ کو جائز قرار دیا ہے۔ مگر جمہور علماء سے یہ تفریق ثابت نہیں۔ اور ذات سے وسیلے کے جواز کی دلیل یہ حدیث ہے:

متعدد محدثین کرام نے حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ ایک شخص نبی کریم ﷺ کی خدمت میں آیا اور اس نے اپنی بینائی کے جاتے رہنے کی شکایت کی اور آپ سے دعاء عافیت کی درخواست کی، آپ ﷺ نے اس سے فرمایا کہ

(۱) مؤطا امام محمد: شعب الایمان: ۳/ ۴۷۸، مگر اس میں صرف واپسی کے وقت کا ذکر ہے

(۲) دفع الشبہ: ۱۷

چاہو تو دعاء کردوں یا چاہو تو صبر کرو، یہ تمہارے حق میں بہتر ہے، اس نے عرض کیا کہ دعاء ہی کردیجئے، آپ نے اس کو اچھی طرح وضو کرنے اور دو رکعت نماز پڑھنے کا حکم دیا اور فرمایا کہ پھر یہ دعاء کرو:

" اَللّٰھُمَّ إِنِّيْ أَسْئَلُكَ وَ أَتَوَجَّهُ إِلَيْكَ بِنَبِيِّكَ مُحَمَّدٍ نَبِيِّ الرَّحْمَةِ ، يَا مُحَمَّدُ! إِنِّيْ أَتَوَجَّهُ بِكَ إِلٰى رَبِّيْ فِيْ حَاجَتِيْ هٰذِهِ لِتَقْضِيَ لِيْ فَشَفِّعْهُ لِيْ "

(اے اللہ ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اور تیری جناب میں متوجہ ہوتا ہوں تیرے نبی محمد کے وسیلہ سے جو کہ نبی ٔرحمت ہیں ، میں (اے نبی) آپ کے رب کی طرف متوجہ ہوتا ہوں آپ کے وسیلہ سے ،پس (اے اللہ !) میری حاجت پوری فرمادیجئے ،اوران کو میرا سفارشی کرلیجئے) بعض روایات میں یہ بھی آیا ہے کہ اس نے ایسا ہی کیا اور دعاء کی تو فوراً اچھا ہوگیا۔(۱)

اس حدیث کو علماء حدیث نے صحیح قرار دیا ہے، امام ترمذی نے اس کو صحیح حسن کہا ہے، اور امام حاکم نے کہا کہ صحیح علی شرط الشیخین ہے، لیکن بعض غیر مقلدین اس حدیث کو کمزور قرار دینے کے لئے اس پر بحث کرتے ہیں، ایک تو یہ کہ اس کے راویوں میں سے ایک ابو جعفر ہیں جن پر اس حدیث کے تمام طرق کا مدار ہے، مگر یہ ابو جعفر کون ہیں؟ اس میں بعض کی رائے یہ ہے کہ یہ ابو جعفر عیسی بن ابی عیسی ہیں جن کی بعض محدثین توثیق کرتے ہیں اور بعض تضعیف کرتے ہیں۔ دوسری رائے اکثر محدثین کی یہ ہے کہ یہاں ابو جعفر سے مراد ''عمیر بن یزید الخطمی المدنی'' ہیں۔

بعض غیر مقلدین نے اس حدیث کو کمزور کرنے کے لئے پہلے قول کو ترجیح دی ہے مگر یہ صحیح نہیں، کیونکہ متعدد حضرات محدثین نے اپنی روایت ہی میں اس کی تصریح

(۱) ترمذی: ۳۵۷۸، ابن ماجہ: ۱۳۸۵، احمد: ۱۷۲۷۹، صحیح ابن خزیمہ: ۲۲۵/۲، مستدرک: ۴۵۸/۱، و ۷۰۰/۱، و ۷۰۷/۱، سنن کبری للنسائی: ۱۶۹/۶، مسند عبد بن حمید: ۱۴۷/۱

کردی ہے، مثلاً ابن ماجہ اور احمد، ابن خزیمہ اور حاکم نے " ابو جعفر المدنی " کہا ہے، حاکم نے ایک روایت میں " ابو جعفر الخطمی " اور ایک روایت میں "ابو جعفر الخطمی وھو المدنی " کہاہے، اور طبرانی نے " ابو جعفر الخطمی المدنی " کہا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ ابوجعفر سے مراد اس جگہ عمیر بن یزید ہی ہیں۔ لہٰذا جن لوگوں نے اس حدیث کو کمزور قرار دینے کے لئے یہ کوشش کی ہے کہ یہاں ابوجعفر سے مراد عیسی بن ابی عیسی لیا جائے، یہ صحیح نہیں ہے۔

دوسرے اس لئے کہ یہ حدیث ابوجعفر نے دو شیوخ سے روایت کی ہے ایک حضرت ابو امامہ بن سہل بن حنیف سے دوسرے عمارہ بن خزیمہ سے، اور تاریخی طور پر ان دونوں حضرات کا ابوجعفر خطمی کے اساتذہ میں ہونا متعدد حضرات نے بیان کیا ہے۔ (۱)

لیکن ابوجعفر رازی کے اساتذہ میں ان دو حضرات کو کسی نے شمار نہیں کیا ہے، اس سے یہ بات صاف معلوم ہوتی ہے کہ یہاں ابوجعفر خطمی مدنی مراد ہیں نہ کہ ابوجعفر رازی۔

اور یہ ابوجعفر خطمی مدنی ثقہ و قابل اعتبار راویوں میں سے ہیں، ان پر کسی نے جرح نہیں کی ہے، اس کے بجائے ابن معین، نسائی، ابن حبان، نے ان کو ثقہ کہا ہے اور عبدالرحمٰن بن مہدی نے کہا کہ ابوجعفر، ان کے باپ اور دادا سب کے سب سچائی میں یکے بعد دیگرے وارث ہوتے چلے آئے ہیں۔ (۲)

دوسری بحث یہ پیدا کی گئی ہے کہ اس حدیث کی سند میں اضطراب ہے کیونکہ ابوجعفر سے روایت کرنے والے ان کے شاگردوں میں سے بعض لوگ ابوجعفر کے استاذ و شیخ کا نام عمارہ بن خزیمہ بتاتے ہیں اور بعض ان کے شیخ کا نام ابوامامہ بن سہل

(۱) دیکھو تھذیب الکمال: ۲۲/۳۹۱، تھذیب التھذیب: ۸/۱۳۴ (۲) تھذیب الکمال: ۲۲/۳۹۲، تھذیب التھذیب: ۸/۱۳۴

بتاتے ہیں، لہٰذا یہ روایت قابل اعتبار نہیں ہے، مگر یہ اعتراض بھی صحیح نہیں، کیونکہ جب یہ ثابت ہے کہ ابوجعفر کطمی کے شیوخ میں یہ دونوں حضرات شامل ہیں تو یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ابوجعفر نے یہ حدیث اپنے دونوں شیوخ سے سنی ہو اور کبھی ایک کے حوالے اور کبھی دوسرے کے حوالے سے بیان کی ہو، لہٰذا اس کو اضطراب کہنا صحیح نہیں، کیونکہ اضطراب یہ ہے کہ دو باتوں میں تضاد و اختلاف ہو، یہاں ان دو باتوں میں کوئی اختلاف نہیں ہے، بلکہ دونوں باتیں ممکن و واقع ہیں۔

الغرض اس بحث سے اندازہ ہوگیا کہ یہ حدیث جمہور کے نزدیک معتبر و قابل اعتماد ہے، جیسا کہ متعدد محدثین حضرات نے اس کی تصحیح فرما کر بتا دیا ہے۔

توسل کی چھٹی صورت: صورت یہ ہے کہ کسی نبی یا ولی و بزرگ سے اس کی حیات میں دعاء کی درخواست کی جائے، یہ بالتفاق جائز اور اللہ کے رسول ﷺ سے بھی ثابت ہے کہ آپ نے بعض صحابہ سے دعاء کی درخواست فرمائی۔

توسل کی ساتویں صورت: اس کی ساتویں صورت توسل بالاعمال ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ ایمان و اعلام کا وسیلہ لے کر اللہ تعالی سے دعاء کی جائے، یہ بالاتفاق مشروع و مستحب ہے۔ اور قرآن میں بھی اس کا حکم دیا گیا ہے:

﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُواْ اتَّقُواْ اللّهَ وَابْتَغُواْ إِلَيهِ الْوَسِيلَةَ وَجَاهِدُواْ فِي سَبِيلِهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴾ [المائدة:۳۵]

(اے ایمان والو! اللہ تعالی سے ڈرو اور اس تک پہنچنے وسیلہ تلاش کرو، اور اس کے راستے میں مجاہدہ کرو تا کہ تم کامیاب ہو)

اس کی تفسیر میں متعدد حضرات مفسرین نے کہا کہ مراد اللہ کی قربت ہے، اس کی وضاحت میں حضرت قتادہ کہتے ہیں: " أي تقربوا إليه بطاعته والعمل بما يرضيه " (یعنی اللہ کی قربت حاصل کرو اس کی اطاعت اور اس کو راضی کرنے والے

اعمال کے ذریعہ) علامہ ابن کثیر کہتے ہیں کہ ان حضرات نے اس کی تفسیر میں جو فرمایا ہے اس میں اہل اسلام میں کوئی اختلاف نہیں۔ (۱)

نیز حدیث میں غار والوں کا ایک لمبا قصہ آیا ہے کہ تین آدمی پہلے زمانے کے جارہے تھے، راستے میں بارش ہونے لگی تو ایک غار میں جا چھپے، اور پہاڑ کے اوپر سے ایک بڑی چٹان سرک کر غار کے منہ پر آگری اور غار سے نکلنے کا راستہ بند ہو گیا، پھر ان تینوں آپس میں کہا کہ :"إنه لا ينجيكم من هذه الصخرة إلا أن تدعوا اللّٰهَ بصالح أعمالكم " (تمہیں اب کوئی چیز اس چٹان سے نجات نہیں دے سکتی سوائے اس کے کہ تم اپنے نیک اعمال کے وسیلے سے اللہ سے دعاء کرو) پھر انہوں نے اللہ سے اپنے نیک اعمال کا واسطہ دیکر دعاء کی ، اور اللہ نے اس چٹان کو غار کے منہ سے ہٹا دیا۔ (۲)

اس سے بھی اس بات کا ثبوت ہوتا ہے کہ اپنے نیک اعمال کا وسیلہ لینا جائز ہے۔ الغرض اس طویل بحث سے ہمارا مقصود یہ ہے کہ توسل کی مشروع اور غیر مشروع صورتیں سامنے آجائیں اور امت مسلمہ صرف جائز صورتوں کو اپنائے اور ناجائز اور شرکیہ صورتوں سے بالکلیہ پرہیز کرے۔

کڑوں، انگوٹھیوں، دھاگوں پر اعتماد کی نفی:

ایک توحید پرست کے لئے یہ لازم ہوتا ہے کہ وہ اعتماد و بھروسہ صرف ایک اللہ وحدہ لاشریک پر کرے، کسی چیز پر اس طرح کا اعتماد جیسے اللہ تعالی پر ہونا چاہئے ، ایک مسلمان کی شان سے بعید ہے۔ اس لئے اسلام نے کڑوں، انگوٹھیوں، دھاگوں وغیرہ کو مؤثر سمجھنے اور ان کو استعمال کرنے سے بھی منع کیا ہے۔ اس سلسلہ میں یہ احادیث وآثار

(۱) الطبری: ۵۶۶/۴، ابن کثیر: ۲/۳/۲ (۲) بخاری: ۲۱۵۲، مسلم: ۲۷۴۳، احمد: ۵۹۷۳، شعب الایمان: ۴۱۱/۵

ملاحظہ کیجئے:

(۱) حضرت ابو بشیر انصاری نے خبر دی کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایک سفر میں تھے کہ آپ نے ایک منادی کو یہ اعلان کرنے بھیجا کہ :" ألا لا يبقين في عنق بعير قلادة ولا وترا إلا قطعت" (خبردار! کسی اونٹ کی گردن میں کوئی پٹہ یا تانت نہ رہے مگر وہ کاٹ دی جائے، امام مالک نے کہا کہ میرا خیال ہے کہ یہ نظر کے لئے ہوتے تھے)۔(۱)

(۲) بکر بن سوادہ روایت کرتے ہیں کہ قبیلہ صداء کے ایک صاحب نے ان کو بتایا کہ ہم بارہ آدمی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آئے، اور ہم نے آپ سے بیعت لی، مگر آپ نے ہم میں سے ایک شخص کو چھوڑ دیا، اس کو بیعت نہیں کیا، ہم نے عرض کیا کہ یا نبی اللہ! اس کو بھی بیعت فرما لیجئے، آپ نے فرمایا کہ: میں اس کو اس وقت تک بیعت نہیں کروں گا جب تک کہ وہ اس چیز کو نکال نہ ڈالے جو ہم میں سے کسی پر ہو تو وہ جب تک اس پر ہو گی مشرک ہوگا، وہ صحابی کہتے ہیں کہ ہم نے اس کو دیکھا تو اس کے بازو پر درخت کے چھلکے یا جادو کی کوئی چیز ہے۔(۲)

(۳) حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کو دیکھا جس کے ہاتھ میں پیتل کا ایک کڑا تھا، آپ نے پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ اس نے کہا کہ یہ "واھنہ" (مردوں کے بازو میں ہونے والی ایک بیماری) کے لئے (گنڈا) ہے، آپ نے فرمایا کہ اس کو نکال دے، یہ تو تجھے (ایمان کے لحاظ سے) اور بھی بیمار کرے گا۔(۳)

---

(۱) بخاری: ۳۰۴۳ ۲۸۴۳، مسلم: ۲۱۱۵، ابو داؤد: ۲۵۵۲، مؤطا مالک: ۹۳۷، شرح معانی الآثار طحاوی: ۲/ ۳۶۰، مسند احمد: ۲۱۹۳۷، صحیح ابن حبان: ۱۰/ ۵۵۱ (۲) شرح معانی الآثار: ۲/ ۳۶۰

(۳) ابن ماجہ: ۳۵۳۱، مسند احمد: ۲۰۰۱۴، صحیح ابن حبان: ۱۳/ ۴۴۹

ایک روایت میں ہے کہ آپ نے اس کو یہ بھی فرمایا کہ :"فإنّكَ لو مُتَّ وهي عَلَيْكَ مَا أَفْلَحتَ "(یہ اگر تجھ پر رہا اور تو اسی حال میں مرگیا تو تو کامیاب نہ ہوگا۔(۱)

اسی کی ایک روایت میں اس طرح ہے کہ آپ نے اس سے فرمایا کہ: اگر تیری موت اسی حال میں ہو یہ کہ یہ تجھ پر رہے تو تجھے اسی کے حوالے کردیا جائے گا۔(۲)

(۴) یہ حدیث ہم نے اوپر ذکر کردی ہے کہ حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے نقل کیا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: " مَنْ عَلَّقَ تَمِيْمَةً فَلاَ أَتَمَّ اللّٰهُ لَهُ، وَمَنْ تَعَلَّقَ وَدُعَةً فَلاَ ودع اللّٰهُ لَهُ " (جو تعویذ لٹکائے اللہ اس کے مقصد کو پورا نہ کرے، اور جو ودعہ لٹکائے اللہ اس کو راحت وسکون نہ دے)۔(۳)

اور ہم نے وہیں علامہ ابن الاثیر کے حوالے سے بتایا تھا کہ:''وَدَعہ'' ایک سیپی کی طرح سفید چیز ہوتی ہے جو سمندر سے حاصل کی جاتی ہے اور بچوں وغیرہ کے گلے میں نظر سے حفاظت کے لئے لٹکائی جاتی ہے۔

(۵) حضرت ابو اسامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کے پاس داخل ہوا، اور اس پر پیتل کی انگوٹھی تھی، آپ نے پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ اس نے کیا کہ واھنہ بیماری کے لئے ہے، فرمایا کہ یہ تو اور زیادہ تجھے کمزور کرے گی۔(۴)

(۶) حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کی عیادت کی تو اس کے بازو پر سیر (چمڑے کا تسمہ) بندھا ہوا دیکھا، تو اس کو کاٹ دیا یا نکال دیا اور یہ آیت تلاوت فرمائی کہ :" وَمَا يُؤْمِنُ أَكْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ إِلَّا وَهُمْ مُشْرِكُوْنَ "[یوسف:۱۰٦](اور ان میں سے

---

(۱) مسند احمد:۲۰۰۱۴ (۲) صحیح ابن حبان:۱۳/۴۴۹، معجم کبیر: ۱۷۲/۱۸ (۳) طحاوی:۳۶۰/۷، صحیح ابن حبان: ۴۵۰/۱۳، مسند احمد: ۱۷۴۴۰، مستدرک: ۴۶۳/۴، معجم کبیر: ۲۹۷/۱۷، مسند ابو یعلی:۲۹۵/۳ (۴) معجم کبیر: طبرانی:۱۶۷/۸

اللہ پر ایمان نہیں رکھتے مگر اس حال میں کہ وہ شرک کرنے والے ہیں)(۱)

ان احادیث وآثار میں جس بات پر زور دیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ اعتماد وتوکل ہر بات میں اللہ کی ذات پر ہونا چاہیئے ، نہ کہ کسی اور چیز پر ، ہاں کسی چیز کا کسی بات کا سبب ہونا تجربے یا علم وتحقیق کی بنا پر ثابت ہو تو اس کو محض ایک سبب کی حیثیت سے اختیار کرنا جائز ہے ، بشرطیکہ یہ مانتا ہو کہ اس سبب میں بھی طاقت وقوت اللہ تعالی ہی کے دینے یا رکھنے سے ہے۔

اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا گیا ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ :

”لَیْسَتْ بِتَمِیْمَةٍ مَا عُلِّقَ بَعْدَ أَنْ یَقَعَ الْبُلَاءُ“(وہ تمیمہ نہیں ہے جو بلاء کے نازل ہونے کے بعد لٹکائی جائے)(۲)

اس سے بعض ائمہ نے یہ اخذ کیا ہے کہ مصیبت وبلاء ، بیماری وحادثے سے پہلے ہی کسی ایسی چیز کا یہ خیال کر کے ڈال لینا کہ وہ چیز ان مصائب وآفات کی دافع ہے تو یہ شرک ہے اس لئے یہ جائز نہیں ، لیکن اگر کسی بیماری وغیرہ میں علاج کے طور پر ایسی کسی چیز کو محض دوا وعلاج کے خیال سے ڈالے تو جائز ہے ، اور حضرت عائشہ کا اس قول سے یہی مقصود ہے۔ (۳)

الغرض جو چیز مہارت علمی یا تجربے سے بیماری کی دوا یا پریشانی کا علاج ثابت ہو اس کو بیماری وبلاء کے آنے کے بعد بطور علاج ڈالے تو اس کی اجازت ہے۔

تبرکات میں غلو سے پرہیز کی تعلیم :

شرک کے اسباب میں سے ایک یہ بھی ہے کہ لوگ اپنے بزرگوں کے تبرکات میں حد سے تجاوز کرنے لگتے ہیں اور ان کے ساتھ وہ سلوک کرتے ہیں جو خدا کے ساتھ ہونا چاہیئے ، کبھی ان کو نفع ونقصان کا مالک سمجھتے ہیں ، حاجت روائی ومشکل کشائی کی

(۱) تفسیر ابن کثیر :۲/۶۴۹ (۲) شرح معانی الآثار :۲/۳۶۰ (۳) قالہ الامام الطحاوی :۲/۳۶۰

صفات سے متصف مانتے ہیں، ان پر بھی نذریں چڑھاتے اوران کی منتیں مانتے ہیں۔
یہ سب شرک میں داخل ہے، اس کی بھی اسلام نے جڑ کاٹ دی ہے۔

ہاں تبرکات کوان کے مقام ومرتبے میں رکھا جائے اوراس سے تجاوز نہ کیا جائے تواس میں کوئی حرج نہیں کہ ان کواپنے پاس برکت کی امید سے رکھے۔اوراس کی دلیل یہ ہے کہ احادیث میں خوداللہ کے نبی کا اپنے تبرکات کے تقسیم کرنے اورحضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا اللہ کے نبی ﷺ کے تبرکات کورکھنے اوران سے براہِ تبرک استفادہ کرنے کا ثبوت موجود ہے۔اس سلسلہ میں چنداحادیث ذکر کرتاہوں:

(۱) حضرت انس بن مالک کہتے ہیں کہ جب اللہ کے نبی ﷺ نے قربانی کے دن اپنا سر منڈوایا تو اپنے داہنی جانب کے بالوں کواپنے ہاتھ میں پکڑااور جب حلاق نے مونڈا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اے انس! یہ لواوراس کوابوطلحہ اورام سلیم کودے دو، حضرت انس کہتے ہیں کہ جب لوگوں نے دیکھا کہ آپ نے ان کواس میں سے خاص حصہ دیاہے تو وہ آپس میں اس کے باقی حصے کولینے کے لئے ایک دوسرے سے آگے بڑھنے لگے، پس یہ کوئی گچھالیتاہے اوروہ چند بال لیتاہے اور یہ کچھ لیتاہے۔(۱)

مسلم کی روایت میں ہے کہ آپ نے حلاق سے فرمایا کہ لو،اوراپنی داہنی جانب کو اشارہ کیا پھر بائیں جانب کواشارہ کیا، پھران بالوں کولوگوں میں تقسیم فرمانے لگے۔ ایک روایت یہ ہے کہ آپ نے داہنی جانب کومنڈوایااورایک ایک دودو بال لوگوں میں تقسیم کردئے اور پھر بائیں جانب کومنڈوایااورحضرت ابوطلحہ کوعطاءفرمایا۔(۲)

امام احمد کی روایت میں ہے کہ حضرت انس کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ حلاق آپ کا سر مونڈرہاتھااورصحابہ آپ کے اردگردتھےاوروہ یہ نہیں چاہتے تھے

(۱) سنن بیہقی:۲/۷۴۲ (۲) مسلم:۱۳۰۵، سنن بیہقی:۵/۱۰۳، البدایہ:۵/۱۸۹

کہ کوئی بال گر جائے مگر یہ کہ کسی نہ کسی شخص کے ہاتھ میں پڑے۔(۱)

(۲) حضرت عروہ بن مسعود جب حالت کفر میں صلح حدیبیہ کے موقعہ پر رسول اللہ ﷺ کے پاس صلح کے بارے گفتگو کرنے آئے تھے تو وہاں حضرات صحابہ کا رسول اللہ ﷺ کے ساتھ انتہائی والہانہ و عاشقانہ معاملہ دیکھا اور گواہی دی تھی کہ : " فوالله ما تنخم رسول الله ﷺ نخامة إلا وقعت في كف رجل منهم ، فدلك بها وجهه وجلده وإذا توضأ كادو يقتتلون على وضوئه " (رسول اللہ ﷺ ناک صاف کرتے تو وہ کسی نہ کسی شخص کے ہاتھ میں جاتا اور وہ اس کو اپنے چہرے اور جسم پر مل لیتا اور جب وہ وضوء فرماتے تو وضوء کا پانی لینے کے لئے یہ حالت ہوتی کہ آپس میں لڑائی مچ جائے)۔(۲)

(۳) حضرت عثمان بن عبد اللہ بن موہب کہتے ہیں کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس ایک پیالہ تھا جس میں رسول اللہ ﷺ کے بال تھے، جب کسی شخص کو کوئی بیماری وشکایت ہوتی تو وہ ان کے پاس پانی کا ایک برتن بھیجتا، اور وہ بال اس میں ڈالے جاتے اور وہ اس کو پی لیتا اور وضو کرتا تھا۔(۳)

(۴) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس یمن کی بنی ہوئی ایک ازار اور ایک چادر تھی جن میں اللہ کے نبی ﷺ کا وصال ہوا تھا، وہ لوگوں کو یہ کہکر کبھی کبھی دکھایا کرتی تھیں کہ یہ وہ کپڑے ہیں جن میں اللہ کے نبی ﷺ کی وفات ہوئی ہے۔(۴)

(۵) حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما کے پاس رسول اللہ ﷺ کا ایک ایران کا بنا ہوا عجمی طرز کا جبہ تھا، جس کے گریبان میں ریشم لگا ہوا تھا اور بیچ سے جو کھلا ہوا ہوتا

---

(۱) مسند احمد: ۱۲۳۸۶، البدایہ: ۱۸۹/۵ (۲) بخاری: ۲۵۸۱، شعب الایمان: ۱۹۹/۲، سنن بیہقی: ۲۱۸/۹، تاریخ الطبری: ۱۱۹/۲، البدایۃ: ۱۸۴/۴ (۳) مسند اسحاق بن راہویہ: ۱۷۲/۴، بخاری مختصراً: ۵۵۵۷ (۴) دیکھو بخاری: ۵۴۸۰، مسلم: ۲۰۸۰، ابوداؤد: ۴۰۳۶، مسند احمد: ۲۵۰۴۱

ہے اس میں بھی ریشم لگا ہوا تھا، حضرت اسماء نے اس کو دکھا کر فرمایا کہ یہ عائشہ کے پاس تھا، جب ان کا انتقال ہو گیا تو میں نے اس کو لے لیا، رسول اللہ ﷺ اس کو پہنا کرتے تھے، ہم اس کو مریضوں کے واسطے دھو کر اس سے شفاء حاصل کرتے ہیں۔(۱)

صحابہ کے بعد بھی تابعین وغیرہ میں اس کا ثبوت ملتا ہے کہ انہوں نے بھی تبرکات کو اہمیت دی ہے، حضرت عبیدہ السلمانی جو حضرت عبداللہ بن مسعود کے جلیل القدر شاگرد اور اپنے زمانے کے بڑے محدث وفقیہ ہیں، ان کے بارے میں حضرت ابن سیرین کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عبیدہ السلمانی سے کہا کہ ہمارے پاس رسول اللہ ﷺ کے بالوں میں سے کچھ ہیں جو ہمیں حضرت انس یا کہا حضرت انس کے گھر والوں کے پاس سے حاصل ہوئے۔ تو حضرت عبیدہ کہنے لگے کہ میرے پاس رسول اللہ ﷺ کے بالوں میں سے ایک بال ہو یہ مجھے دنیا وما فیہا سے بہتر ہے۔(۲)

حضرت عثمان بن حکیم کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابو عبیدہ بن عبداللہ بن زمعہ کے گھر والوں کے پاس رسول اللہ ﷺ کے بالوں میں سے چند بال دیکھے ہیں جو حنا سے خضاب کئے ہوئے تھے۔(۳)

ان روایات سے بلا کسی شک وریب کے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ بزرگان دین کے تبرکات کا ایک مقام ہے اور ان سے برائے تبرک استفادہ کیا جا سکتا ہے، جیسے ان کو دھو کر اس پانی سے شفاے امراض کا کام لینا جائز ہے، اور بزرگان کے وضوء کے پانی سے بھی تبرک کیا جا سکتا ہے، اسی طرح بالوں اور کپڑوں سے بھی تبرک لینا جائز ہے۔ یہ ہم نے اس لئے لکھ دیا کہ بعض لوگ تبرکات کا بالکل سرے سے انکار کرتے ہیں، یہ احادیث ان کی تردید کے لئے کافی ہیں۔

---

(۱) مسلم: ۲۰۶۹، شعب الایمان: ۱۴۱/۵، سنن بیہقی: ۴۲۳/۲ (۲) بخاری: ۱۶۸

(۳) ابن ابی شیبہ: ۱۸۳/

اس کے بعد ہم اصل موضوع کی طرف آتے ہیں کہ بعض لوگ تبرکات میں بھی غلو کرتے ہیں، یہ جائز نہیں، اور ان میں سے بعض صورتیں شرک کے مترادف ہیں، حتی کہ سلف صالحین نے اس سے کمتر درجے کی باتوں کو بھی سد باب کے طور پر ناپسند کیا ہے، حالانکہ وہ شرک یا معصیت نہیں تھیں، مگر ممکن تھا کہ ان تبرکات کو لوگ شرک کا ذریعہ ووسیلہ بنالیں اس لئے ان سے بھی منع کیا گیا۔

چنانچہ امام عبد الرزاق اور امام ابن ابی شیبہ نے روایت کیا ہے کہ حضرت معرور بن سوید سے مروی ہے کہ ہم حضرت عمر کے ساتھ حج کے لئے نکلے، مکہ کے راستے میں ایک جگہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ نماز فجر پڑھی، اس نماز میں آپ نے "أَلَمْ تَرَ كَيْفَ" اور " لِإِيلَافِ قُرَيْشٍ " پڑھی، پھر آپ نے لوگوں کو دیکھا کہ وہ ادھر ادھر جارہے ہیں، پوچھا کہ یہ لوگ کہاں جارہے ہیں، تو آپ کو بتایا گیا کہ یہاں ایک مسجد ہے جس میں اللہ کے رسول ﷺ نے نماز پڑھی تھی، لوگ اس میں نماز پڑھنے گئے ہیں، تو آپ نے فرمایا کہ: "إنما هلك من كان قبلكم أنهم اتخذوا آثار أنبيائهم بيعا، من مر بشيء من هذه المساجد فحضرت الصلاه فليصل وإلا فليمض" (تم سے پہلے لوگ اسی وجہ سے ہلاک ہوئے کہ وہ لوگ اپنی نبیوں کے آثار کو عبادت خانے بنالیتے تھے، پس جس کو ان مساجد میں نماز کا وقت پیش آجائے وہ وہاں نماز پڑھ لے اور جس کو پیش نہ آئے وہ چلتا رہے)۔(۱)

اور اسی احتیاط کی بنا پر حضرت عمرؓ نے اس درخت کو کٹوا دیا تھا جس کے نیچے بیٹھ کر نبی کریم ﷺ نے غزوۂ حدیبیہ کے موقعہ پر صحابہ سے بیعت لی تھی، اور وہ وہ درخت ہے جس کا ذکر قرآن میں بھی آیا ہے، اور اس کے کاٹنے کی وجہ یہ تھی کہ لوگ اس درخت کے پاس جاکر تبرک کے لیے عبادت کرنے لگے تھے۔ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو یہ

---

(۱) مصنف عبد الرزاق: ۲/۱۱۸، مصنف ابن ابی شیبہ: ۲/۱۵۱

خبر پہنچی تو آپ نے حکم دیا کہ اس درخت کو کاٹ دیا جائے ، لہٰذا اس کو کاٹ دیا گیا۔ یہ ابن سعد کی روایت ہے اور علامہ ابن حجر قسطلانی نے فتح الباری میں لکھا ہے کہ ابن سعد نے صحیح سند کے ساتھ اس کو روایت کیا ہے۔(۱)

حضرت امیر المؤمنین کا منشأ یہ تھا کہ آج تو یہ لوگ یہاں تبرک کے لیے عبادت کررہے ہیں، لیکن ممکن ہے کہ بعد میں چل کر بعد میں آنے والے لوگوں میں اسی درخت کی عبادت ہونے لگے، اس لیے آپ نے اسے قطع کرادیا تھا۔

اسی طرح تاریخ کی ایک عجیب روایت سے بھی حضرات صحابہ کا یہی طریق و سنت معلوم ہوتی ہے کہ وہ تبرکات کے سلسلہ میں نہایت محتاط تھے، اس روایت کو ابن اسحاق نے اپنی سیرت میں روایت کیا ہے اور ابن کثیر نے اپنی تاریخ میں کہا کہ اس کی سند ابوالعالیہ راوی تک صحیح ہے، وہ روایت یہ ہے کہ حضرت ابوالعالیہ کہتے ہیں کہ جب ہم نے ''تستر'' مقام کو فتح کیا تو شاہِ ایران ہرمزان کے بیت المال میں ہم نے ایک تخت پایا جس پر ایک آدمی کی لاش تھی اور اس کے سر کے پاس ایک مصحف (ان کی مقدس کتاب) رکھی ہوئی تھی ، ہم مصحف کو اُٹھا کر حضرت عمر کے پاس لے گئے، حضرت عمر نے حضرت کعب احبار کو بلایا اور انہوں نے اس کا عربی میں ترجمہ کردیا۔ حضرت ابوالعالیہ کہتے ہیں کہ عرب میں سے میں سب سے پہلا شخص ہوں جس نے اس کو پڑھا، اس میں تمہارے احوال و حالات اور تمہارے معاملات اور بعد میں پیش آنے والے واقعات بیان کیئے گئے ہیں۔ جب حضرت ابوالعالیہ سے پوچھا گیا کہ تم نے اس لاش کا کیا کیا؟ تو کہا کہ ہم نے دن میں ایک جگہ تیرہ قبریں کھودیں ، اور رات میں اس لاش کو ایک قبر میں دفن کیا اور سب قبروں کو برابر کردیا تا کہ ہم لوگوں سے اس کو چھپادیں کہ وہ پھر کھود کر اس کو نہ اُٹھالیں ، جب ان سے پوچھا گیا کہ وہ لوگ اس لاش سے کیا امید رکھتے تھے؟ تو

(۱) طبقات ابن سعد:۲/۱۰۰، فتح الباری:۷/۴۴۸، عیون الاثر:۲/۱۶۰

کہا کہ جب بارش ان سے روک دی جاتی تو وہ لوگ اس لاش کو باہر لاتے اور اس کی وجہ سے ان پر بارش ہوتی۔ پوچھا گیا کہ آپ لوگ اس کو کس کی لاش خیال کرتے ہیں؟ تو کہا کہ یہ حضرت دانیال پیغمبر کی لاش تھی۔ پوچھا کہ وہ کب مرے تھے؟ کہا کہ تین سو سال پہلے۔ پوچھا کہ کیا ان میں کچھ تغیر و تبدیلی آ گئی تھی؟ کہا کہ سوائے گدی کے چند بالوں کے کسی چیز میں کوئی فرق نہیں آیا تھا، کیونکہ انبیاء کا گوشت زمین نہیں کھاتی اور نہ درندے کھاتے ہیں۔(۱)

اس روایت میں بہت بڑی عبرت ہے، وہ یہ کہ حضرات صحابہ نے حضرت دانیال علیہ السلام کے جسد اطہر کو جس کی مقدس و متبرک ہونے میں کوئی کلام نہیں، اور جس کی برکات کا لوگوں نے بار بار مشاہدہ کیا تھا کہ بارش نہ ہونے کی صورت میں ان کے جسد کو باہر لاتے تو اس کی برکت سے بارش ہونے لگتی تھی، اس مقدس جسد کو ان حضرات نے ایک عجیب ترکیب سے لوگوں سے پوشیدہ رکھا کہ تیرہ قبریں کھودیں اور رات کی تاریکی میں ایک میں اس لاش کو دفن کیا اور باقی کھدی ہوئی قبروں کو بھی برابر کر دیا تا کہ کسی کو پتہ ہی نہ چلے کہ وہ کہاں دفن کی گئی ہے۔ ان حضرات کا اس کو اس قدر پوشیدہ رکھنے کا اہتمام اسی لئے تھا کہ لوگ اس تبرک میں غلو کر کے شرکیات میں کہیں گرفتار نہ ہو جائیں۔

اسلاف کی طریقہ سے ہٹ کر آج مسلمانوں میں بعض جگہ تبرکات کے نام پر شرکیات کا بازار گرم نظر آتا ہے، یہ تعزیہ داری کے قائل لوگ بھی اسی تبرک کے نام پر وہ سب کچھ کر گزرتے ہیں جو توحید سے سراسر متصادم ہے۔ بعض جگہ موئے مبارک زیارت کراتے ہیں اور لوگ اس وقت اس پر نذریں چڑھاتے ہیں، منتیں مانتے ہیں، بعض لوگ اس کو سجدہ کرتے ہیں یا اس کے سامنے جھکتے اور سلام پیش کرتے ہیں، اس کے علاوہ اور بھی عجیب و غریب تماشے کئے جاتے ہیں۔ کیا یہ توحید کے

(۱) سیرت ابن اسحاق: ۱/۴۳، البدایہ: ۲/۴۰

خلاف نہیں ہے اور کیا اسی طرح کی رسمیں نہیں ہیں جو غیر لوگ اپنے بتوں کے ساتھ روا رکھتے ہیں؟

پھر یہاں دو باتوں کا دھیان ضروری ہے، ایک تو یہ کہ نبی کریم ﷺ کے تبرکات جیسے بال یا رومال یا کپڑا وغیرہ اس کے بارے میں پہلے یہ ثابت ہونا چاہئے کہ یہ واقعی رسول اللہ ﷺ کی چیزیں ہیں یا نہیں؟ صرف کسی کے یوں ہی رسول اللہ ﷺ کی جانب ان کو منسوب کر دینے سے یہ متبرک نہیں ہو سکتیں تا وقتیکہ اس کا صحیح طریقے پر ثبوت نہ دیا جائے۔ آج بہت سے لوگ اس کا دعوی کرتے ہیں کہ یہ چیز رسول اللہ ﷺ کی ہے، مگر جب ثبوت پوچھا جائے تو اس کا کوئی ثبوت وہ نہیں دے سکتے۔ یاد رکھنا چاہئے کہ جس طرح حدیث کے رسول اللہ ﷺ کی جانب منسوب کرنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ اس کا سند کے ساتھ ثبوت ہو اسی طرح اس میں بھی ثبوت ضروری ہے، ورنہ اس حدیث کی وعید میں داخل ہوں گے جس میں فرمایا گیا ہے کہ :" من کذب علی متعمداً فلیتبوأ مقعده من النار "(جس نے جان بوجھ کر مجھ پر جھوٹ کہا اس کو چاہئے کہ وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے)(۱)

اور دوسری بات یہ ہے کہ تبرکات کے ساتھ معاملہ اپنی حد میں رہنا چاہئے، اس سے تجاوز کرنا اور ان کے ساتھ وہ معاملہ کرنا جو مشرکین کیا کرتے ہیں مشرکیہ عمل ہے، اور وہ معاملہ کرنا جو سلف سے ثابت نہیں ہے، نا مناسب ہے، اسی لئے حضرت قتادہؒ نے مقام ابراہیم کو چھونے پر نکیر کی کہ یہ ثابت نہیں ہے، انہوں نے کہا کہ :" **إنما أمروا أن یصلوا عنده ولم یؤمروا بمسحه ، ولقد تکلفت هذه الأمة شیئا ما تکلفت الأمم قبلها ولقد ذکر لنا بعض من رأی أثر عقبه وأصابعه ، فما زالت هذه الأمة یمسحونه حتی اخلولق و انمحی** "(لوگوں کو اس کے پاس

(۱) : بخاری:۱۱۰، مسلم:۳

نماز پڑھنے کا حکم دیا گیا تھا، انہیں اس کو چھونے کا حکم نہیں دیا گیا، اس امت نے ایک ایسی چیز کا تکلف کیا ہے جس کا پچھلی امتوں نے بھی تکلف نہیں کیا، اور ہمیں دیکھنے والوں نے بتایا کہ مقام ابراہیم پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ایڑی اور انگلیوں کے نشان تھے، پس لوگ مسلسل اس کو چھوتے رہے یہاں تک کہ وہ نشانات مٹ گئے)۔(۱)

بعض موہم شرکیہ الفاظ کی ممانعت:

اسلام چوں کہ توحید کے بارے میں بڑا احساس ہے اس لیے بعض الفاظ جن سے شرک کی بو آتی تھی ان کے استعمال سے بھی منع کر دیا۔ چند احادیث پر غور کیجئے:

(۱) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: "**أخنى الأسماء يوم القيامة عند الله رجل يسمى ملك الأملاک**" (سب سے ذلیل نام والا اللہ کے نزدیک وہ ہے جس کو ملک الاملاک (بادشاہوں کا بادشاہ) کہہ کر پکارا جائے۔(۲)

حضرت سفیان بن عینیہ کہتے ہیں کہ شہنشاہ بھی ملک الاملک کی طرح ہے۔ علامہ نوویؒ فرماتے ہیں کہ یہ نام صرف اللہ کا ہوسکتا ہے، غیر اللہ کو اس سے متصف نہیں کیا جاسکتا۔(۳)

(۲) حضرت عبد اللہ بن عباس سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: "**إذا حلف أحدكم فلا يقل :ما شاء الله و شئت ، ولكن يقول: ما شاء الله ثم شئت**" (تم میں سے کوئی قسم کھائے تو یوں نہ کہے کہ جو اللہ چاہے اور آپ چاہیں بلکہ یوں کہے کہ جو اللہ چاہے پھر آپ چاہیں)(۴)

---

(۱) تفسیر طبری: ۱/۵۸۰، تفسیر ابن کثیر: ۱/۲۳۱، الدر المنثور: ۱/۲۹۲ (۲) بخاری: ۵۸۵۲، مسلم: ۳:۲۱۴، ابوداؤد: ۴۹۶۱، ترمذی: ۲۸۳۷، صحیح ابن حبان: ۱۳/۱۴۷، مستدرک: ۴/۳۰۶، الادب المفرد: ۱/۲۸۵ (۳) ریاض الصالحین: ۵۱۱ (۴) ابن ماجہ: ۲۱۱۷

(۳) حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے کہا کہ :"مَا شَاءَ اللّٰهُ وَ شِئْتَ" (جو اللہ چاہے اور آپ چاہیں) نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ تو نے اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرایا، صرف وہ ہوتا ہے جو اللہ چاہے۔(۱)

(۴) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی شخص (اپنے غلام یا باندی کو) میرے بندے اور میری بندی نہ کہے، اور غلام اپنے آقا کو میرا رب نہ کہے، بلکہ آقا اپنے مملوک کو غلام اور باندی کہے اور مملوک اپنے مالک کو آقا اور سردار کہے، کیونکہ تم سب اللہ کے بندے ہو اور اللہ رب ہے۔(۲)

(۵) ایک روایت میں اس طرح آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: تم میں سے کوئی اپنے غلام کو میرے بندے اور میری بندی نہ کہے، تم سب اللہ کے بندے اور تمہاری عورتیں اللہ کی بندیاں ہیں، بلکہ یوں کہے کہ میرے غلام، میری باندی۔(۳)

ان روایت میں نبی کریم ﷺ کی طرف سے الفاظ کے استعمال میں توحید کا پاس ولحاظ کرنے کی تعلیم دی گئی ہے کہ ایسے الفاظ استعمال نہ کیے جائیں جن میں شرک کی بو بھی آتی ہو اور بندے خدا کے مقام پر نظر آتے ہوں یا ان کی طرف لفظوں میں بھی ایسی صفت منسوب نہ کی جائے جس سے خدا کے ساتھ ان کی برابری کا تصور بھی لازم آتا ہو۔

---

(۱) مسند احمد: ۱۸۳۹، الادب المفرد: ۱/۲۷۴، معجم کبیر: ۱۲/۲۴۴، دارمی: ۲/۲۹۵، سنن بیہقی: ۳/۲۱۷ (۲) ابو داؤد: ۴۹۷۵، مسند احمد: ۹۴۶۵، سنن کبری نسائی: ۶/۶۹، الادب المفرد: ۱/۸۳ (۳) مسلم: ۲۲۴۹، احمد: ۹۹۶۵، الادب المفرد: ۱/۸۲، مسند ابو یعلی: ۱۱/۳۹۱

باب چہارم

مسلم معاشرہ کا جائزہ توحید وشرک

اب تک ناظرین کرام نے یہ دیکھا کہ اسلام نے توحید کی حقیقت کو لوگوں کے قلوب میں بٹھانے اور بسانے کے لئے کس قدر اہتمام و التزام کیا ہے اور اس کی باریکیوں اور نزاکتوں کا کتنا لحاظ رکھا ہے، مگر اب یہ بھی دیکھئے کہ جو امت اس پیغام کی نہ صرف یہ کہ مخاطب بلکہ اس کی علمبردار و داعی بنا کر بھیجی گئی تھی، وہ آج انھیں راہوں پر بھٹک رہی ہے جس پر کبھی یہود و نصاری اور مشرکین بھٹک رہے تھے، کیا اولیاء اللہ کے نام پر ان کی محبت وعقیدت کی نسبت سے جو غلو ہو رہا ہے اور اس کے نتیجہ میں ان کی مزارات پر جو غیر اسلامی رسومات اور شرکیہ افعال کا بازار گرم ہو رہا ہے یہ دراصل اسی طرح کی بیراہ روی و گمراہی نہیں ہے جو یہود نصاری میں پیدا ہو گئی تھی؟ نیز مختلف قسم کی مخلوقات کو نفع ونقصان کا مالک سمجھ کر اس کی تعظیم وتکریم کی بیماری جو امت کے ایک چھتے میں دیکھی جاتی ہے کیا وہ مشرکین کے طرز عمل سے کچھ مختلف چیز ہے؟ جنات و عاملوں کو عالم الغیب سمجھ کر ان پر اعتقاد و یقین کا ایک سلسلہ جو یہاں سے وہاں تک نظر آتا ہے کیا اس میں اور شرک نواز قوموں کے نظریے میں کوئی بنیادی قسم کا فرق ہے؟ یہ اور اس قسم کی ہزاروں خرافات یہ بتا رہی ہیں کہ وہ امت جس پیغام توحید کی علمبردار و دوعی تھی اس کے ایک بہت بڑے طبقے نے اس پیغام کو نظر انداز کر دیا ہے۔

امت کی اس بے راہ روی و گمراہی کا ذکر کسی قدر تفصیل کے ساتھ حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی علیہ الرحمہ نے اپنی مختلف کتابوں میں کیا ہے، یہاں صرف ایک کتاب کا حوالہ کافی ہے، آپ نے اپنی کتاب ”بلاغ المبین“ میں مشرکین کے ساتھ ان قبر پرست

لوگوں کا موازنہ کرتے ہوئے جو فرمایا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ:

’’ہندوستان کے بعض مسلمان ہندوؤں کے ساتھ میل جول کی وجہ سے مشرکانہ عقائد میں مبتلا ہو گئے ہیں، جو کام وہ کرتے ہیں وہی کام یہ مسلمان بھی کرتے ہیں۔ جیسے بت پرست لوگ اپنے بتوں کو ریشم و کمخواب کا لباس پہناتے ہیں اسی طرح پیر پرست لوگ بھی اپنے بزرگوں کی قبروں پر چادریں چڑھاتے ہیں، ہندو غیر اللہ کی پوجا کرتے ہیں تو یہ قبر پرست لوگ بھی قبروں اور بزرگان دین کی پوجا کرتے ہیں، بت پرست لوگ اپنی حاجتوں میں بتوں کو حاجت روا و مشکل کشا سمجھتے کر ان کی نذر و نیاز کرتے ہیں اسی طرح یہ پیر پرست لوگ بھی بزرگان و مجاروان کے ساتھ وہی معاملہ کرتے ہیں، وہ بتوں کی زیارت کے لئے ایک دن میلہ لگاتے ہیں اور پھول و شیرینی و نقد و جنس بطور نذر و نیاز لے جاتے ہیں اور سر بت خانے کی چوکھٹ پر رکھتے ہیں، اسی طرح یہ لوگ پیروں کی مزارات کے لئے ایک دن مقرر کرتے ہیں اور وہی سب کچھ جو مذکور ہوا کرتے ہیں، بلکہ ناچ گانا بھی کرتے ہیں، بت پرست لوگ اپنے بتوں کو ایک دن خوب زیب و زینت کر کے باہر نکالتے ہیں اسی طرح پیر پرست لوگ بھی جھوٹی قبر تعزیہ کو بناؤ سنگار کر کے عاشورے کے دن باہر نکالتے ہیں، اور بت پرست لوگ بتوں کے نام پر جھنڈا نصب کرتے ہیں اور ادب و تعظیم سے بت خانے لے جاتے ہیں اسی طرح یہ قبوری لوگ رنگ برنگ کے جھنڈے شاہ مدار و خواجہ معین الدین چشتی و سالار مسعود غازی و سرور سلطان کے نام پر نکالتے اور نصب کرتے ہیں اور پھر وہاں سے مزاروں پر لے جاتے ہیں اور اس کو عبادت اور اپنی مشکل کے لئے مشکل کشائی کا ذریعہ سمجھتے ہیں، وہ بت پرست لوگ ہر سال ایک دن مقرر کر کے عید مناتے ہیں اور مجمع عام کرتے ہیں تو یہ پیر پرست لوگوں نے بھی عید خم غدیر اور بزرگوں کے قبور کے واسطے عرس کرتے ہیں اور اس میں خوب لہو ولعب و خوشیاں مناتے ہیں اور شیاطین کی ارواح خبیث کو محظوظ و مسرور

کرتے ہیں اور بزرگوں کی روح کوملول ورنجیدہ کرتے ہیں، وہ بت پرست لوگ ہر سال کرشن جی کا یوم پیدائش مناتے ہیں تو یہ لوگ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا بارھویں رجب کو میلاد مناتے ہیں، بت پرست لوگ ملاقات پر کسی مخلوق کا نام لیتے ہیں تو یہ قبوری لوگ یا علی مدد کا نعرہ لگاتے ہیں، وہ بت خانوں میں ڈھول باجا بجاتے ہیں تو یہ قبروں پر قوالی کرتے ہیں اور وضو کے ساتھ سنتے ہیں، مشرکین کی عادت ہے کہ وہ بتوں کے نام کا وظیفہ پڑھتے ہیں اسی طرح یہ لوگ بھی پیروں کا وظیفہ پڑھتے ہیں، وہ بتوں کے نام پر سانڈ چھوڑتے ہیں تو یہ پیروں اور ولیوں کے نام پر جانور نذر و نیاز کا چھوڑتے ہیں، وہ دیوی دیوتاؤں کو اپنا سفارشی جانتے ہیں تو یہ ولیوں کو ایسا ہی سمجھتے ہیں، وہ بتوں کو وسیلہ جانتے ہیں تو یہ ان بزرگوں کو وسیلہ مانتے ہیں۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے جو بیان کیا ہے اسی کو دیکھ کر مولانا حالی نے اپنے ''مسدس'' میں بڑے بلیغ انداز میں اس کا شکوہ اس طرح کیا ہے:

کرے غیر گر بت کی پوجا تو کافر ☆ جو ٹھہرائے بیٹا خدا کا تو کافر
کہے آگ کو اپنا قبلہ تو کافر ☆ کواکب میں مانے کرشمہ تو کافر
مگر مؤمنوں پر کشادہ ہیں راہیں ☆ پرستش کریں شوق سے جس کی چاہیں
نبی کو جو چاہیں خدا کر دکھائیں ☆ اماموں کا رتبہ نبی سے بڑھائیں
مزاروں پہ دن رات نذریں چڑھائیں ☆ شہیدوں سے جا جا کے مانگیں دعائیں
نہ توحید میں کچھ خلل اس سے آئے ☆ نہ اسلام بگڑے نہ ایمان جائے
وہ دین جس سے توحید پھیلی جہاں میں ☆ ہوا جلوہ گر حق زمین وزماں میں
رہا شرک باقی نہ وہم وگماں میں ☆ وہ بدلا گیا آ کے ہندوستاں میں
ہمیشہ سے اسلام تھا جس پہ نازاں ☆ وہ دولت بھی کھو بیٹھے آخر مسلماں

(۱) دیکھو بلاغ المبین: ۶۵-۷۵

امت مسلمہ کے اس حال بے حال کا تذکرہ کرنا تا کہ کسی کو توفیق ہو جائے ایک شہادت حقہ ہے، لہٰذا یہاں ایک سرسری جائزے کے طور پر بعض اہم پہلوؤں پر گفتگو کی جائے گی۔

مقام نبوت میں غلو وتجاوز:

اس میں کسی مسلمان کو کلام نہیں کہ اسلام میں حضرات انبیاء علیہم السلام کا مقام بڑا اونچا ہے اور پھر حضرات انبیاء میں ہمارے نبی حضرت محمد ﷺ کا مقام نہایت بلند و بالا ہے، آپ سید البشر بھی ہیں سردار انبیاء بھی ہیں، اور بقول شاعر:

بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

کا مصداق بھی ہیں، شاعر رسول حضرت حسان کے اشعار میں:

وَأَحْسَنَ مِنکَ لَمْ تَرَ قَطُّ عَيْنِي ☆ وَأَجْمَلَ مِنکَ لَمْ تَلِدِ النِّسَاءُ
خُلِقْتَ مُبَرَّأً مِّنْ كُلِّ عَيْبٍ ☆ كَأَنَّكَ خُلِقْتَ كَمَا تَشَاءُ

(یعنی آپ سے زیادہ حسین میری آنکھ نے قطعاً نہیں دیکھا، اور آپ سے زیادہ جمیل عورتوں نے نہیں جنا، آپ ہر عیب سے پاک پیدا کئے گئے ہیں، گویا آپ ایسے پیدا ہوئے ہیں جیسے خود آپ نے چاہا ہو)

لیکن اسلام اس کے باوجود یہ کہتا ہے کہ نبی ہو یا ولی کسی کے بارے میں حد سے تجاوز کرنا اور غلو سے کام لینا جائز نہیں، جیسا کہ اوپر یہ مضمون تفصیل سے پیش کیا جا چکا ہے، مگر اس کے باوجود امت کے ایک طبقے نے بالکل اسی روش کے مطابق جو یہود ونصاری نے اپنائی تھی اور یہود نے حضرت عزیر کے بارے میں اور نصاری نے حضرت عیسی مسیح کے بارے میں جو غلو کیا اور ان انبیاء کی شخصیات کے بارے میں اختلاف کیا، اس نے حضرت سید الانبیاء وسرور کائنات محمد عربی ﷺ کے بارے میں انتہائی غلو و حدود سے تجاوز سے کام لیا ہے اور آپ کو مقام نبوت سے اٹھا کر خدائی کے مقام پر فائز

کر دیا ہے۔

چنانچہ ایک طبقہ وہ ہے جو آپ کی بشریت کا انکار کرتا ہے اور کہتا ہے کہ آپ کو بشر ماننا آپ کی شان کے خلاف اور توہین ہے، لہٰذا آپ بشر نہیں، حالانکہ قرآن صاف الفاظ میں اس حقیقت سے پردہ اٹھاتا ہے اور اعلان کرتا ہے کہ:

﴿ قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوحَى إِلَيَّ أَنَّمَا إِلَٰهُكُمْ إِلَٰهٌ وَاحِدٌ ﴾ [الكهف: ۱۱۰]

(اے نبی! آپ کہہ دیجئے کہ میں تم جیسا ہی بشر ہوں، مجھ پر وحی کی گئی ہے کہ تمہارا معبود ایک ہے)

بلکہ قرآن نے یہ بھی صاف بتا دیا ہے کہ اللہ نے جس قدر انبیاء بھیجے وہ سب کے سب بشر و انسان ہی تھے:

﴿ وَمَا أَرْسَلْنَا مِن قَبْلِكَ إِلَّا رِجَالاً نُّوحِيَ إِلَيْهِمْ فَاسْأَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِن كُنتُمْ لاَ تَعْلَمُونَ ﴾ [النحل: ۴۳، والانبیاء: ۸]

(اور نہیں رسول بنا کر بھیجا ہم نے آپ سے پہلے مگر مردوں ہی کو جن پر ہم وحی کیا کرتے تھے، پس اگر تمہیں معلوم نہ ہو تو جاننے والوں سے پوچھو)

اس کے باوجود امت کے ایک طبقے نے نامعقول تاویلات کا سہارا لے کر آپ کو بشریت سے نکالنے کی کوشش کی اور عوام الناس کو بے راہ کر چھوڑا ہے، حتی کہ اسی طبقے کے ایک صاحب نے یہاں تک لکھا ہے کہ:

''اس آیت میں کفار سے خطاب ہے، چونکہ ہر چیز اپنی غیر جنس سے نفرت کرتی ہے لہٰذا فرمایا گیا کہ اے کفار! تم مجھ سے گھبراؤ نہیں، میں تمہاری جنس سے ہوں، یعنی بشر ہوں، شکاری جانوروں کی سی آواز نکال کر شکار کرتا ہے، اس سے کفار کو اپنی طرف مائل کرنا مقصود ہے اگر دیوبندی بھی کفار ہیں تو ان سے بھی یہ خطاب ہو سکتا ہے، ہم

مسلمانوں سے فرمایا گیا ہے: ’’أیّکم مِثلِی‘‘۔(۱)

اس عبارت میں قرآنی آیت میں تمام امت کے فیصلے سے ہٹ کر جو تاویل کی گئی ہے اس کا باطل ہونا تو ایک امر بین و بدیہی ہے، اسی کے ساتھ کوئی ادنی سے ادنی مسلمان بھی اس منطق کو قبول نہیں کرسکتا کیونکہ اس میں جناب رسالت مآب ﷺ کی ایک تو سخت ترین توہین کی گئی ہے دوسرے آپ کو نعوذ باللہ دھوکہ باز ٹھہرایا گیا ہے، توہین اس لئے کہ اس میں نعوذ باللہ آپ کو کفار کے ساتھ مشابہ قرار دیا ہے کہ آپ کافروں کی طرح تو ہیں اور ان کی جنس سے بھی ہیں مگر مسلمانوں کی طرح نہیں ہیں، کیا اس سے بڑے کوئی توہین آپ کی شان اقدس میں ہوسکتی ہے؟ اور دھوکہ باز اس طرح کہ اس میں آپ ﷺ کو شکاری سے تشبیہ دیکر بتایا ہے کہ جس طرح شکاری پرندوں کی آواز نکال کر پرندوں کو انی جال میں پھانستا ہے اسی طرح آپ بشر نہ ہونے کے باوجود اپنے کو بشر ظاہر کر کے کفار کو اپنی جال میں پھنساتے تھے، کیا اس سے بڑے گمراہی کی کوئی بات ہوسکتی ہے؟

یہ سب اس لئے کہ کسی طرح قرآنی بیان کے خلاف آپ کو بشر سے مافوق ہستی ظاہر کریں، مگر مافوق ظاہر کرنے کے شوق میں آپ کو اپنے بھی مقام سے گرادیا اور آپ کو کفار کے مشابہ قرار دی دیا اور ایک دھوکہ باز بتادیا۔

اور جب بشریت سے آپ کو نکال دیا تو ظاہر ہے کہ آپ کے لئے کوئی بات طے بھی کرنی تھی کہ آخر آپ کون ہیں؟ تو اس دریا کو بھی تدریجاً عبور کردیا گیا۔

مولانا احمد رضا خان کے والد مولانا نقی علی خان نے ’’سرور القلوب‘‘ میں اپنے ایک شعر میں کہتے ہیں:

محمد سرّ قدرت ہے کوئی رمز اس کی کیا جانے

شریعت میں تو بندہ، حقیقت میں خدا جانے (۲)

---

(۱) جاء الحق از مفتی احمد یار خان: ۱۶۷ (۲) بحوالہ مطالعہ بریلویت: ۳۱۳/۲

اس کا مطلب صاف یہ ہوا کہ وہ حضرت نبی عربی محمد مدنی ﷺ کو حقیقت کے لحاظ سے بندہ نہیں مانتے اور یہ ظاہر ہے کہ جب بندہ نہیں تو خدا ہونا چاہئے۔

اور خود مولانا احمد رضا خان بھی حضرت نبی کریم ﷺ کے بارے میں متذبذب ہیں کہ آپ کیا تھے، وہ کہتے ہیں:

ممکن میں قدرت کہاں، واجب میں عبدیت کہاں
حیران ہوں، یہ بھی ہے خطا، یہ بھی نہیں، وہ بھی نہیں

اس میں حضور سید الانبیاء ﷺ کے بارے میں وہ ممکن ہونے کا انکار دبے دبے لفظوں میں کرتے ہیں اور اس کو ماننا ایک خطا قرار دیتے ہیں۔

پھر آگے کو مسئلہ صاف ہو گیا کہ نہیں، نہیں آپ تو واقعی اور درحقیقت خدا ہی تھے۔

لیجئے مولوی محمد یا فریدی مجموعہ اشعار ''دیوان محمدی'' سے یہ اشعار پڑھئے، وہ کہتے ہیں:

محمد مصطفےٰ محشر میں طٰہٰ بن کے نکلیں گے
اٹھا کر میم کا پردہ ہویدا ہو کے نکلیں گے
حقیقت جن کی مشکل تھی تماشا بن کے نکلیں گے
جسے کہتے ہیں بندہ ''قل ھواللہ'' بن کے نکلیں گے
بجاتے تھے جو ''إنّی عبدُہ'' کی نبسری ہردم
خدا کے عرش پر ''إنّی أنَا اللّٰہ'' کہہ کے نکلیں گے (۱)

اس میں حضرت فخر عالم ﷺ کو بعینہ خدا مانا گیا ہے اور یہ بتایا گیا ہے کہ جو اپنی پوری زندگی میں ''انی عبدہ'' کہتے رہے وہ دراصل خدا ہی ہیں اس لئے محشر میں عرش پر وہی ''انی انا اللہ'' کہہ کر ظاہر ہو جائیں گے۔

ایک اور صاحب جان محمد سنی اپنے ''دیوان سنی'' میں کہتے ہیں:

---

(۱) بحوالہ مطالعہ بریلویت: ۲/۲۴۷

یامصطفے! ظھور ہے تیرے ظھور کا
مظہر گنا حق نے تجھے اپنے نور کا
تجھ میں خدا میں دیدۂ احول کو ہے دوئی
باعث ہوا یہی نظر کے قصور کا(۱)

ایک اور جگہ کہتے ہیں:

وہ نور ذات احد جلوہ کر کے امکان میں
حقیقت آپ ہی آیا نبی کا نام کیا(۲)

ایک لیجئے، ''دوان بندۂ رحمٰن'' کے مؤلف نے لکھا ہے:

ہے نور احد اور احمد کا، یہ اور نہیں، وہ اور نہیں
ایک میم کا پردہ ہے آ کے پڑا، یہ اور نہیں وہ اور نہیں
آغاز محمد کو دیکھو، انجام محمد کو سوچو
کیا ابتدا ہے، اور انتہاء کیا، یہ اور نہیں، وہ اور نہیں
اک شان ہے اک ہے نام ونشان ہے جس سے حقیقت اور عرفان
اے بندۂ رحمٰن سوچ ذرا، یہ اور نہیں وہ اور نہیں (۳)

یعنی خدا اور محمد ﷺ کے مابین کوئی فرق نہیں دونوں ایک ہی ذات کے دو عنقان ہیں اوران دونوں میں فرق اس کو معلوم ہوات ہے جو احول و بھینگا ہو، لاحول ولاقوۃ الا باللہ، ایسا بدترین عقیدہ خدا اور رسول کے بارے میں کبھی کسی بدتر سے بدتر مشرک نے بھی گوارا نہیں کیا ہوگا۔

اس سے اندازہ کیجئے کہ امت کے اس بھٹکے ہوئے طبقے نے نہ خدا کو خدا رکھا نہ رسول کو رسول، بلکہ دونوں کو ایک کردیا اور یہ عقیدہ بنالیا کہ خدا اور محمد ﷺ یہ دو نہیں بلکہ

(۱) دیوان سنی: ۸ (۲) دیوان سنی: ۱۰ (۳) دیوان بندۂ رحمٰن: ۱۲۵-۱۲۶

ایک ہی ذات ہے وہی خدا کہلاتی ہے اور وہی محمد کے نام سے بھی موسوم ہے۔ کیا یہ وہی نصاریٰ کا حلول کا عقیدہ نہیں ہے جو حضرت مسیح میں اور خدا میں کوئی فرق نہیں کرتا اور کہتا ہے کہ:

''وہ ذات جو خدا تھی، خدائی صفات کو چھوڑے بغیر انسان بن گئی، یعنی اس نے ہمارے جیسے وجود کی کیفیات اختیار کرلیں جو زمان ومکان کی قیود میں مقید ہے اور ایک عرصے تک ہمارے درمیان مقیم رہی۔(۱)

بلکہ ایک طرح غور کیجئے تو یہ عقیدہ حلول سے زیادہ بدتر ہے کیونکہ حلول والے تو خدا اور مسیح دونوں میں حقیقت کے لحاظ سے فرق کرتے ہیں، اور یہ لوگ یہ کہتے ہیں کہ ہم جن کو محمد سمجھتے ہیں وہ دراصل محمد ﷺ نہیں بلکہ وہی حقیقت میں خدا ہیں، کیا اس سے بڑا بدتر کوئی عقیدہ ہوسکتا ہے؟

اور ان لوگوں نے جب آپ کو خدا ٹھہرادیا تو آپ کے لیے خدائی تمام اختیارات بھی ماننے لازم تھے، لہٰذا اس کو بھی مان لیا گیا۔ مولانا احمد رضا خان صاحب نے حدائق بخشش میں کہا ہے:

میں تو مالک ہی کہوں گا کہ ہو مالک کے حبیب
یعنی محبوب و محبّ میں نہیں میرا تیرا

اس کی شرح میں مولانا فیض احمد اویسی لکھتے ہیں کہ:

''یعنی اے رب العالمین کے پیارے میں تو آپ کو دونوں جہاں کا مالک وحاکم ہی مانتا ہوں، اس لئے کہ مالک حقیقی وذاتی خداوند قدوس جل شانہ کے آپ پیارے اور چہیتے محبوب ہیں اور محبّ ومحبوب کے درمیان بیگانگی اور غیریت نہیں ہوا کرتی بلکہ محبّ اور دوست اپنی ساری چیزوں میں اپنے محبوب اور پیارے کو اجازت واختیار دے دیا کرتا

(۱) مقدمہ بائیبل سے قرآن تک: ۱/۵۹

ہے جو پیار و محبت کا پورا پورا تقاضا ہے، یونی محبّ محبوب سے کوئی شئے چھپاتا نہیں، بلکہ ہر شئے کا اختیار دیتا ہے۔(۱)

اور اسی قسم کے نظریات کی ایک کتاب ''بہار شریعت'' کے مصنف نے صاف لکھا ہے کہ:

''حضور اقدس ﷺ اللہ تعالی کے نائب مطلق ہیں، تمام جہاں حضور ﷺ کے تحت تصرف کر دیا گیا، جو چاہیں کریں، جسے چاہیں دیں، جس سے جو چاہیں واپس لیں، تمام جہاں میں ان کے حکم کا پھیرنے والا کوئی نہیں، ....آگے لکھتے ہیں:

..........'' ملکوت السمٰوات والارض ''حضور کے زیر فرمان، جنت و نار کی کنجیاں دست اقدس میں دے دی گئی ہیں، رزق و خیر اور ہر قسم کی عطائیں حضور ہی کے دربار سے تقسیم ہوتی ہیں، دنیا و آخرت حضور کی عطاء کا ایک حصہ ہے، احکام تشریعیہ حضور کے قبضہ میں کر دئے گئے کہ جس پر جو چاہیں حرام فرمادیں اور جس کے لئے جو چاہیں حلال کر دیں اور جو فرض چاہیں معاف فرمادیں۔(۲)

اسی طبقے کے ایک اور مولانا مفتی خلیل خان قادری کا بیان پڑھئے:

''حضور اقدس ﷺ اللہ عز وجل کے نائب مطلق ہیں، تمام جہاں حضور کے ماتحت ہے، جو چاہیں کریں اور جو چاہیں حکم دیں، تمام جہاں میں ان کے حکم کا پھیرنے والا کوئی نہیں، سارا عالم ان کا محکوم ہے۔(۳)

گویا اب خدا کو کوئی کام نہیں ہے، اس نے سارے اپنے اختیارات اپنے نبی کے حوالے کر دئے ہیں، کیا اس عقیدے میں اور مشرکین کے عقیدے میں کوئی فرق ہے جو یہ کہتے تھے اور مانتے تھے کہ اللہ نے اپنے مقربین کو اپنی الوہیت کا اور اپنی سلطنت کا ایک حصہ دے دیا ہے وہ جو چاہیں کریں، جس طرح کہ ایک عظیم القدر بادشاہ اپنے

(۱) شرح حدائق بخشش: ۱/۴۰ (۲) بہار شریعت: ۱/۱۶ (۳) ہمارا اسلام: ۴/۱۷۹

مخصوص غلاموں کو اپنی مملکت کے اطراف بعض علاقوں میں بھیجتا ہے اوران کو جزئی امورمیں تصرف کا حق دیدیتا ہے، پھر وہ بادشاہ جزوی امور کی طرف متوجہ نہیں ہوتا اور دیگرلوگوں کے اموران غلاموں کے ہی حوالہ کر دیتا ہے اور جوان غلاموں کی خدمت کرے ان کے معاملات میں اپنے غلاموں کی سفارش قبول کرتا ہے۔(۱)

لیکن جوتفصیلات توحید کے مضمون کی قرآنی آیات واحادیث نبویہ کی روشنی میں ہمارے سامنے آئی ہیں ان کو پیش نظر رکھتے ہوئے ہر مسلمان کوغور کرنا چاہئے کہ کیاان لوگوں کا پیش کردہ اسلام کا نقشہ اسی اسلام کا ہے جوقرآن وحدیث اوراسلاف سے ہمیں ملا ہے یااس کے سوا کچھ اور ہے جومشرک اقوام کی دین ہے؟

اسلام نے خدائی صفات واوصاف کو واضح کردیا اور نبوت ورسالت کی شان و مقام کوبھی واضح کردیا تاکہ کسی کوکوئی اشتباہ والتباس نہ ہوسکے، مگر جب گمراہی کی طرف جانے کے لئے جانے والے حقائق سے آنکھیں بندکرلیں تو کیا جاسکتا ہے۔

مقام ولایت میں غلو وتجاوز:

یہ بات ایک طے شدہ حقیقت ہے کہ اسلام میں اولیاء اللہ کا مقام بڑا عظیم ہے اورقرآن میں ان کی فضیلت میں کہا گیا ہے کہ:

﴿ أَلاَ إِنَّ أَوْلِيَاءَ اللّٰهِ لاَ خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلاَ هُمْ يَحْزَنُونَ ،الَّذِيْنَ آمَنُواْ وَكَانُواْ يَتَّقُوْنَ، لَهُمُ الْبُشْرٰى فِيْ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِيْ الآخِرَةِ لاَ تَبْدِيْلَ لِكَلِمَاتِ اللّٰهِ ذَلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴾ [یونس: ۶۲-۶۴]

(خبردار! بلاشبہ اولیاء اللہ پر نہ کوئی خوف ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے، جوکہ ایمان رکھتے ہیں اورتقوے کی زندگی گزارتے ہیں، ان کے لئے خوشخبری ہے دنیوی زندگی میں بھی اور آخرت کی زندگی میں بھی، اللہ کے کلمات کوکوئی بدلنے والانہیں، اور یہ

(۱) حجۃ اللہ البالغۃ: ۱/۱۷۶، الفوز الکبیر: ۲۱

بڑی کامیابی ہے)

مگر کیا اس کی وجہ سے کہ اللہ نے ان کو بہت بڑا مقام دیا ہے ہم ان کے بارے میں کوئی غلط و باطل عقیدہ تراش سکتے ہیں؟ نہیں، ہرگز نہیں، مگر یہاں بھی ایک طبقے کی جانب سے ''مقام ولایت'' میں بے حد غلو کیا گیا اور شرک کا راستہ لوگوں کے لئے ہموار کیا گیا، ولیوں اور صالحین کو خدائی صفات و خدائی مقام دے کر ان کو مختار کل و مشکل کشا بلکہ سبھی کچھ سمجھ لیا گیا اور سمجھایا گیا۔

مولانا احمد رضا خان صاحب فرماتے ہیں کہ: ''بغیر غوث کے زمین و آسمان قائم نہیں رہ سکتے''۔(۱)

اور مولانا مصطفے رضا خان اپنی کتاب شرح استمداد میں لکھتے ہیں کہ:

''اولیاء میں ایک مرتبہ اصحاب التکوین کا ہے، جو چیز جس وقت چاہتے ہیں فوراً ہو جاتی ہے، جیسے ''کن'' کہا وہی ہو گیا۔(۲)

اسی بیمار نظرئے کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ:

''اولیاء اللہ کو اللہ عز و جل نے بہت بڑی طاقت دی ہے ان میں جو اصحاب خدمت ہیں ان کو تصرف کا اختیار دیا جاتا ہے، سیاہ و سفید کے مختار بنا دئے جاتے ہیں، یہ حضرات نبی ﷺ کے سچے نائب ہیں، ان کو اختیارات و تصرفات حضور کی نیابت میں ملتے ہیں۔(۳)

اس باطل عقیدے کو برحق ثابت کرنے کے لئے مولانا احمد یار خان گجراتی کہتے ہیں:

''دنیا میں دیکھا گیا ہے کہ بادشاہ ہر کام خود اپنے ہاتھ سے نہیں کرتے بلکہ سلطنت کے کاموں کے لئے محکمہ بنا دیتے ہیں اور ہر محکمہ میں مختلف حیثیت کے لوگ

(۱) ملفوظات ۱/۱۲۹ (۲) شرح استمداد، بحوالہ مطالعۂ بریلویت: ۲/۲۲۰

(۳) بہار شریعت: ۱/۵۵

رکھتے ہیں، کوئی افسر اور کوئی ماتحت۔ پھر ان تمام محکموں کا مختار یا حاکم اعلی وزیر اعظم منتخب کرتے ہیں، یعنی ہر کام بادشاہ کی مرضی اس کے منشأ سے ہوتا ہے، لیکن بلا واسطہ اس کے ہاتھ سے نہیں ہوتا۔ اس کی وجہ یہ نہیں کہ بادشاہ مجبوری کی وجہ سے اپنا عملہ رکھتا ہے، کیونکہ بادشاہ خود پانی پی سکتا ہے اپنی ضروریات زندگی خود انجام دے سکتا ہے لیکن رعب کا تقاضا ہے کہ ہر کام خدام سے لیا جاوے اور رعایا کو ہدایت ہوتی ہے کہ اپنی ضروریات کے وقت ان مقرر کردہ حکام کی طرف رجوع کرو۔ (۱)

لیکن یہ سب مغالطہ ہی مغالطہ ہے، کیونکہ بادشاہ کے کسی سے کام لینے کی صورت میں اسی متعلق حاکم کو مختار کل اور سیاہ وسفید کا مالک سمجھنا اور کہنا کیا اس بادشاہ سے کھلی بغاوت نہیں؟ کیا متعلقہ حاکم بادشاہ کی بادشاہی وحکومت کا مختار کل وسیاہ وسفید کا مالک ہوتا ہے؟ شرک کی بیمار ذہنیت نے حق وباطل میں امتیاز ہی کھو دیا ہے لہٰذا اس قدر واضح فرق بھی وہ محسوس نہیں کر سکے، کہ اگر اللہ تعالی کسی اپنے فرشتے کو کسی کام پر رکھا ہوا ہے جیسے حضرت عزرائل کو روحوں کے قبض کرنے پر تو کیا وہ اس معاملہ میں مختار کل ہیں کہ جس کی روح چاہیں قبض کر لیں اور جس کی چاہیں نہ کریں؟ اگر اللہ تعالی نے حضرت میکائیل کو بارش برسانے کے کام پر مقرر کیا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ جب چاہیں اور جتنا چاہیں برسائیں اور جب نہ چاہیں نہ برسائیں؟ اور حضرت جبریل کو انبیاء کے پاس وحی لی جانے کے کام پر تقرر کیا ہے تو کیا وہ اپنی مرضی سے جب چاہیں وحی لے جائیں کے مجاز ہیں؟

پھر اگر یہ حضرات انبیاء واولیاء سیاہ وسفید کے مالک ہوتے ہیں تو کیا صرف دوسروں کے لئے ہوتے ہیں اور اپنے کیئے وہ کوئی تصرف اپنی مرضی سے نہیں کر سکتے؟ اگر کر سکتے ہیں اور قرین قیاس بھی یہی ہے کہ جو دوسروں کو دینے کا مجاز ہو اور اس میں

(۱) جاء الحق: ۱/۱۹۴

اس کو اختیار کل حاصل ہو وہ اپنے لئے بھی تصرف کا اختیار رکھتا ہے تو پھر حضرت ابراہیم اور حضرت زکریا علیہما السلام کو اپنے لئے اولاد پیدا کر لینے کا اختیار نہیں تھا، اور کیوں حضرت ایوب علیہ السلام کو اپنے سے بیماری زائل کر لینے کی طاقت نہیں تھی، اور کیوں حضرت یونس علیہ اسلام مچھلی کے پیٹ میں دعائیں کرتے رہے؟

اگر ان سب سوالوں کا جواب یہی ہے اور ہونا چاہئے کہ وہ حضرات مقربین خداوندی ومحبوبان خداوندی ہونے کے باوجود مختار کل نہیں تھے، بلکہ اللہ کے دینے اور کرنے کے محتاج تھے تو مسئلہ بالکل صاف ہو گیا کہ یہ نظریات جو ان لوگوں نے اپنائے ہیں وہ سب باطل ومشرکانہ ہیں۔

پھر یہ کہنا کہ بادشاہ سب کچھ کر تو سکتا ہے مگر اپنا رعب قائم رکھنے کے لئے دوسروں سے کام لیتا ہے اسی طرح اللہ تعالی بھی اپنا رعب قائم کرنے کے لئے انبیاء واولیاء سے کام لیتا ہے یہ بھی مغالطہ کے سوا کچھ نہیں، کیونکہ کیا دنیا کے تمام بادشاہ تمام کام جو ان کے وزیر وحکام کرتے ہیں خود انجام دے سکتا ہے؟ کیا اس کا امکان ہے؟ کیا یہ ایک سفید جھوٹ نہیں؟ دینوی بادشاہ اپنے کاموں میں بے شمار لوگوں کا اسی طرح محتاج ہوتا ہے جیسے اس کی رعایا اور اس کے محکوم ہوتے ہیں، اور ان امور سلطنت میں وہ ان کے بغیر کوئی کام نہیں کر سکتا، اور اسی لئے وہ ان سے کام لیتا ہے، اس کے برخلاف اللہ تعالی کو کسی کی کوئی بھی ضرورت نہیں، اور وہ تمام کام خود انجام دی سکتا ہے اور دیتا ہے، رہا یہ کہ وہ اپنا رعب قائم کرنے کے لئے ان سے کام لیتا ہے تو اس کی کوئی دلیل ہونا چاہئے ،اور وہ دلیل پائی نہیں جاتی کہ اللہ تعالی نے اپنے کام ان لوگوں کو سپرد کر دیء ہیں اور خود ان معاملات میں دخل نہیں دیتا، نیز رعب قائم کرنے کی ضرورت خدا کو کچھ بھی نہیں ،کیونکہ اس کا رعب اور بڑائی اس کی قدرت وطاقت کی نشانیوں سے سبھی پر قائم ہے ،برخلاف دنیوی بادشاہ کے کہ وہ تو ہم ہی جیسا ایک انسان ہے اور محتاج ومجبور، لہذا

دوسروں پر رعب جمانے کے لئے کچھ ظاہری تدبیر کرتا ہو تو یہ بعید نہیں، اس پر اللہ کی بے عیب ذات کو قیاس کرنا نہایت غیر معقول بات ہے۔

پھر یہ کہنا کہ بادشاہوں کی جانب سے رعایا کو ہدایت ہوتی ہے کہ اپنی ضروریات میں ان سے رجوع کرو، یہ بھی ایک دھوکہ ہے کیونکہ اگر ان بادشاہوں کی جانب سے ایسا حکم دیا جاتا ہے تو اس کی وجہ ان بادشاہوں کی بے بسی و محتاجی ہے، لیکن اللہ کا دربار اس سے بالکل ممتاز ہے، اسی لئے اللہ کے مقرب بندوں نے کبھی یہ نہیں کہا کہ تم کو ضرورت پیش آئے تو ہمارے پاس آجانا اور ہم سے مانگنا کہ ہم کو اس محکمہ کا افسر و حاکم اعلیٰ بنا دیا گیا، بلکہ ان حضرات نے تو ہمیشہ یہی کہا کہ جب بھی مانگو تو اللہ سے مانگو، ''جب سوال کرنا ہو تو اللہ سے سوال کرو اور جب مدد مانگنا ہو تو اللہ سے مدد مانگو، اور یہ جان لو کہ اگر تمام لوگ تم کو نفع پہنچانے پر جمع ہو جائیں تو سوائے اس نفع کے نہیں پہنچا سکتے جو اللہ نے تمہارے لئے لکھ دیا ہے اور اگر سب لوگ تم کو نقصان پہنچانے پر متفق ہو جائیں تو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے سوائے اس کے جو اللہ نے لکھ دیا ہے، قلم اٹھا لئے گئے اور صحیفے خشک ہو گئے''۔ (۱)

اور فرمایا جاتا ہے: ''کہ تم میں سے ہر کوئی اپنے رب ہی سے اپنے تمام ضروریات کو طلب کرے حتی کہ اگر جوتے کا تسمہ بھی ٹوٹ جائے تو اسی سے مانگے''۔ (۲)

یہ بات واضح و ظاہر ہے کہ اگر بادشاہ کی جانب سے ان لوگوں کو ان محاکم پر مقرر کیا گیا ہے تو ان حضرات کو تمام لوگوں سے یہ کہنا چاہئے تھا کہ جب سوال کرنا ہو تو ہم سے کرو، ہم ہی کو اس کام پر رکھا گیا ہے، مگر ایسا نہیں ہوا بلکہ ان حضرات نے اس کے

(۱) ترمذی: ۲۵۱۶، مسند احمد: ۲۶۶۹ (۲) صحیح ابن حبان: ۱۴۸/۳، مسند ابویعلی: ۱۳۰/۶، معجم اوسط: ۳/۵، ۳۷، شعب الایمان: ۴۰/۲

برخلاف ہمیں یہ بتایا کہ اللہ سے مانگو، جوتے کا تسمہ بھی ٹوٹ جائے تو اسی سے سوال کرو
تمام برزگان دین نے ہمیشہ یہی کہا کہ ہم اور کوئی مخلوق کچھ نہیں کر سکتی، بلکہ جو کرنا ہے وہ اللہ ہی کرتا ہے۔ یہاں دو چار صوفیاء کرام و بزرگان دین کے ارشادات نقل کرتا ہوں، جس سے حق و باطل میں فیصلہ کرنا آسان ہو جائے گا۔

(۱) حضرت شیخ احمد کبیر رفاعی جو صوفیاء کے سلسلۂ رفاعیہ کے بانی ہیں اور ایک عظیم فقیہ ہونے کے ساتھ ساتھ بڑے درجے کے صوفی و ولی کامل بھی ہیں، وہ اپنی کتاب ''مجالس رفاعیہ'' میں نماز میں کھڑے ہونے کے طریقے کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

''اللہ کے سامنے اس طرح کھڑا ہونا ہی اللہ کی وحدانیت کا اعتراف ہے، اور اللہ کے سامنے عبدیت کی ذلت کے ساتھ کھڑا ہونا دراصل اس یقین کی وجہ سے ہوتا ہے کہ اللہ ہی صرف زندہ کرتا اور مارتا ہے، دیتا اور نہیں دیتا ہے، نقصان پہنچاتا اور نفع دیتا ہے اور جدا کرتا اور ملاتا ہے، جوڑتا اور توڑتا ہے، اور انجام کار اسی کے اختیار میں ہے''۔(۱)

اور آپ اپنے ''ملفوظات'' میں فرماتے ہیں:

''غیر خدا کی تأثیر کا قائل ہونا خواہ تھوڑا ہو زیادہ، کلی ہو یا جزئی شرک ہے، اگر مؤثر حقیقی سمجھتا ہے تو بڑا شرک ہے جس سے آدمی پورا مشرک ہو جاتا ہے، اور مؤثر مجازی سمجھتا ہے تو چھوٹا شرک ہے جس کے ہوتے ہوئے ایمان کامل نصیب نہیں ہوتا۔

رسول اللہ ﷺ نے عبداللہ بن عباس سے فرمایا کہ:

اے لڑکے! جب تجھے سوال کرنا ہو تو اللہ سے سوال کر اور جب تجھے مدد مانگنا ہو تو اللہ سے مدد مانگ، اور یہ جان لے کہ اگر تمام لوگ تجھے نفع پہنچانے پر جمع ہو جائیں تو

(۱) مجالس رفاعیہ: ۳۵

سوائے اس نفع کے نہیں پہنچا سکتے جو اللہ نے تیرے لئے لکھ دیا ہے اور اگر سب لوگ تجھے نقصان پہنچانے پر متفق ہو جائیں تو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے سوائے اس کے جو اللہ نے تجھ پر لکھ دیا ہے، قلم اٹھا لئے گئے اور صحیفے خشک ہو گئے''۔(۱)

نیز اسی کتاب میں ایک اور موقعہ پر کہتے ہیں کہ:

''اے میرے عزیزو! تم نے یوں کہا کہ اے اللہ! میں آپ کی رحمت کے سیلے سے یہ سوال کرتا ہوں تو گویا تم نے یوں کہا کہ اے اللہ! میں آپ کے بندے شیخ منصور بطائحی اور ان کے علاوہ دوسرے اولیاء کی ولایت کے وسیلے سے سوال کرتا ہوں، کیونکہ ولایت بھی ایک خاص قسم کی رحمت ہے، '' يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَاءُ '' (اللہ جن کو چاہتا ہے اپنی رحمت سے خاص فرما دیتا ہے) پس خبر دار رحمٰن جل شانہ کی قدرت کسی غیر کو نہ دینا، وسیلہ حقیقت میں اللہ کی وہ رحمت ہے جس سے مقبول بندہ نوازا گیا ہے، پس کسی وسیلہ سے دعاء کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت خاص کو جو اس کے بندے کو عطاء کی گئی ہے وسیلہ بنایا گیا ہے۔ تم اللہ کی رحمت اور محبت وعنایت کو جس سے خاص بندے نوازے گئے ہیں، اپنی حاجت کے وقت وسیلہ بنا سکتے ہو مگر ہر کام میں اللہ کی توحید کو ملحوظ رکھو، بندے کو فاعل مختار اور مؤثر اور کام بنانے والا نہ سمجھو کیونکہ اللہ تعالیٰ بہت غیرت والے ہیں، شرک سے ان کو بڑی غیرت آتی ہے اور مشرک سے زیادہ ان کو کسی سے نفرت نہیں۔(۲)

اس سے واضح ہوا کہ اللہ کے برگزیدہ لوگوں کا دعاء میں وسلیہ لینا تو جائز ہے مگر خود ان حضرات کو پکارنا اور ان کو حاجت روا و مشکل کشا سمجھنا جائز نہیں، یہ شرک ہے، وسیلہ کا مسئلہ ہم آگے بیان کریں گے۔

(۲) حضرت شیخ المشائخ عبدالقادر الجیلانی ایک موقعہ پر ارشاد فرماتے ہیں:

---

(۱) ارشادات حضرت رفاعی:۱۹ (۲) ارشادات حضرت رفاعی:۱۰۵-۱۰۶

”اللہ والوں کو خوب محقق ہو چکا ہے کہ مخلوق عاجز وکالعدم ہے، ان کے ہاتھ میں ہلاکت ہے نہ سلطنت، نہ ان کے قبضے میں دولت مندی ہے نہ مفلسی، نقصان ہے نہ نفع، ان کے نزدیک خدائے بزرگ و برتر کے سوا نہ کوئی بادشاہ ہے، نہ صاحب اختیار، اس کے سوا دینے لینے والا کوئی نہیں، فائدہ ونقصان بھی کوئی نہیں پہنچا سکتا، اس کے سوا نہ کوئی زندہ کرسکتا ہے نہ مارسکتا“]۔(۱)

دوسری جگہ کہتے ہیں:

”جب بندہ مصائب وآفات میں مبتلا کیا جاتا ہے تو شروع میں خود ہی ان سے نجات پانے کے لئے جد وجہد کرتا ہے اور جب اس کوشش میں کامیاب نہیں ہوتا تو بیماریوں اور مصیبتوں میں اغیار سے امداد واعانت چاہتا ہے، مثلاً وہ بادشاہوں، عہدے داروں، مالداروں اور طبیبوں وغیرہ سے رجوع کرتا ہے، لیکن جب وہ ان کے ذریعہ بھی مصائب سے رہائی نہیں پاتا تو پھر اپنے پروردگار کی جانب دعاء وآہ وزاری اور حمد وثنا کے ساتھ مائل ہوتا ہے، الغرض جب بندہ اپنے نفس میں طاقت وتوفیق پاتا ہے رد مصائب میں خود کوشاں ہوتا ہے، لیکن بعد ازاں مخلوقات سے مدد ونصرت چاہتا ہے اور جب تک وہ مخلوق سے امداد واعانت اور حاجت روائی پاتا ہے خدا کی طرف ہرگز رجوع نہیں کرتا اور جب مخلوقات سے بھی اس کی مشکل کشائی اور حاجت روائی نہیں ہوتی تو پھر دعاء وزاری کے ساتھ اظہار عجز واحتیاج کرتا ہوا بے اختیار خدا تعالی کے سامنے گر پڑتا ہے،..............آگے فرماتے ہیں..............: پس یقین کے اس درجے پر اس کا ایمان ہوجاتا ہے کہ اللہ تعالی کے سوا کوئی فاعل حقیقی نہیں، اور اس کی ذات واحد کے علاوہ ایسی کوئی ہستی نہیں جو حرکت یا سکون، بھلائی یا برائی، نفع یا نقصان، موت یا حیات، عزت یا ذلت، دولت مندی یا محتاجی، صحت یا بیماری، الغرض کوئی بھی چیز دینے یا

(۱) الفتح الربانی: ۴۰۵

نہ سینے کی مختار و مجاز ہو۔(۱)

نیز آپ فرماتے ہیں:

’’تمام مخلوق کو خدا کے حضور اسی طرح عاجز و بے بس سمجھ جس طرح ایک غلام وسیع و عریض سلطنت رکھنے والے صاحب عظمت وسطوت وشدید الحکم سلطان کی تحویل و حراست میں ہو، پس یہ سمجھکر خالق کے اختیارات مخلوق کو مت سونپ اور مخلوق سے وہ توقعات وابستہ مت کر جو صرف خالق سے وابستہ کی جاسکتی ہیں۔(۲)

اور فرماتے ہیں:’’پھر اخلاص کا ایک واضح تقاضا یہ بھی ہے کہ تو اپنی حاجات غیر اللہ کے سامنے نہ لے جائے اور اپنی ہر ضرورت کے لئے رب واحد کے حضور التجا کرے۔(۳)

(۳) حضرت خواجہ علی ہجویری لاہوریؒ ’’کشف المحجوب‘‘ میں حضرت جنید بغدادی کے خلیفہ حضرت وابو محمد بن جعفر خالدی کے تذکرے میں لکھتے ہیں کہ:

’’آپ بیان کرتے ہیں کہ میں ایک دن حضرت جنید علیہ الرحمہ کی خدمت میں حاضر ہوا تو ان کو بخار میں مبتلا پایا۔ میں نے عرض کیا اے استاذ! آپ حق تعالی سے دعاء کریں کہ وہ صحت بخشے۔ حضرت جنید نے فرمایا کہ میں نے کل دعا کی تھی، میرے دل میں آواز آئی کہ اے جنید! تمہارا جسم ہماری ملکیت ہے، ہمیں اختیار ہے چاہے تندرست رکھیں یا بیمار۔ تم کون ہو کہ ہمارے اور ہماری ملکیت کے درمیان دخل دو اپنا اختیار ختم کرو کہ بندے ہو جاؤ‘‘۔(۴)

اس واقعہ سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ حضرت جنید جیسے صاحب ولایت کو بھی یہ حق نہیں تھا کہ وہ خود اپنا ہی علاج اپنے اختیار سے کر لیتے، بلکہ ان کو دعاء کرنی پڑی ،اور اس میں بھی وہ اللہ پر کوئی زور نہیں ڈال سکے کہ اللہ تعالی ان کی دعاء ہی ضرور بلا رد

(۱) فتوح الغیب:۱۴-۱۵، مقالہ:۳۰ (۲) فتوح الغیب: مقالہ:۱۷ (۳) فتوح الغیب:۹۴، مقالہ ۳۴ (۴) کشف المحجوب:۲۳۴

کے قبول ہی کر لے، کہاں تو یہ تعلیم اور کہا یہ کہ اولیاء اللہ مختار کل اور سیاہ وسفید کے مالک ہیں؟

(۴) حضرت خواجہ معصوم صاحبزادہ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی ایک صاحب کے نام اپنے ایک مکتوب میں لکھتے ہیں:

''بندۂ عاجز جب اپنے جیسے عاجز بندے سے چاپلوسی، التجاء و لجاجت کرے تو اس کا حشر یہی ہونا چاہئے کہ ذلتوخواری میں مبتلا ہو، کیوں نہیں درگاہ غنی مطلق میں تضرع وزاری کرتا، درحقیقت وہی ذات عالی اس لائق ہے کہ اس کے سامنے التجا کی جائے اسی کے کرم سے مشکلات حل ہوتی ہیں، رزق کی وسعت اور تنگی بھی اسی کی طرف سے ہے، نہ کہ اس کے غیر کی طرف سے، ﴿وَإِن يَمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلاَ كَاشِفَ لَهُ إِلاَّ هُوَ وَإِن يُرِدْكَ بِخَيْرٍ فَلاَ رَآدَّ لِفَضْلِهِ يُصِيبُ بِهِ مَن يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ وَهُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ﴾ [یونس:۱۰۷] (اور اگر اللہ تعالے تجھے کوئی تکلیف دے تو سوائے اس کے کوئی اس کو دور کرنے والا نہیں اور اگر وہ تجھے کوئی خیر پہنچانا چاہے تو کوئی اس کے فضل کو روکنے والا نہیں، وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہے اپنا فضل پہنچادے، اور وہ بہت مغفرت کرنے والا بہت رحم کرنے والا ہے)''۔(۱)

(۵) حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اپنی کتاب ''بلاغ المبین'' میں چند احادیث وآثار نقل کرنے کے بعد کہتے ہیں کہ:

''در احادیث وآثار مرویہ کہ بالا مذکور شد تأمل باید دید و بانصاف باید فہمید کہ شاہراہ ہمیں است کہ انبیاء و اولیاء علیہم الصلاۃ والسلام ہمہ بندگان خداانددخلے و تصرفے درکارخانجات الٰہی جل شانہ ندارند، نہ درحیات نہ بعد ممات'' (ان احادیث و آثار مرویہ میں جو کہ اوپر مذکور ہوئے غور وفکر کرنا چاہئے اور انصاف سے سمجھنا چاہئے کہ

(۱) مکتوبات خواجہ معصوم: مکتوب نمبر ۳۱

شاہ راہ یہی ہے کہ انبیاء واولیاء علیہم الصلاۃ والسلام سب خدا کے بندے ہیں جو کسی قسم کا کوئی دخل وتصرف کارخانہ الٰہی جل شانہ میں نہیں رکھتے ، نہ زندگی میں نہ بعد مرنے کے)(۱)

یہ چند اکابر صوفیاء و بزرگان دین کے بیانات وارشادات ہیں جو" نمونہ از خروارے" کے طور پر پیش کئے گئے ہیں، ورنہ اگر اس سلسلہ میں مستقل اکابر کے بیانات جمع کئے جائیں تو ایک مستقل جلد بھی ناکافی ہوگی ، اور یہ ان حضرات کے بیانات ہیں جن کو ساری دنیا جانتی و مانتی اور ان سے اپنے انتساب کو فخر سمجھتی ہے، ان بیانات سے صاف طور پر بلا کسی ادنی ریب وشک و بلا کسی معمولی سے ابہام والتباس کے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ان سب نے اپنے ہر حاجت و پریشانی میں صرف ایک اللہ وحدہ لا شریک لو پکارنے اور اس سے التجا کرنے کی تعلیم دی ہے، کبھی کسی کی زبان سے یہ نہیں نکلا کہ تم ہم سے مانگو کہ اللہ نے ہمیں اپنے فلاں محکمے کا افسر بنا دیا ہے، لہٰذا خدا سے مانگنے کی ضرورت نہیں بلکہ ہم سے مانگ لو ہم دے دیں گے۔ کیا اس سے بھی زیادہ واضح کسی دلیل کی ضرورت اس بات کے لئے چاہئے کہ اولیاء اللہ نے اپنے آپ کو اللہ کا ایک عاجز بندہ ظاہر کیا اور سارے لوگوں کو بھی اسی کی تعلیم دی۔

اولیاء اللہ سے استمداد اور ان کو پکارنا:

جب اس قسم کی ذہنیت نے اولیاء اللہ ہی کو سب کچھ اور ہر چیز کے دینے لینے میں مالک ومختار سمجھ لیا تو اسی سے یہ عقیدہ بھی نکل آیا کہ اپنی حاجات وضروریات میں ان سے استمداد جائز اور ان کو پکارنا بھی روا ہے، اور یہ لوگ اٹھتے بیٹھتے یا غوث ، یا علی مشکل کشا ، یا علی المدد، یا خواجہ بندہ نواز ، یا غریب النواز وغیرہ الفاظ سے بزرگوں کو پکارتے اور ان سے مدد مانگتے ہیں اور بعض لوگ مخصوص مقدار میں اس کا وظیفہ بھی پڑھتے ہیں ،

(۱) بلاغ المبین :۳۱

مگر اوپر بتائی ہوئی اسلامی تعلیم پر ایک سرسری نظر بھی ڈال لیں تو معلوم ہو جائے کہ یہ عقیدہ باطل اور یہ عمل ناجائز، اور توحید کے اسلامی عقیدے سے بے جوڑ ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی ''بلاغ المؤمنین'' میں غیر اللہ کے بارے میں علم وقدرت کی بے پناہ وسعت کا عقیدہ رکھنے والوں کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ:

''دوسری نشانی (اس قسم کے لوگوں کی) کی گمراہی کی یہ ہے کہ یہ اپنے شیخ کے بارے میں وسعت علم اور خلائق کی پوشیدہ باتوں کو جاننے کا اعتقاد رکھتے ہیں اور اکثر اوقات میں اپنی حاجات میں دور ونزدیک سے فریاد کرتے ہیں اور بعضوں بزرگان کے ناموں کا وظیفہ نداو ذکر کے طریق پر ہر صبح وشام کو لازم کر رکھا ہے اور اسی طریقے پر پیروں کے نام پر استخارہ مقرر کر رکھا ہے اور دنیا کے سارے برے وبھلے کاموں میں ان بزرگوں کی روحوں سے بذریعہ استخارہ معلومات کرتے ہیں، چنانچہ بعض لوگ وظیفہ ''یا بھاء الدین مشکل کشا'' اُٹھتے بیٹھتے پڑھا کرتے ہیں اور بعض کشادگی رزق کے واسطے ''یا نظام الدین اولیاء زرے زر بخش'' کا ورد کرتے ہیں اور ایک گروہ ہر مصیبت میں ''یا شیخ عبدالقادر جیلانی شیئا للہ'' کو وظیفہ مجرب بتاتا ہے، اجان لو کہ یہ ساری باتیں افتراء و بہتان ہیں، اور اہل صراط مستقیم میں سے کوئی قابل اعتبار شخص ہرگز ان کو بیان نہیں کرتا۔ (۱)

اور حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب علیہ الرحمہ نے لکھا ہے کہ:

''در باب استعانت بارواح طیبہ دریں امت افراط بسیار بوقوع آمدہ، آنچہ جہال وعوام اینہا می کنند وایشاں را در ہر عمل مستقل دانستہ اند بلا شبہ شرک جلی است۔ (نیک لوگوں کی ارواح سے استعانت کے بارے میں اس امت میں بہت زیادتی واقع ہوئی ہے، جاہل اور عوام اس امت کے جو کچھ کیا کرتے ہیں اور ان حضرات کو ہر کام میں مستقل سمجھے ہوئے ہیں یہ بلا شبہ کھلا ہوا شرک ہے)۔ (۲)

---

(۱) بلاغ المؤمنین: ۹۵ (۲) فتاوی عزیزی: ۱/۱۲۱

ایک اور جگہ فرماتے ہیں جس کا خلاصہ یہ ہے کہ:

’’بزرگوں کی ارواح سے مدد مانگنا کی ایک صورت یہ ہے کہ زندہ بزرگوں سے اپنے مطالب و مقاصد کے لئے اللہ سے دعاء کرائی جائے اور ان کی دعاء کو اقرب الی الاجابۃ خیال کی جائے اور ان بزرگوں کو محض ایک واسطہ اور ایک آئینہ سمجھا جائے، یہ بال کسی اشتباہ کے جائز ہے، اور دوسری صورت یہ ہے کہ مقصوداً توجہ ان بزرگوں کی جانب ہو اور یہ سمجھا جائے کہ یہ حضرات مطالب و مقاصد کے پورا کرنے میں مستقل ہیں اور اللہ سے قربت کا ان کو وہ مقام حاصل ہے کہ تدبیر الٰہی کو یہ اپنی مرضی کے تابع کر سکتے ہیں، استمداد کی یہی صورت وقسم ہے جس سے عوام ان بزرگوں سے استمداد کرتے ہیں، اور یہ قسم شرک محض ہے۔(۱)

وجہ یہ ہے کہ ان عبارتوں میں غیر اللہ سے استمداد و استعانت ہے، جبکہ سب کو دینے والا تو اللہ تعالیٰ ہے، اس لئے سوال اللہ سے ہو اور اولیاء اللہ کو وسیلہ میں بطور سفارشی کے پیش کیا جائے تو یہ جائز ہے، لیکن خود ان اولیاء اللہ سے مانگنا اور ہر جگہ سے ان کو پکارنا اور یہ سمجھنا کہ یہ کہیں سے بھی ہماری آواز کو سن لیتے ہیں اور ہماری مدد کو پہنچ جاتے ہیں، محض غلط و باطل ہے۔

بعض لوگ عوام و جہال اور اس ذہنیت کے لوگوں کی ان بداعتقادیوں اور ان حرکات پر شرک کا حکم لگایا جاتا ہے تو یہ کہتے ہیں کہ یہ مؤمنوں کے ساتھ بدگمانی ہے، ان کے عمل کو کسی اچھے محمل پر محمول کرنا چاہئے، مگر سوال یہ ہے کہ اگر واقعی طور پر عوام و جہال کی بداعتقادیاں ظاہر ہو جائیں تو کیا تب بھی اس پر شرک کا حکم نہیں لگانا چاہئے؟ اگر نہیں تو پھر حضرت شاہ ولی اللہ و شاہ عبد العزیز جیسے حضرات نے اس پر شرک و شرک جلی کا حکم کیوں لگایا ہے؟

---

(۱) فتاوی عزیزیہ: ۱۰۵/۲

مزارات اولیاء کے بارے میں غلو:

اولیاء اللہ کی محبت وعقیدت اسلام کی تعلیمات میں سے ایک اہم تعلیم ہے، اس میں کسی کو کوئی اختلاف نہیں، لیکن عقیدت ومحبت کے عنوان پر غلواورتجاوز یہ اسلام کی تعلیم کے سراسر خلاف ہے، جیسا کہ اوپر کی تفصیلات ومضامین سے ہم نے معلوم کرلیا ہے، مگر یہاں بھی بعض طبقوں نے گمراہوں کی روش کے موافق بزرگان دین کی عقیدت کے نام پران کی مزارات کے بارے بھی غلو سے کام لیا، اور وہ وہ کام یہاں روا رکھنے لگے جو یہود ونصارے نے اپنے بزرگوں کی قبروں کے بارے میں روا کررکھی تھیں۔

یہ حدیثیں ہم نے اوپر نقل کردی ہیں:

(۱) رسول اللہ ﷺ نے وفات سے پانچ دن قبل فرمایا کہ: ’’بے شک تم سے پہلے لوگ اپنے انبیاء اور نیک لوگوں کی قبروں کو سجدہ گاہ بنالیا کرتے تھے، خبردار تم قبروں کو سجدہ گاہ نہ بنالینا، پس میں تم کو اس سے منع کرتا ہوں‘‘۔

(۲) ابوالھیاج اسدیؒ فرماتے ہیں کہ مجھ سے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ’’کیا میں تم کو اس کام کے لیے نہ بھیجوں جس کے لیے مجھے اللہ کے نبی ﷺ نے بھیجا تھا، یعنی یہ کہ کوئی تصویر نہ چھوڑوں مگر یہ اس کو مٹادوں، اور نہ کوئی اونچی قبر کو چھوڑوں مگر یہ کہ اس کو برابر کردوں‘‘۔

(۳) حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ ’’نبی کریم ﷺ نے قبر کو پختہ کرنے اور اس پر بیٹھنے، اور اس پر عمارت بنانے سے منع فرمایا‘‘۔

(۴) حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے قبروں کی زیارت کرنے والی عورتوں پر اور قبروں پر مساجد بنانے اور چراغاں کرنے والوں پر لعنت فرمائی ہے‘‘۔

مگر اب ان مزارات پر کیا نہیں ہورہا ہے؟ گنبد و قبے بنائے جاتے ہیں، شمع

چراغ جلائے جاتے ہے، چادر چڑھائی جاتی ہے، گاگر، پنکھے، کے جلوس نکالے جاتے ہیں، صندل کا لیپ کیا جاتا ہے، پھر وہاں طواف وسجدے بھی کیئے جاتے ہیں، مراقبے و اعتکاف بھی کیئے جاتے ہیں، منتیں ونذریں بھی مانی جاتی ہیں، جانور بھی ان پر قربان کیئے جاتے ہیں، فاتحہ وعرس کے میلے لگائے جاتے ہیں، اور اسی پر بس نہیں بلکہ مزید یہ کہ گانے بجانے اور ناچ ورنگ کی محفلیں بھی جمائی جاتی ہیں، پھر دیکھئے تو کوئی وہاں کے ستونوں سے چمٹا ہوا عرض معروض کر رہا ہے، کوئی جوش عقیدت میں چیخ رہا ہے، کوئی اپنی مصیبتوں کی داستان سنا کر التجائیں کر رہا ہے، کوئی عقیدت کے مظاہرے کے لئے پھول کا نذرانی لا رہا ہے، کوئی ادب و ہیبت کے لحاظ سے دم بخد ہے، کوئی رو رو کے بیقراری کو سکون پہنچا رہا ہے، عورتوں کا ایک ہجوم ہے جوان سارے کاموں میں شریک و سہیم ہے اوراس کی وجہ سے بے پردگی و بے حیائی بھی ہے، وغیرہ وغیرہ۔

اوپر کی احادیث پڑھیئے اور پھر فیصلہ کیجئے کہ کیا ان مزارات والوں اور قبر پرستوں کا اسلام وہی ہے جوان احادیث میں بیان کیا گیا ہے؟ کیا دونوں میں کوئی ادنی درجے کی مناسبت وموافقت نظر آتی ہے؟ یا دونوں میں کھلا ہوا تضاد و اختلاف نظر آتا ہے؟ کیا کوئی اس بات کی ہمت کر سکتا ہے کہ ان سب بوتوں کو یہ کہکر پیش کرے کہ یہی سب کچھ وہ دین ہے جو محمد عربی ﷺ نے لے کر آئے تھے اور جس کے نفاذ و قیام کے لئے آپ نے اور آپ کے صحابہ نے محنت ومجاہدہ کیا تھا اور اس کے لئے جان و مال کی بے نظیر و بے مثال قربانیاں پیش کی تھیں؟

پھر اسی کے ساتھ ساتھ یہ بھی دیکھتے چلیئے کہ اکابر علماء و بزرگان دین نے ان قبر پرستیوں کے بارے میں کیا کہا ہے تا کہ ناظرین پوری بصیرت کے ساتھ فیصلہ کر سکیں کہ کیا حق ہے اور کیا باطل؟ اور دیکھئے ان حضرات نے اس عقیدے وعمل کو کیا کہا ہے؟

مشہور مفسر قرآن امام فخر الدین رازی نے سورۂ یونس کی اٹھارویں آیت کی تفسیر

میں کفار و مشرکین کے احوال بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''و رابعها أنهم وضعوا الأصنام على صور أنبيائهم و أكابرهم و زعموا أنهم متى اشتغلوا بعبادة هذه التماثيل فإن أولئک الأكابر تكون شفعاء لهم عند الله و نظيره في هذا الزمان اشتغال كثير من الخلق بتعظيم قبور الأكابر على اعتقادهم أنهم إذا عظموا قبورهم فإنهم يكونون شفعاء لهم عند الله'' (چوتھے یہ کہ ان لوگوں کے اپنے انبیاء واولیاء کی صورتوں پر بت بنائے اور یہ گمان کیا کہ جب ہم ان کی عبادت میں مشغول ہوں گے تو یہ لوگ اللہ کے نزدیک ہمارے سفارشی ہوجائیں گے، اوراس کی نظیر اس زمانے میں بہت سے لوگوں کا اکابر کی قبروں کے ساتھ تعظیم کا برتاؤ ہے، جواس اعتقاد پر کرتے ہیں کہ جب وہ ان کی قبروں کی تعظیم کریں گے تو وہ اللہ کے پاس ہمارے سفارشی ہوں گے)۔(۱)

علامہ محمود آلوسی بغدادی اپنی تفسیر''روح المعانی'' میں انہی قبر پرست لوگوں کا ذکرکرتے ہوئے فرماتے ہیں: '' و قد رأينا كثيراً من الناس على هذه الصفة التي وصف اللّٰه تعالى بها المشركين ، يهشون لذكر الأموات ، يستغيثون بهم و يطلبون منهم ، و يطرّبون من سماع حكايات كاذبة منهم ، توافق هواهم واعتقادهم فيهم ، و يعظمون من يحكى لهم ذلک،و ينقبضون من ذكر الله تعالى وحده و نسبة الاستقلال بالتصرف إليه عزّ وجلّ ، و سرد ما يدلّ على مزية عظمته وجلاله ، و ينفرون ممّن يفعل ذلک كلَّ النفرة ينسبونه إلى ما يكره ''. (ہم نے بہت سے لوگوں کواسی طرح کے دیکھا ہے جیسے اللہ تعالی نے مشرکین کا حال بیان کیا ہے، کہ وہ فوت شدہ بزرگوں کا ذکرسن کرجھومتے ہیں، ان سے فریاد کرتے ہیں اوران سے حاجتیں مانگتے ہیں، اوران

(۱) التفسیر الکبیر: ۱۷/ ۴۹ تفسیر سورۂ یونس: ۱۸

کے متعلق من گھڑت واقعات سن کر جو ان کی خواہش و اعتقاد کے موافق ہوں خوشی و مستی میں آجاتے ہیں، اور جو لوگ اس قسم کی باتیں بیان کرتے ہیں ان کی تعظیم کرتے ہیں، اور اللہ عز وجل کی جانب مستقل تصرفات کی نسبت بیان کرنے اور اور اللہ کے جلال و عظمت کے بیان کرنے پر کبیدہ خاطر و رنجیدہ ہوتے ہیں، اور جو یہ باتیں بیان کرے اس سے پوری طرح نفرت کا مظاہرہ کرتے ہوئے بھاگ جاتے ہیں اور اس کو برائی سے منسوب کرتے ہیں)۔(۱)

حضرت شاہ ولی اللہ محدثؒ "الفوز الكبير" میں کہتے ہیں کہ: "وإن كنت غيرَ مُهتدٍ في تصوير حال المشركين و عقائدهم و أعمالهم ، فانظر إلى حال المحترفين من أهل عصرنا لا سيما الذين يقطُنو ن منهم بأطراف دار الإسلام ، ما هي تصوراتهم عن الولاية ؟ فمع أنهم يعترفون بولاية الأولياء المتقدمين يرون وجودَ الأولياء في هذا العصر من قبيل المستحيلات ، و يذهبون إلى القبورو العتبات ، و يرتكبون أنواعاً من الشرك، و كيف تطرّق إليهم التشبيه والتحريف ؟ و نرى طِبقَ الحديث الصحيح: " لَتَتَّبِعُنَّ سُنَنَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ" أنه ما من بلية من البلايا إلا و طائفة من أهلعصرنا يرتكبونا و يعتقدون مثلها،"۔(۲)

اس کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر مشرکین کے عقائد و اعمال کا کچھ حال دیکھنا ہو تو ہمارے زمانے کے پیشور مجاوروں کا حال دیک لیا جائے خصوصا جو دار الاسلام یعنی دہلی کے اطراف و اکناف میں رہتے ہیں کہ ان کا ولایت کے بارے میں کیا تصور ہے؟ وہ لوگ اگر چہ متقدمین میں اولیاء کے قائل ہیں مگر اس کے باوجود موجودہ سور میں اولیاء اللہ کے پائے جانے کو محال سمجھتے ہیں، اور اسی لئے پہلے کے اولیاء اللہ کی مزاروں پر اور اس

(۱) روح المعانی: ۱۱/۲۴ (۲) الفوز الکبیر: ۲۴

کی خانقاہوں پر جاتے اور قسم قسم کے شرک کا ارتکاب کرتے ہیں، اور یہ بھی دیکھو کہ کس طرح ان میں تشبیہ یعنی غیر اللہ سے اللہ کو تشبیہ دینے اور دین میں تحریف کرنے کی باتیں پائی جاتی ہیں، حضرت شاہ صاحب کہتے ہیں کہ ہم تو حدیث صحیح ''کہ تم اپنے سے پہلے لوگوں کی ضرور اتباع کورگے'' کی روشنی میں یہ سمجھتے ہیں کہ ان کفر و شرک وغیرہ بلاؤں میں سے ہر بلا کا ارتکاب کوئی نہ کوئی طبقہ کرتا ہے اور اس جیسی بات کا عقیدہ جمالیتا ہے۔

ان جلیل القدر ہستیوں نے قبور اکابر کے ساتھ ہونے والے اعمال کو صاف شرک سے اور ان لوگوں کو مشرکین سے مشابہ قرار دیا ہے۔

پیروں کی تصاویر اور ان کی عظمت:

اسی بے راہ روی کا ایک اثر یہ ہے کہ یہ لوگ اپنے پیروں اور مشائخ کی تصاویر کو بڑی اہمیت و عظمت کے ساتھ اپنے پاس رکھتے اور مکانات میں لگاتے ہیں اور وقت مصیبت اس کو دیکھتے اور یہ سمجھتے ہیں کہ اس سے ہماری مصیبت دور ہوگی اور حاجت پوری ہوگی، اور بعض لوگوں میں ان تصاویر کی اس قدر عظمت ہوتی ہے کہ اس کو بلا وضو چھوتے یا دیکھتے نہیں۔

یہ سب انتہائی بے راہ روی و گمراہی کے کام ہیں، ایک تو اسلام میں تصویر خود حرام ہے اور اس کی وجوہات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اس سے دنیا میں شرک کو فروغ ملا ہے ، اور اس پر سخت وعیدیں وارد ہوئی ہیں، دوسرے پیر کی تصویر کا عظمت و محبت کے ساتھ رکھنا اور دیکھنا اور بھی زیادہ برا اور مشرکانہ کام ہے۔

بریلوی مکتب فکر کے بانی جناب مولانا احمد رضا خان صاحب سے کسی نے عرض کیا کہ بزرگان دین کی تصاویر بطور تبرک لینا کیسا ہے؟ اس کے جواب میں انہوں نے کہا کہ: ''کعبہ معظّمہ میں حضرت ابراہیم و حضرت اسماعیل و حضرت مریم کی تصاویر بنی تھیں کہ یہ متبرک ہیں، ناجائز فعل تھا، حضور اقدس ﷺ نے خود دست مبارک سے انہیں دھو دیا''۔

جب حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل وحضرت مریم جیسے مقدس ہستیوں کی تصاویر اللہ کے نبی ﷺ کے برداشت نہیں کی تو دیگر لوگوں کی تصاویر کا کیسے اجازت ہو سکتی ہے، کیا کوئی پیر وشیخ ان حضرات سے بھی زیادہ مقدس ہوسکتا ہے؟ پھر جب اسلام نے تصویر ہی کو حرام قرار دیدیا تو اس کی کیا گنجائش نکل سکتی ہے؟

جھوٹی قبروں، طاقوں اور درختوں کی نذر و نیاز:

یہاں یہ بھی قابل ملاحظہ ہے کہ مزارات کے نام سے جب شیطان نے لوگوں کو قسم ہا قسم کے شرکیہ عقیدوں اور اعمال میں مبتلا کیا اور ان کے دین وایمان سے کھیل تماشا کرنے لگا تو اس نے صرف واقعی اولیاء اللہ کی قبروں کے ساتھ ساتھ کچھ غیر واقعی جھوٹی قبروں کا بھی ایک سلسلہ جاری کردیا اور بعض ناعاقبت اندیش لوگوں نے ''اولیاء اللہ'' کے نام پر جانوروں اور عام لوگوں کی قبروں کو بھی قبر پرستی کے لئے منتخب کرلیا ہے، اور اولیاء اللہ کی سخت ترین توہین کے ارتکاب کے ساتھ ساتھ لوگوں کو گمراہی میں مبتلا کردیا۔

ہوسکتا ہے کہ کسی کو اس میں تعجب معلوم ہو کہ قبر جھوٹ کیسی اور پھر جانوروں کی قبر کیا؟ مگر تعجب نہ کیجئے کیونکہ یہ بات خود عظیم بزرگ وصوفی جن کی ولایت کو عوام وخواص سبھی تسلیم کرتے ہیں، انہوں نے اپنے ملفوظات میں بیان کیا ہے، میری مراد حضرت خواجہ گیسو دراز علیہ الرحمہ سے ہے، آپ نے بیان کیا کہ:

یہ حکایت بیان فرمائی کہ چار آدمی مسافر تھے اور ان کا پانچواں ساتھی کتا تھا، ایک جگہ پانی کے کنارے کتا مر گیا تو انہوں نے کہا کہ یہ بیچارہ ہمارے ساتھ رہا تھا ہم اس کو کہیں دفن کردیں گے اور ایک علامت بنادیں گے اور جب ہم واپس آئیں گے تو ہم کو یہ یاد آجائے گا کہ یہی جگہ ہمارے اس کتے کی ہے تو انہوں نے ایک مٹی کا ڈھیر لگادیا اور روانہ ہوگئے وہ ایک قبر کی صورت بن گئی۔ اتفاقاً وہاں ایک قافلہ پہونچا آگے

---

(۱) ملفوظات: ۲/۱۰۱

کے راستہ کا پر خطر ہونا انہوں نے سنا وہاں انہوں نے یہ قبر کی صورت دیکھی جس کے سرہانے ایک درخت بھی تھا تو انہوں نے سوچا کہ یہ کسی بزرگ کی قبر ہے جن کو کنارۂ آب درخت کے سایہ میں دفن کیا گیا ہے۔انہوں نے اس صاحبِ قبر کے لیے اپنے مال کا دسواں حصہ الگ کر دیا اور نذر مانی کہ اگر ہم سلامتی کے ساتھ گزر جائیں تو ہماری منفعت کا دسواں حصہ اس شیخ بزرگوار کے لیے لائیں گے۔اتفاقاً چوروں کے درمیان اختلاف پیدا ہو گیا اور سوداگروں کے لیے راستہ کھل گیا اور وہ سلامتی سے گزر گئے اور پھر اس جگہ واپس آ گئے تو انہوں نے ایک گنبد، ایک خانقاہ اور ایک عمارت بنا دی۔لوگوں میں شہرت ہو گئی اور وہاں ایک بستی آباد ہو گئی۔ اور اس بستی کا والی بھی مقرر ہو گیا۔کچھ زمانہ گزرا اور وہ چار آدمی سفر کرتے ہوئے پھر اس کنارۂ آب پر پہونچے تو وہاں ایک شہر کو آباد دیکھا کہ یہاں کوئی آبادی نہ تھی مگر یہ شہر کہاں سے آ گیا لوگوں سے سنا کہ یہاں ایک بزرگ دفن ہیں۔تو وہ آئے دیکھا اور شبہ میں پڑ گئے کہ کہیں یہ ہمارا وہی کتا نہ ہو وہ درخت وہ کنارۂ آب اور اس مقام کو تحقیق سے سمجھ لیا کہ بزرگوار آدمی نہیں ہیں بلکہ وہی کتا ہے۔ان کی یہ بات شہر میں فاش ہو گئی لوگوں نے کہا کہ ان کے ساتھ کیا برتاؤ کیا جائے تو انہوں نے کہا کہ ہم کو ایک کدال دید واگر کتے کی ہڈیاں نہ نکلیں تو ہم کو مار ڈالو۔چنانچہ کھودا گیا تو کتے کی ہڈیاں بعینہ نکل آئیں۔لوگوں نے یقین کر لیا۔اپنا قصہ سنایا اور ان کو چھٹکارا مل گیا۔بس خلق کے اعتقاد کا یہ حال ہے۔(۱)

بلکہ بعض دکان دار قسم کے پیروں نے جانوروں کی قبروں پر مجاوری اختیار کر رکھی ہے، جس کا ذکر حضرت خواجہ بندہ نواز گیسو دراز رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ملفوظات میں کیا ہے۔

اسی طرح بعض لوگ درختوں اور طاقوں میں یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ یہاں بعض اولیاء اللہ یا شہداء کرام رہتے ہیں، اس کئے نذر و نیاز و طواف و سجدے وہاں بھی کیا

---

(۱) دیکھو جوامع الکلم: ۴۳۷

کرتے ہیں، اس کا شرک ہونا پہلے معلوم ہو چکا ہے اور لغو و بے ہودہ ہونا خود عقل بھی تسلیم کرتی ہے، اس کے ساتھ اس بارے میں بریلوی مکتب فکر کے اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان صاحب نے ایک فتوے بھی اس کے واہیات وخرافات ہونے کا دیا ہے، چنانچہ ایک صاحب نے ان سے سوال کیا کہ:

''کیا فرماتے ہیں علماء اہل سنت اس صورت میں کہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ فلاں درخت پر شہید مرد ہیں اور فلانے طاق میں شہید مرد رہتے ہیں، اور اس درخت اور اس طاق کے پاس جا کر ہر جمعرات کو فاتحہ شیرینی اور چاول وغیرہ پر دلاتے ہیں، ہار لٹکاتے ہیں، لوبان سلگاتے ہیں، مرادیں مانگتے ہیں، اور ایسا دستور اس شہر میں بہت جگہ واقع ہے۔ کیا شہید مردان درختوں اور طاقوں میں رہتے ہیں؟ اور یہ اشخاص حق پر ہیں یا باطل پر؟

اس سوال کے جواب میں مولانا احمد رضا خان صاحب نے لکھا ہے کہ:

''یہ سب واہیات وخرافات اور جاہلانہ حماقات و بطالات ہیں، ان کا ازالہ لازم۔ **مَا اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ،وَلاَ حَوْلَ وَلا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ .والله سُبحانه وتعالى أعلم**''. (۱)

اس کے بعد ہم یہ چاہتے ہیں کہ بعض خاص خاص قبوری بدعات پر فقہاء کے کلام سے روشنی ڈالیں، کیونکہ وہی حضرات ہمارے دین کے شارح ومفسر ہیں جنہوں نے قرآن وحدیث کو خوب خوب سمجھ کر ہمارے سامنے دین کو پیش کیا ہے تاکہ ہم دین اسلام و پیغام محمدی پر صحیح طور پر عمل کریں۔

اولیاء اللہ کی نذر ومنت:

ان قبر پرستوں میں رائج اعمال کے بارے میں ملاحظہ کیجئے کہ ان میں ایک یہ ہے کہ اولیاء اللہ کی نذر ومنت مانتے ہیں، یہ ناجائز ہے اور فقہاء نے اس کو معصیت و

(۱) احکام شریعت: ۲۳/۱

حرام قرار دیا ہے، چنانچہ علامہ قاسم کی ''شرح درر البحار'' کے حوالے سے متعدد حضرات نے اس کو نقل کیا ہے، فقہ حنفی کے امام علامہ حصکفی اپنی کتاب ''الدرالمختار'' میں، علامہ شامی نے اس کے حاشیہ ''الردالمحتار'' میں، علامہ ابن نجیم المصری نے ''البحر الرائق'' میں اور علامہ سراج الدین بن نجیم نے ''النہرالفائق'' میں لکھا ہے کہ:

'' اعلم أن النذر الذي يقع للأموات من أكثر العوام و ما يوخذ من الدراهم وا لسمع والزيت و نحوها إلى ضرائح الأولياء الكرام تقريبا إليهم فهو بالإجماع باطل''(جان لینا چاہئے کہ اکثر عوام جو مردوں کے لئے نذر مانتے ہیں اور روپے، چراغ تیل وغیرہ چیزیں اولیاء کرام کی مزارات پر ان کا قرب حاصل کرنے کے لئے لے جاتے ہیں یہ عمل بالاجماع باطل ہے)(۱)

اور اولیاء اللہ سے تقرب حاصل کرنے کی نیت کی صورت یہ لکھتے ہیں:'' كأن يقول : يا سيدي فلان إن رد غائبي أو عوفي مريضي و قضيت حاجتي فلک من الذهب و الفضة أو من الطعام أو الشمع أو الزيت باطل حرام''(نذر جیسے کوئی کہے کہ اے سرکار! اگر میری گمشدہ چیز واپس لوٹا دی جائے یا میرے مریض کو صحت مل جائے یا میری حاجت پوری ہو جائے تو اس قدر سونا یا چاندی یا چراغ کے لئے موم یا تیل دوں گا تو یہ نذر باطل حرام ہے)۔

اور اس کی حرمت و بطلان کی کئی وجوہات بتاتے ہیں کہ:

(۱) ایک یہ کہ یہ مخلوق کے لئے نذر ہے اور یہ جائز نہیں ہے، اس لئے کہ نذر عبادت ہے اور عبادت مخلوق کے لئے نہیں ہوسکتی۔

(۲) دوسری یہ کہ جس کے لئے یہاں نذر مانی جا رہی ہے وہ میت ہے اور میت کسی چیز کا مالک نہیں ہوتا۔

---

(۱) درمختار مع الشامی:۲/۴۳۹، البحر الرائق:۲/۲۹۸، النہرالفائق:۲/۴۲

(۳) تیسری یہ کہ اگر یہ اعتقاد رکھتے ہوئے نذر مانی کہ اللہ کے علاوہ یہ میت بھی ہمارے کاموں میں تصرف کرتی ہے، تو یہ اعتقاد کفر ہے، الا یہ کہ اس طرح کہے کہ اے اللہ! میں نذر مانتا ہوں تیرے لئے کہ اگر تو مریض کو شفاء دے یا غائب چیز کو لا ٹادے یا میری حاجت پری کردے تو میں سیدہ نفیسہ یا امام شافعی یا امام لیث کے آستانے پر فقراء کو کھانا کھلاؤں گا یا ان کے مساجد کے لئے حصیریں خریدوں گا یا ان میں جلانے کے لئے تیل خریدوں گا، تو یہ نذر تو اللہ کے لئے ہوگی اور فقراء کے لئے نفع ہوگا۔ (۱)

الحاصل نذر غیر اللہ کے لئے ماننا حرام ہے اور اگر یہ اعتقاد بھی شامل ہو کہ یہ اولیاء اللہ تصرف بھی کرتے ہیں اور ان کو اختیار دے دیا گیا ہے تو یہ کفر ہے۔

حضرت مجدد الف ثانی نے اولیاء اللہ کے نام پر جانوروں کو قربان کرنے کے متعلق فرمایا کہ: ''حیوانات کو جو مشائخ کی نذر مانتے ہیں، اور اس کے مزارات پر جا کر انہیں ذبح کرتے ہیں فقہ کی کتابوں میں اس عمل کو بھیہ شرک میں شمار کیا جاتا ہے اور اس سلسلہ میں بہت سختی کی گئی ہے۔ (۲)

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی ''مجالس الابرار'' کے حوالے سے فرماتے ہیں کہ: ''علماء اسلام نے کہا ہے کہ قبروں کے واسطے موم بتی و چراغ و تیل وغیرہ کی نذر ماننا جائز نہیں، کیونکہ یہ نذر معصیت کی نذر ہے، اور ایسی نذر کا پورا کرنا جائز نہیں، بلکہ اس کا کفارہ دینا لازم ہے۔ اور قبروں کے لئے موم بتی و روغن و شمع وغیرہ وقف کرنا بھی درست نہیں، اور ایسے وقف کا جاری رکھنا بھی حلال نہیں ہے۔ (۳)

حضرت شاہ عبدالعزیز دہلوی اولیاء اللہ کی نذر ماننے کے بارے میں مختلف کتب فقہ کے حوالے سے اپنے ایک فتوے میں کہتے ہیں: ''اکثر عام جو اولیاء اللہ کی نذر مانتے

(۱) در مختار مع الشامی: ۲/۴۳۹، البحر الرائق: ۲/۲۹۸، النہر الفائق: ۲/۴۲ (۲) مکتوبات دفتر سوم: ۱۷، مکتوب: ۴۱ (۳) بلاغ المبین: ۱۶

ہیں بالا جماع باطل وحرام ہے''۔(۱)

قبروں پر عرس اوران کا سجدہ وطواف حرام ہے:

ان خرافات قبوریہ میں سے ایک عرس، اور وہاں سجدے وطواف کا رواج بھی ہے۔ حدیث میں نبی کریم ﷺ کا ارشاد وارد ہوا ہے کہ آپ نے فرمایا کہ : '' **لَا تَجْعَلُوْا قَبْرِيْ عِيْداً و صلوا علی و صلاتكم تبلغني حيث كنتم** ''(میری قبر کوعید نہ بنالینا)۔(۲)

اس میں عید نہ بنانا کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح عید میں اجتماع ہوتا ہے اسطرح سالانہ میلہ کی شکل نہ بنا لینا، یہی عرس کی وہ شکل ہے جو رواج پائی ہوئی ہے کہ لوگ سالانہ ایل میلہ بنا کر وہاں جمع ہوتئے پہیں اور اسی کے ساتھ ہزاروں خرافات بھی کرتے ہیں۔

حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی جو حضرت مرزا مظہر جان جاناں کے خلیفہ تھے انہوں نے اپنی تفسیر '' التفسیر المظہری'' میں فرمایا کہ:'' **لا يجوز ما يعفله الجهال بقبور الأولياء وا لشهداء من السجود والطواف حولها واتخاذ السرج والمساجد عليها، ومن الاجتماع بعد الحول كالأعياد و يسمونه عرساً** ''(جاہل لوگ اولیاء اللہ کی قبروں سے جو کچھ کرتے ہیں یعنی اس کے اطراف سجدہ وطواف، اوران پر چراغان کرنا اور سجدہ گاہ بنانا اور عیدوں کی طرح سالانہ اجتماع جسے عرس کہتے ہیں یہ سب ناجائز ہے)۔(۳)

اس سلسلہ میں بریلوی مسلک کے بانی مولانا احمد رضا خان صاحب بریلوی کا

(۱) فتاوی عزیزی :۱/۹۰ (۲) ابو داؤد: ۲۰۴۲، احمد: ۸۷۹۰، معجم اوسط : ۸/۸۱، مسند ابو یعلی: ۱/۳۶۱، مسند بزار :۲/۱۴۷، مصنف ابن ابی شیبہ: ۲/۱۵۰، شعب الایمان: ۳/۴۹۱ (۳) تفسیر مظہری:۲/۶۵

فتوی بھی یہی ہے کہ قبروں کو سجدہ وطواف نا جائز ہے اور ان کو بوسہ دینا بھی احتیاطاً ممنوع ہے، چنانچہ کسی سائل نے ان سے پوچھا کہ: ''کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ بوسہ دینا قبر اولیائے کرام اور طواف کرنا گرد قبر کے اور سجدہ کرنا تعظیماً از روئے شرع شریف موافق مذہب حنفی جائز ہے یا نہیں۔''

اس کے جواب میں مولانا احمد رضا خان صاحب فرماتے ہیں کہ:

''بلا شبہ غیر کعبہ کا طواف تعظیمی نا جائز ہے اور غیر خدا کو سجدہ ہماری شریعت میں حرام ہے اور بوسہ قبر میں علماء کو اختلاف ہے اور احوط منع ہے، خصوصاً مزارات طیبہ اولیائے کرام کہ ہمارے علماء نے تصریح فرمائی کہ کم از کم چار ہاتھ فاصلہ سے کھڑا ہو، یہی ادب ہے، پھر تقبیل (بوسہ) کیونکر متصور ہے؟ یہ ہے وہ جس کا فتوی عوام کو دیا جاتا ہے اور تحقیق کا مقام دوسرا ہے۔(۱)

اس سے معلوم ہوا کہ مولانا احمد رضا خان صاحب بھی ان چیزوں کو جو مزارات پر طواف وسجدہ وبوسہ اور اس قبیل سے کئے جاتے ہیں نا جائز سمجھتے تھے۔

اس کے بعد یہاں یہ عرض کر دینا بھی مناسب ہے کہ حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی علیہ الرحمہ نے لکھا ہے کہ:

''ثقہ شخص کے بیان سے معلوم ہوا کہ ایک عابد شخص حضرت خواجہ قطب الدین رحمۃ اللہ علیہ کے عرس میں کسی دیہات سے جو درمیان گنگا وجمنا کے واقع تھا آیا کرتے تھے، اور ایک عالم صاحب کی خانقاہ میں ٹھہرا کرتے تھے، ایک مرتبہ انہوں نے عالم صاحب سے کہا کہ آپ خواجہ صاحب کی زیارت کو کیوں نہیں تشریف لے جاتے، عالم صاحب نے کہا کہ وفات کے دن قبر کی زیارت کرنا کوئی ضروری نہیں ہے، بلکہ عوام لوگوں میں شامل ہو کر اہل بدعت کی جماعت کو بڑھانا وترقی دینا ہے، اس میں ایمان

---

(۱) احکام شریعت: ۲۳۴/۱

کے نقصان کا خطرہ ہے، رسول اللہ ﷺ نے قبر پر عید منانے سے منع کیا ہے۔ الغرض جب وہ عابد صاحب خواجہ قطب الدین رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر پہنچے تو دیکھا کہ گویا حضرت خواجہ صاحب کمر تک قبر سے باہر نکل آئے ہیں اور دونوں ہاتھوں سے عابد کو پکڑ کر اپنی رنجیدگی اور لوگوں کے ہجوم کی وجہ سے سر درد کا اشارہ فرما رہے ہیں، اس واقعہ کے بعد عابد نے ایام عرس میں آنا بند کر دیا اور رسول اللہ ﷺ کی اس ممانعت: " **لَا تَتَّخِذُوا قَبْرِیْ عِیْداً** " (میری قبر کو عید نہ بنانا) سے فائدہ اٹھایا"۔(۱)

عرس و زیارت قبور کا مسئلہ جب زیر بحث آیا ہے تو تکمیل فائدہ کی غرض سے یہ عرض کر دینا بھی مناسب ہے کہ اسلام نے شروع میں زیارت قبور سے منع کر دیا تھا، اور اس کی وجہ لیکن بعد میں اس کی اجازت ہوگئی، چنانچہ حدیث میں اس کی وضاحت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ :" **نهيتكم عن زيارة القبور، فزوروها** "(میں نے تمہیں زیارت قبور سے منع کیا تھا، اب تم ان کی زیارت کیا کرو)(۲)

اور بعض روایات میں یہ بھی بتایا ہے کہ اس اجازت دینے کی حکمت یہ ہے کہ زیارت قبور سے آخرت کی یاد دہانی ہوتی ہے، اور ایک روایت میں ہے کہ اس سے دنیا سے زہد اور آخرت کی یاد دہانی ہوتی ہے۔(۳)

مگر اس اجازت میں عورتیں بھی داخل ہیں یا نہیں، اس میں علماء کا اختلاف ہے، اکثر حضرات نے کہا ہے کہ اس اجازت میں عورتوں کا کوئی حصہ نہیں، یہ اجازت صرف مردوں کے لئے ہے۔ زمانے کے حالات اور عورتوں کے حالات تو اسی کے متقاضی ہیں کہ ان کو اجازت نہ دی جائے۔ مولانا احمد رضا صاحب نے بھی یہی فتوی دیا ہے، لہٰذا عرسوں میں عورتوں کو لے جانے والے لوگوں کے لئے یہ اپنے ہی گھر کی شہادت کا حکم

(۱) بلاغ المبین: ۶۷ (۲) مسلم: ۹۷۷، ابو داؤد: ۳۶۹۸، سنن نسائی: ۲۰۳۲ (۳) ابو داؤد: ۳۶۹۸، ابن ماجہ: ۱۵۷۱، احمد: ۱۲۳۵

رکھتا ہے، لہٰذا ملاحظہ کیجئے۔

مولانا احمد رضا خان صاحب سے کسی نے عرض کیا کہ حضور! اجمیر شریف میں خواجہ صاحب کے مزار پر عورتوں کا جانا جائز ہے یا نہیں؟ جواب دیتے ہیں کہ: ''غنیۃ میں ہے کہ یہ نہ پوچھو کہ عورت کا مزارات پر جانا جائز یا نہیں؟ بلکہ یہ پوچھو کہ اس عورت پر کس قدر لعنت ہوتی ہے اللہ کی طرف سے اور کس قدر صاحب قبر کی جانب سے، جس وقت گھر سے ارادہ کرتی ہے لعنت شروع ہو جاتی ہے اور جب تک واپس نہیں آتی ملائکہ لعنت کرتے رہتے ہیں سوائے روضۂ انور کے کسی مزار پر جانے کی اجازت نہیں، وہاں کی حاضری البتہ سنت جلیلہ عظیمہ قریب بواجبات ہے۔........................آگے کہتے ہیں........................بخلاف دگر قبور و مزارات کہ وہاں ایسی تاکیدیں مفقود اور احتمال مفسدہ موجود، اگر عزیزوں کی قبریں ہیں بے صبری کرے گی، اولیاء کے مزار ہیں تو محتمل کہ بے تمیزی سے بے ادبی کرے یا جہالت سے تعظیم میں افراط جیسا کہ معلوم و مشاہدہ ہے لہٰذا ان کے لئے طریقۂ اسلم احتراز ہی ہے۔(۱)

الغرض عورتوں کا مزارات پر حاضر ہونا اور عوسوں میں شریک ہونا فتنے کا ایک عظیم دروازہ کھولتا ہے، اور بے شمار مفاسد و رذائل وجود میں آتے ہیں، لہٰذا اس سے عورتوں کو منع کرنا چاہیئے۔

قبروں کو پختہ و اُونچا کرنا:

ایک چیز ان قبوری فرقے کے لوگوں میں یہ ہے کہ مزارات کو پختہ و اونچا کرتے ہیں، جس سے حدیث میں ممانعت وارد ہوئی ہے جیسا کہ اوپر اس سلسلہ کی حدیثیں گزر گئیں، جن سے معلوم ہوتا ہے کہ قبروں کو پختہ کرنا یا اسپر عمارت بنا کر، ان کو اونچا کرنا جیسے گنبد وغیرہ بنائے جاتے ہیں، یہ ناجائز و حرام ہے۔ مگر افسوس کہ اس ناخداترس گروہ

(۱) ملفوظات: ۲/۱۲۴-۱۲۵

نے جو اپنی زندگی کو انہیں خرافات و محرمات سے وابستہ کیا ہوا ہے اور اس کی روزی و معاش ''اولیاء اللہ رحمۃ اللہ علیہم اجمعین'' بلکہ بعض معمولی لوگوں کی قبروں پر مجاوری اور ان خرافاتی حرکات پر منحصر ہو گئی ہے۔

اس لیے یہ گروہ ان محرمات کو نہ صرف یہ کہ کرتا ہے بلکہ انکو حق اور جائز ثابت کرنے کے لیے عجیب و غریب اور نامعقول تاویلات سے کام لیتا ہے، جس کو اس قسم کی باطل بلکہ مضحکہ خیز تاویلات کا نمونہ دیکھنا ہو وہ مفتی احمد یار خان رضوی کی کتاب ''جاء الحق'' دیکھ لے جو در حقیقت ''جاء الباطل'' کا مصداق ہے اور اس کیساتھ ان کے مدلل و محکم جوابات دیکھنا ہو تو مولانا سرفراز خان صاحب صفدر کی بے مثال کتاب ''راہِ سنت'' کا مطالعہ کرے، حق و باطل میں ان شاء اللہ تعالیٰ پوری طرح امتیاز ہو جائے گا، ہماری یہ مختصر کتاب اس کی متحمل نہیں کہ طرفین کے دلائل سے بحث کرے۔

بہر حال ہم نے اوپر اللہ کے رسول ﷺ کی صحیح حدیث پیش کی ہے جس کا مطلب بالکل واضح ہے اور ہمارے علماء نے اس سے وہی سمجھا ہے جو اوپر پیش کیا گیا۔ امام محمد بن حسن علیہ الرحمۃ جو امام ابوحنیفہ علیہ الرحمۃ کے شاگرد اور ان کی فقہ کے سب سے بڑے شارح ہیں، وہ اپنی ''کتاب الآثار'' میں رقمطراز ہیں کہ:

''ہم اس کو مکروہ قرار دیتے ہیں کہ قبر کو پختہ کیا جائے یا اس پر لپائی کی جائے، پھر امام ابوحنیفہؒ کی سند سے حدیث بیان کرتے ہیں کہ اللہ کے نبی ﷺ نے قبروں کو چوکور بنانے اور ان کو پختہ کرنے سے منع کیا ہے۔ پھر فرماتے ہیں کہ ہم اسی کو لیتے ہیں اور یہی امام ابوحنیفہ کا قول ہے۔ (۱)

اور فقہ حنفی کی معروف کتاب ''بدائع الصنائع'' میں ہے کہ: '' قبروں کو چونا قلعی کرنا اور ان کی لپائی کرنا مکروہ ہے، اور امام ابوحنیفہ نے قبر پر تعمیر کو مکروہ قرار دیا ہے اور

---

(۱) کتاب الآثار: ۵۲

امام ابو یوسف نے قبر پر لکھنے کو مکروہ کہا ہے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے قبر کو پختہ کرنے اور اس پر بیٹھنے، اور اس پر عمارت بنانے سے منع فرمایا''، نیز اس لئے کہ یہ زیب وزینت کی چیزیں ہیں اور میت کو اس کی کوئی حاجت نہیں، اور اس لئے بھی کہ اس میں مال کی تضییع ہے۔(۱)

غرض قبروں کو پختہ کرنا، ان کو اونچا کرنا، اور ان پر عمارت بنانا درست نہیں، لہٰذا ان سے بچنا چاہئے۔

قبروں پر غلاف اور پھول:

ان قبوری بدعات میں سے ایک یہ ہے کہ قبروں پر تعظیم کے لیے غلاف ڈالتے ہیں اور اسمیں ان بزرگ کی عظمت سمجھتے ہیں، یہ بھی بے اصل اور فضول ہے اور اسراف اور تبذیر میں داخل ہونے کی وجہ سے ناجائز ہے جس کی حرمت قرآن کی نص سے ثابت ہے۔

علامہ شامیؒ نے لکھا ہے کہ:

'' تکرہ الستور علی القبور ''(یعنی قبروں پر پردہ (غلاف) مکروہ ہے)۔(۲)

اسی طرح قبروں پر پھول یا پھولوں کی چادر ڈالی جاتی ہے جو سراسر لغو کام ہے۔ اگر یہ غلاف ڈالنا اور پھول یا پھولوں کی چادر ڈالنا دین کا کام ہوتا یا اس سے کوئی فائدہ متصور ہوتا، تو حضرت نبی کریم ﷺ اور صحابہ وتابعین، علماء وائمہ ضرور اس کو کرتے اور اس کا حکم دیتے، حالانکہ ان حضرات سے اس کا کوئی ثبوت نہیں ملتا، لہٰذا ان کاموں کا بدعت ہونا یقینی امر ہے۔

بعض لوگ قبروں پر پھول ڈالنے کے جواز پر ایک حدیث سے استدلال کرتے

---

(۱) بدائع الصنائع: ۲/۶۱ (۲) شامی: ۲/۲۳۸

ہیں، وہ یہ ہے کہ حضرت نبی کریم ﷺ نے دو قبروں پر عذاب ہوتا دیکھ کر ان پر سبز شاخیں لگائیں اور فرمایا کہ یہ جب تک سبز رہیں گی ان قبروں پر عذاب میں کمی ہوگی۔(۱)

یہ لوگ کہتے ہیں کہ جس طرح شاخ تخفیف عذاب کا باعث ہے اسی طرح پھول بھی عذاب میں کمی کا باعث ہو سکتے ہیں۔مگر یہ استدلال سراسر دھوکہ اور باطل ہے:

اوّلا : تو اس لیے کہ حدیث میں پھول کا ذکر نہیں ہے، شاخ گاڑنے کا ذکر ہے، لہٰذا اس سے پھول یا پھولوں کی چادر پر استدلال بے معنے ہے۔رہا شاخ لگانا تو اس کی اجازت ہے اور علماء نے اس کو مستحب قرار دیا ہے۔(۲)

رہی یہ بات کہ اللہ کے رسول ﷺ نے شاخ اس لیے لگائی تھی کہ وہ ذکر و تسبیح کرتی ہے اس لیے پھول بھی ذکر و تسبیح کرتے ہیں، قبروں پر ڈالنا درست ہونا چاہئے، اس کا جواب یہ ہے کہ ذکر و تسبیح تو ہر چیز کرتی ہیں، پھول کی کیا تخصیص؟ دوسری چیزیں کیوں نہیں ڈالی جاتیں؟

ثانیاً : اس لیے کہ علماء کی ایک جماعت نے اس عمل سے عذاب میں تخفیف کو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ خاص قرار دیا ہے۔علامہ ابن حجر عسقلانیؒ نے لکھا ہے کہ:

”علامہ خطابیؒ اور ان کے متبعین نے قبروں پر شاخ رکھنے پر نکیر کی ہے، اور علامہ طرطوشیؒ اس کی وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ: یہ اللہ کے نبی ﷺ کے ہاتھ کی برکت کے ساتھ خاص ہے۔(۳)

ثالثا : اس لیے کہ یہ عمل اللہ کے رسول ﷺ کی دعاء و شفاعت ہے۔امام مسلمؒ نے ایک طویل حدیث میں اسی قسم کے ایک واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے ا للہ کے نبی ﷺ کے یہ الفاظ نقل کے ہیں : **انی مررت بقبرین یعذبان فاحببتُ بشفاعتی ان**

---

(۱) بخاری: ۲۱۱، مسلم: ۴۳۹، نسائی: ۲۰۳۱، ابوداؤد: ۱۹، احمد: ۱۸۷۷، دارمی: ۷۳۶ (۲) (شامی: ۲۴۵/۲ (۳) فتح الباری: ۳۲۰/۱

یرفّه ذالک عنهما مادام الغصنان رطبین "(میں دوقبروں کے پاس سے گزرا جن پر عذاب ہو رہا تھا۔میں نے چاہا کہ میری شفارش وشفاعت سے انسے عذاب کم کر دیا جائے جب تک کہ یہ شاخیں سبز رہیں)۔(۱)

اس سے معلوم ہوا کہ اصل تو آپ کی شفاعت ہے اور شاخ رکھنا اس مدت کے لیے علامت کے طور پر ہے جس میں عذاب کی تخفیف ہوئی یا ہوگی۔

رابعا: اس لیے کہ اس میں بعض علماء وصوفیاء کرام کا فرمان ہے کہ یہ تخفیف عذاب دراصل نبی کریم ﷺ کا ایک معجزہ ہے نہ کہ ان تازہ شاخوں کی کرامت ،حضرت خواجہ بندہ نواز گیسو دراز علیہ الرحمہ کے ملفوظات جوامع الکلم میں ہے کہ اس حدیث کے بارے میں فرمایا کہ آیت کریمہ:﴿ وَاِنۡ مِّنۡ شَیۡءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمۡدِهٖ﴾ تو خشک و تر دونوں کو شامل ہے، پھر اس حدیث پر روشنی ڈالتے ہوئے فرماتے فرمایا:

"لیکن تخفیف عذاب کی دراصل وجہ رسول اللہ ﷺ کا معجزہ ہے کہ انہوں نے اللہ سے دعاء کی کہ یہ دونوں شاخیں سبز رہیں اور ان دونوں اہلِ قبور پر عذاب میں کمی ہوتی رہے۔(۲)

بہر حال یہ پھول کی چادر کا رواج بے اصل ہے اگر حدیث کی اتباع کا شوق ہی ہے تو شاخ لگانا چاہئے جیسا کہ حضرت بریدہ بن الحصیب رضی اللہ عنہ نے وصیت فرمائی تھی کہ میری قبر پر دو شاخیں رکھدی جائیں۔(۳)

اور علامہ سیوطیؒ نے نقل کیا ہے کہ حضرت ابو برزہ اسلمیؓ نے بھی اسی طرح کیا ہے۔(۴)

پھر یہ بات اس لیے بھی بہتر ہے کہ پھول کی بنسبت شاخ وٹہنی بہت دیر تک سبز و

(۱) مسلم: ۵۳۲۸ (۲) جوامع الکلم :ص ۵۰۷ (۳) بخاری: کتاب الجنائز، باب الجریدة علی القبر (۴) زهر الربی علی النسائی: ۱۴۳/۱

تازہ رہتی ہے تو اس سے پھول کی بنسبت فائدہ بھی زیادہ ہوگا، چنانچہ بعض علماء نے لکھا ہے کہ اللہ کے رسول علیہ السلام نے ٹہنی اور شاخ کا انتخاب اس لیے کیا کہ وہ دیر تک سبز رہتی ہے جس سے دیر تک ذکر و تسبیح جاری رہے گی اور میت کے لیے سود مند ہوگی۔(۱)

ایک طرف فقہاء کرام و علماء عظام اور صوفیاء ذی احترام سب کے سب یہ فرماتے ہیں کہ یہ قبوری لوگوں کا عقیدہ و عمل باطل اور شرک یا شرک کے مشابہ ہے، جس کی کوئی گنجائش اسلام میں نہیں ہے، اور دوسری جانب یہ لوگ ہیں جو اسی کو عین اسلام کہتے ہیں کہ قبر کو پوجو، یا اہل قبور کو پوجو، ان پر عرس مناؤ، سجدے و طواف کرو، نذر و منت مانو، وغیرہ۔ دونوں کو سامنے رکھ کر ہر صاحب عقل و دانش فیصلہ کر سکتا ہے کہ کس کی بات قابل قبول ہے؟

جھنڈوں تعزیوں، پنجوں کی عقیدت و عبادت:

اولیاء اللہ کے بارے میں غلو نے لوگوں کو یہاں تک پہنچا دیا ہے کہ لوگ بعض بزرگوں کے نام کے جھنڈے بناتے اور اپنے گھروں یا دکانوں یا کسی اور جگہ ان کو گاڑتے ہیں، اور بعض لوگ امام حسین اور ان کے خاندان کے لوگوں کے نام کے پنجے (یعنی سر و ہاتھ یا چہرہ وغیرہ اعضاء کے نقشے) بناتے ہیں اور تعزیہ بھی تیار کرتے ہیں اور قبروں کی طرح ان کی بھی پوجا، نذر و نیاز، منت و چڑھاوا، طواف و سجدہ وغیرہ سب کچھ کیا جاتا ہے، اور ان کی عقیدت و محبت کو دین کا ایک جزء سمجھا جاتا ہے، بلکہ دین کا بھی صرف نام ہی نام لیا جاتا ہے اور در حقیقت یہ لوگ دین کے نام سے بیزار ہوتے ہیں اور صرف اسی قسم چیزوں کو مانتے اور اسی پر اعتماد کرتے ہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے حجر اسود کا بوسہ لیا اور فرمایا کہ: ” لأَعْلَمُ أَنَّکَ حَجَرٌ مَا تَنْفَعُ وَ لَا تَضُرُّ ، وَلَوْ لَا أَنِّي رَأَيْتُ رَسُوْلَ

(۱) زهر الربى على النسائی: ۱۳/۱

اللّٰہِ ﷺ یُقَبِّلُکَ مَا قَبَّلْتُکَ ‘‘ (میں جانتا ہوں کہ تو ایک پتھر ہے جو نہ کسی کو نفع دے سکتا ہے اور نہ نقصان پہنچا سکتا ہے، اگر میں نے رسول اللہ ﷺ کو تجھے بوسہ دیتے ہوئے نہ دیکھا ہوتا تو تجھے میں بوسہ نہ دیتا)(۱)

اس قول کو نقل کر کے حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ:

’’ درعبارت مذکور اشارتے است کہ اگر کسے حجر اسود را نفع یا ضرر رسانیدہ دانستہ خوفا وطمعا بوسہ کند وتعظیم آں نماید اندیشۂ شراک دارد کہ سوائے او تعالی ہیچ کس چیزے نفع وضرر نہ ہیتواند رسانید مگر بحکم وارادۂ او تعالی۔ (مذکورہ عبارت میں اس بات کی جانب اشارہ ہے کہ اگر کسی نے حجر اسود کو نفع یا نقصان پہنچانے والا سمجھ کر خوف یا طمع سے بوسہ دیتا ہے اور اس کی تعظیم کرتا ہے تو اس میں شرک کا اندیشہ ہے، کیونکہ اللہ کے سوائے کوئی چیز کسی کو اللہ کے حکم وارادے کے بغیر نفع یا نقصان نہیں پہنچا سکتی)(۲)

معلوم ہوا کہ یہ تعزیوں اور پنجوں وجھنڈوں کی نذر و منت، ان کا طواف وسجدہ اور ان سے اپنے مصائب و پریشانیوں اور حاجات میں امیدیں وابستہ کرنا یہ سب کا سب بھی اسلام کے سراسر خلاف اور شرک ہی شرک ہے، ایک ادنی مسلمان بھی جب قرآن و حدیث میں بتائے گئے دین کو اور پیغام توحید کو دل کی آنکھوں سے پڑھے گا تو یہ بات اس کے سامنے ایک کھلی حقیقت کی طرح واضح ہو جائے گی کہ یہ لوگ جو کچھ کرتے ہیں اس کا دین اسلام سے کوئی تعلق نہیں۔

اولیاء اور مزارات کا مقام:

یہ بات بھی ملاحظہ کرنے کے قابل ہے کہ ان مریضان شرک وقبر پرست لوگوں کا حال یہ ہے کہ ان کو خدا سے زیادہ غیر خدا پر یقین ہوتا ہے، اور اللہ کی عظمت وجلالت کو سننے بھی یہ لوگ تیار نہیں ہوتے، بلکہ جب کوئی اللہ تعالی کی قدرت وجلالت اس کی بڑائی

(۱) بخاری: ۱۵۲۰، مسلم: ۲۷۰ (۲) بلاغ المبین: ۱۷

وعظمت بیان کرتا ہے تو وہ اس کا مذاق اُڑاتے ہیں، اور بعض ان میں اس قدر جری ہیں کہ صاف کہتے ہیں کہ اللہ سے زیادہ شیخ عبدالقادر جیلانی اور فلاں فلاں بزرگوں کو طاقت ہے کہ ہمارا کام بنادیں، اس سے بڑی گمراہی اور کیا ہوسکتی ہے۔

علامہ آلوسی اپنا ایک واقعہ بیان کرتے ہیں کہ:

" وقد قلت يوماً لرجل يستغيث في شدة ببعض الأموات و ينادي يا فلان ! أغثني، فقلت له : قل : يا اللّٰه ! فقدقال سبحانه : " و إذا سألک عبادي عني فإني قريب ، أجيب دعوة الداع إذا دعان " فغضب، و بلغني أنه قال فلان منكرعلى الأولياء ، وسمعت من بعضهم أنه قال الولي أسرع إجابة من الله عز وجل ، ولهذا من الكفر بمكان نسأل الله تعالى أن يعصمنا من الزيغ والطغيان"۔(ایک دن میں نے ایک شخص سے جو اپنی کسی پریشانی میں بعض مردوں کو پکارر ہا تھا ار کہہ رہا تھا کہ اے فلاں! میری مدد کیجئے، میں نے کہا کہ یا اللہ! کہو، کیونکہ اللہ تعالی فرماتا ہے کہ "اے نبی! جب میرے بندے میرے بارے میں سوال کریں تو کہہ دینا کہ میں ان سے قریب ہوں، میں پکارنے والے کی سنتا ہوں جب وہ مجھے پکارتا ہے"، تو وہ شخص غصہ ہوگیا، اور مجھے پتہ چلا کہ اس نے یہ بھی کہا کہ فلاں اولیاء کا منکر ہے، اور میں نے بعض سے سنا ہے کہ وہ کہتا تھا کہ ولی اللہ سے بھی جلدی ہماری بات سن لیتا ہے، علامہ آلوسی کہتے ہیں کہ یہ بہت بڑا کفر ہے اللہ ہمیں زیغ وسرکشی سے محفوظ رکھے)۔(۱)

مشرکین وکفار بھی شاید کبھی اس قسم کے قسم کا تصور نہ کرتے ہوں کہ اللہ کی ذات سے زیادہ دوسروں کو حق یا اختیار رہے، مگر امت مسلمہ جو سب کو پیغام توحید دینے آئی تھی اس کا ایک طبقہ بدترین قسم کے شرک میں گرفتار ہے۔ **اللھم احفظنا** ۔

---

(۱) روح المعانی: ۱۱/۲۴

اسی طرح مزارات کا مقام مساجد سے بڑھا دیا ہے، مساجد کا وہ احترام و تعظیم یہ لوگ نہیں کرتے جو مزارات کا کرتے ہیں، وہاں جاتے ہیں تو ان پر رقت و گریہ طاری ہو جاتا ہے، خشوع و خضوع کی کیفیت حاصل ہو جاتی ہے، آداب میں غلو کی حد تک پہنچ جاتے ہیں۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے علامہ ابن القیم سے نقل کرتے ہوئے اسی بات کو فرمایا ہے کہ:

''تم بہت سے لوگوں کو دیکھتے ہو کہ قبر کے پاس گریہ و زاری اور عاجزی و انکساری و خلوص دل سے اس قدر عبادت کرتے ہیں کہ بیت اللہ کے پاس اور صبح بھی اس کے برابر نہیں کرتے، اور قبروں کے پاس دعاء و نماز کی برکت کی امید اس قدر ہوتی ہے کہ اس قدر مساجد میں نہیں ہوتی۔ (۱)

اسی کے ذرا آگے چل کر فرماتے ہیں:

''وہ لوگ قبروں کو مساجد پر فضیلت دیتے ہیں حالانکہ اللہ کے نزدیک سب سے بہترین جگہ اور سب سے محبوب مقام مسجدیں ہیں، چنانچہ وہ لوگ جس وقت قبرستان کا ارادہ کرتے ہیں بڑی عظمت و احترام اور رقت قلب اور عاجزی و انکساری کے ساتھ جاتے ہیں اور خدا تعالی کی مسجد میں قبرستان کی سی حالت ان کی نہیں ہوتی۔ (۲)

ہم نے بھی بارہا دیکھا ہے کہ ان لوگوں کے پاس مساجد کا وہ احترام و تعظیم نہیں جو مزارات و مقابر کی تعظیم و تکریم ہے، اس لئے یہ لوگ مقابر سے واپس ہوتے ہیں تو ان کی طرف پیٹھ نہیں کرتے، اور الٹے پاؤں واپس ہوتے ہیں، اسی طرح قبروں سے بہت دوری پر ہی جوتے اُتار دیتے ہیں، اور جو قبروں کے قریب جوتا لے جائے تو اس سے لڑنے مرنے تیار ہو جاتے ہیں، لیکن مساجد میں جوتے اندر بھی لے جانے تیار ہو جاتے ہیں۔

(۱) بلاغ المبین: ۲۶ (۲) بلاغ المبین: ۲۸

اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ شیطان نے کس طرح لوگوں کو اسلام کی توحید سے دور کیا ہے اور شرک وشرکیہ اعمال یا اس کے قریب باتوں میں کس طرح مبتلا کیا ہے۔

مشائخ کو ارباب من دون اللہ بنالینا:

شرک کے بیماروں میں ایک خاص بات یہ بھی ہوتی ہے کہ وہ اپنی پیروں اور مشائخ کو تشریع کا حق دیدیتے ہیں یا یوں کہئے کہ وہ ان کو اس کا حقدار سمجھتے ہیں۔ لہٰذا پیروں اور مشائخ نے اسلام کے خلاف بھی کوئی بات کہہ دی تو وہ اس کو بلا تأمل قبول کر لیتے ہیں، خواہ وہ بات حلال کو حرام کرنے والی ہو یا حرام کو حلال کرنے والی ہو۔ قرآن کریم نے اس کو بھی شرک قرار دیا ہے کیونکہ اس میں خدا کا حق ایک مخلوق کے لئے مانا گیا ہے۔

قرآن کریم نے یہود ونصاری کے اسی کام پر انکار کرتے ہوئے فرمایا کہ:

﴿ اتَّخَذُواْ أَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ أَرْبَاباً مِّن دُونِ اللّهِ وَالْمَسِيحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَمَا أُمِرُواْ إِلاَّ لِيَعْبُدُواْ إِلَـهاً وَاحِداً لاَّ إِلَـهَ إِلاَّ هُوَ سُبْحَانَهُ عَمَّا يُشْرِكُونَ ﴾ [التوبة: ۳۱]

(انہوں نے اپنے علماء اور مشائخ کو اللہ کے سوا رب بنالیا، اور مسیح بن مریم کو بھی، حالانکہ ان کو اسی کا حکم دیا گیا تھا کہ وہ صرف ایک معبود کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں، عبادت کریں، اللہ کی ذات ان کے شرک سے پاک ہے)

اس آیت کی تفسیر میں خود جناب محمد رسول اللہ ﷺ سے یہ بات وارد ہوئی ہے کہ یہود ونصاری کا علماء ومشائخ کو خدا بنالینا یہ تھا کہ انہوں نے ان کو کسی حلال کو حرام کرنے یا کسی حرام کو حلال کرنے کا حق دار بھی سمجھ لیا تھا اور وہ لوگ ان کی ہر بات خواہ وہ اللہ کے حکم کے موافق ہو یا مخالف، بلا کسی تأمل کے قبول کر لیتے تھے۔

امام ابو جعفر الطبری اور قرطبی وغیرہ مفسرین نے اس آیت کی تفسیر میں حضرت

عدی بن حاتم جو کہ نصرانی تھے، اور بعد میں مسلمان ہو گئے، ان کی یہ حدیث نقل کی ہے ،وہ کہتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا، اور میرے گلے میں سونے سے بنی ہو ایک صلیب تھی، آپ نے فرمایا کہ اے عدی! اس بت کو اپنے گلے سے نکال دو، وہ کہتے ہیں کہ میں نے اس کو نکال دیا اور پھر آپ کے قریب پہنچا، تو آپ اس آیت تلاوت کر رہے تھے: ﴿ **اتَّخَذُواْ أَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ أَرْبَاباً مِّن دُونِ اللّهِ وَالْمَسِيحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَمَا أُمِرُواْ إِلاَّ لِيَعْبُدُواْ إِلَـهاً وَاحِداً لاَّ إِلَـهَ إِلاَّ هُوَ سُبْحَانَهُ عَمَّا يُشْرِكُونَ** ﴾ [التوبة: ۳۱] (انہوں نے اپنے علماء اور مشائخ کو اللہ کے سوا رب بنالیا، اور مسیح بن مریم کو بھی، حالانکہ ان کو اسی کا حکم دیا گیا تھا کہ وہ صرف ایک معبود کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں، عبادت کریں، اللہ کی ذات ان کے شرک سے پاک ہے) حضرت عدی کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! ہم تو ان علماء ومشائخ کی عبادت تو نہیں کرتے؟ (پھر ان کو خدا بنانے کا کیا مطلب؟) آپ نے فرمایا کہ: **"أليس يحرمون ما أحل الله فتحرمونه ، و يحلون ما حرم الله فتحلونه؟"** (کیا یہ علماء ومشائخ اللہ کی حلال کی ہوئی چیزوں کو حرام نہیں کرتے پھر تم لوگ بھی اس کو حرام نہیں سمجھ لیتے، اور یہ لوگ کیا اللہ کی حرام کردہ چیزوں کو حلال نہیں کر دیتے پھر تم لوگ بھی اس کو حلال نہیں سمجھ لیتے؟) عدی کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ ہاں! ایسا ہی ہے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہی ان کی عبادت ہے۔(۱)

اس آیت اور اس کی اس تفسیر سے دو باتیں معلوم ہوئیں: ایک تو یہ کہ یہود و نصاری اپنے علماء ومشائخ کو تشریع کا حقدار سمجھتے تھے، اور اس وجہ سے وہ کسی حلال چیز کو حرام کر دیں یا کسی حرام کو حلال کر دیں اس پر ان کو کوئی اعتراض نہیں تھا بلکہ وہ اس کو بلا کسی تأمل کے قبول کر لیتے تھے۔ دوسری یہ کہ کسی کو تشریع کا حق دینا یا کسی کے لئے تشریع

---

(۱) تفسیر طبری: ۶/۳۵۴، قرطبی: ۸/۱۱۰

کا حقدار سمجھنا غیر اللہ کو اللہ کے حق میں شرک کرنا ہے، اس لئے یہ شرک ہے۔

لہٰذا اگر کوئی شخص علماء کو یا مشائخ کو اس کا حقدار سمجھتا ہے تو یہ سراسر شرک اور یہود ونصاری کی کھلی مشابہت ہے، مگر افسوس کہ بعض لوگ پیروں کو ایسا ہی سمجھتے ہیں اور ان کی ہر بات کو قطع نظر شریعت کے ماننا لازم سمجھتے ہیں خواہ وہ کسی حلال کو حرام کہہ دیں یا کسی حرام کو حلال قرار دے دیں، یہ شرک ہے اس کی کسی طرح اسلام اجازت نہیں دیتا۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں:

''پس آنانکہ دریں زمان میگویند کہ آنچہ پیر فرماید بجا آوردن آں واجب است اگر چہ شرع آں رارد کند، و بریں مدعا مجاز قول حافظ شیرازی را حقیقت شمردہ می آرند و می گویند۔

بہ مئے سجادہ رنگیں کن گرت پیر مغاں گوید

کہ سالک بے خبر نبود زراہ ورسم منزلہا

دررنگ متخذین ارباب من دون اللہ در بوادی اشراک سر دادہ اند'' (اس زمانے میں جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ پیر صاحب جو کچھ کہیں اس کو بجالانا لازم ہے اگر چہ شریعت کے خلاف ہو، اور اس پر حافظ شیرازیؒ کا ایک شعر جو کہ مجازی معنی پر محمول ہے، اس کے حقیقی معنی سمجھ کر بطور حجت پیش کرتے ہیں، جس کا ترجمہ یہ ہے کہ: پیر طریقت اگر تم کو شرب سے مصلی کو رنگین کرنے کا حکم دیں تو اس کو انجام دو، کیونکہ راہ چلنے والا اپنے راستے کی دشواریوں سے بے خبر نہیں ہوتا'' جو لوگ یہ کہتے ہیں وہ اللہ کے علاوہ کو خدا ماننے والوں کے رنگ میں شرک کی وادی میں سر دئے ہوئے ہیں)(۱)

الغرض اللہ کا حق تشریع کسی اور کو دینا یا اس کے لئے ماننا شرک ہے، اس لئے پیر و فقیر شیخ واستاذ کسی کے لئے بھی یہ روا نہیں، حلال وحرام کے مقرر کرنے میں کسی کو کوئی

(۱) بلاغ المبین: ۱۰

دخل نہیں، حتی کہ نبی علیہ السلام کو بھی اس میں کوئی حق نہیں ۔

اس تقریر سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ حضرات ائمہ کرام کی اتباع وتقلید اس حکم میں داخل نہیں، کیونکہ کوئی بھی مسلمان جو ان ائمہ کی اتباع وتقلید کرتا ہے ان ائمہ کے لئے حق تشریع نہیں مانتا، بلکہ ان کے لئے صرف حق تشریح مانتا ہے۔ اور ان دو باتوں میں بڑا فرق ہے، حق تشریع تو یہ ہے کہ کسی کو قانون سازی اور شرع کے احکام مقرر کرنے کا حق دیا جائے اور یہ صرف اللہ کا حق ہے، کسی کو اس میں اللہ کے ساتھ شرکت میں، اور حق تشریح یہ ہے کہ اللہ کے بنائے ہوئے اور رسول اللہ ﷺ کے پیش کئے ہوئے قانون وحکم کی تشریح وتفسیر اور اس کی وضاحت وتفصیل پیش کی جائے، اس کا حق اللہ ورسول نے حضرات علماء کرام کو دیا ہے۔ اسی لئے قانون خداوندی کو سمجھنے کے لئے ان کی جانب رجوع کا حکم بھی دیا گیا ہے۔ قرآن میں حکم ہے کہ:

﴿فَاسْئَلُوْا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ﴾ [] (اگر تم کو معلوم نہ ہو تو اہل علم سے پوچھو)

حضرات ائمہ کرام نے اپنی جانب سے کوئی قانون وحکم نہیں بنایا، بلکہ اللہ ورسول ہی کے قانون وحکم پر عمل کیا اور لوگوں کو کرایا، البتہ ان احکامات شریعت کی تفصیل وتوضیح اور تشریح وتفسیر کی تاکہ لوگوں کو شریعت پر چلنا آسان ہوجائے۔

امام اعظم ابو حنیفہؒ نے فرمایا کہ: میں پہلے کتاب اللہ کو لیتا ہوں، اگر اس میں نہ ملے تو سنت رسول سے لیتا ہوں، اگر اس میں بھی نہ ملے تو صحابہ کے اقوال سے لیتا ہوں، اور میں ان میں سے کسی کے بھی قول کو لے لیتا ہوں، اور ان کے اقوال سے باہر نہیں نکلتا، لیکن جب معاملہ ابراہیم، شعبی، ابن سیرین، اور عطاء تک آتا ہے تو میں اجتہاد کرتا ہوں جس طرح ان حضرات نے اجتہاد کیا تھا۔ (۱)

(۱) تھذیب الکمال: ۴۴۳/۲۹، تھذیب التھذیب: ۴۰۲/۱۰

اس سے معلوم ہوا کہ ائمہ کرام قرآن وحدیث اور اقوال صحابہ سے لیتے تھے اور مسائل بیان کرتے تھے، اور ان کی توضیح وتشریح کیا کرتے تھے، ہاں جب کوئی بات ان میں منصوص نہ ہوتی تو پھر اجتہاد فرماتے تھے اور اجتہاد کا معنی یہ ہے کہ ان دلائل میں غور وفکر کرتے ہوئے نئے مسائل کو منصوص مسائل کی رشنی میں حل کرنا، اسی لئے علماء نے لکھا ہے کہ قیاس مثبتِ حکم نہیں، بلکہ صرف مظہر حکم ہے یعنی قیاس کوئی نیا حکم ثابت نہیں کرتا بلکہ ایا اس سے صرف اللہ کا بتیا ہوا حکم ظاہر ہوتا ہے۔

الغرض ائمہ کرام کی تقلید کا حاصل صرف یہ ہے کہ ان کو اللہ کے قانون کی تشریح کا حقدار سمجھ کر ان کی تفسیر وتشریح کو مانا جائے، یہ نہیں کہ ان کو کوئی قانون بنانے کا حقدار سمجھا جائے، اگر کوئی مقلد ایسا سمجھے گا تو اس کا حکم بھی وہی ہوگا جو اوپر بتایا گیا کہ یہ شرک ہے۔ اس لئے اس مسئلہ کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے۔

انبیاء واولیاء کے بارے میں علم غیب کا عقیدہ:

اسی سلسلہ کی ایک کڑی یہ بھی ہے کہ بیماران شرک میں حضرات انبیاء واولیاء کے بارے میں علم غیب کا عقیدہ بھی ایک اہم چیز ہے، اور یہ لوگ اسی کو عین اسلام وتوحید سمجھتے ہیں، اور بشوق اس کو اولیاء کی جانب منسوب کرتے ہیں، مولانا احمد رضا خان صاحب بریلوی اپنے ''ملفوظات'' میں کہتے ہیں:

''سید احمد سلجاسی کے دو بیویاں تھیں، سیدی عبد العزیز دباغ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رات تم نے ایک بیوی کے جاگتے ہوئے دوسری سے ہمبستری کی، یہ نہیں چاہئے۔ عرض کیا حضور! وہ سوتی تھی، فرمایا کہ سوتی نہ تھی سوتے میں جان ڈالتی تھی۔ عرض کیا حضور کو کس طرح علم ہوا؟ فرمایا جہاں وہ سو رہی تھی کوئی اور پلنگ پر بھی تھا؟ عرض کیا ہاں، عرض کیا ہاں، ایک پلنگ خالی تھا، فرمایا اس پر میں تھا، تو کسی وقت شیخ مرید سے جدا نہیں ہوتا، ہر آن ساتھ رہتا ہے۔ (۱)

---

(۱) ملفوظات: ۲۹/۲

لاحول ولا قوۃ الا باللہ، اس میں ایک تو ایک اللہ والے پر تہمت باندھی ہے، دوسرے ایک باطل عقیدہ کو اس واقعہ کے ذریعہ گھڑ کر لوگوں کے دلوں میں بٹھانے کی ناپاک کوشش کی ہے۔ حدیث وفقہ تو یہ کہتے ہیں کہ اللہ کے فرشتے بھی بیوی سے ہم بستری کے وقت آدمی کے پاس سے الگ ہو جاتے ہیں، حدیث میں فرمایا کہ: تمہارے ساتھ ایسی مخلوق رہتی ہے کہ جو تم سے جدا نہیں ہوتی مگر اس وقت جب آدمی بیت الخلا جاتا ہے اور اپنی بیوی سے ملتا ہے۔(۱)

اور لیجئے، احمد یار خان گجراتی آیت: ''اولی الأیدي والابصار'' (ہاتھ اور آنکھ والے) سے یہ عقیدہ نکالتے ہیں کہ:

''اس آیت سے اشارۃً معلوم ہوا کہ رب تعالی نے مقبولوں کو اپنی قدرت اور اپنا علم بخشا ہے جس سے وہ عالم کی خبر رکھتے ہیں اور عالم میں تصرف کرتے ہیں۔(۲)

اور مولانا غلام محمود پپلانی لکھتے ہیں:

ہمارے نزدیک کوئی شخص مرد کامل نہیں ہو سکات جب تک وہ اپنے مرید کی تمام حرکات کو نہ جانتا ہو جو یوم الست بربکم سے کیکر جنت یا دوزخ میں پہنچنے تک ہیں۔(۳)

اس عقیدہ کو اسلام سے کوئی تعلق نہیں، بلکہ یہ سراسر تعلیمات اسلام کے خلاف ہے، اسلام تو ہمیں یہ سکھاتا و بتاتا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی عام الغیب نہیں، اور وہ اس میں یکتا ہے جیسے وہ اپنے ذات میں یکتا اور یہاں اس کے خلاف ہر پیر وفقیر اور شیخ و بزرگ عالم الغیب اور پل پل کی خبر رکھنے والا قرار دیا جارہا ہے۔

فال اور عاملوں کا دور دورہ:

امت مسلمہ کی زبوں حالی میں اضافہ اور ان کی ایمانی کمزوری میں بڑھوتری کا

(۱) ترمذی: ۲۸۰۰، شعب الایمان: ۱۳۶/۶ (۲) نور العرفان، بحوالہ مطالعہ بریلویت: ۱۰۸/۲

(۳) نجم الرحمٰن، بحوالہ مطالعۂ بریلویت: ۵۲/۱

ایک بہت بڑا ذریعہ امت میں پھیلے ہوئے پیشہ ور عاملین اور فال دیکھنے والے ہیں، ان لوگوں نے امت کو شرک کی ایک اور دنیا میں پہنچا دیا ہے، ان میں جو دھوکہ بازیاں، چالاکیاں، مکاریاں ہیں اور لوگوں سے جھوٹ کی بنیاد پر کمائی کا مشغلہ ہے یہ سب ایک طرف رکھئے، ان کی برائی و شناعت و قباحت پر گفتگو کی اس موقعہ پر گنجائش نہیں، اس کے لئے میرے استاذ حضرت مولانا مفتی مہربان علی صاحب علیہ الرحمہ کی کتاب ''' کا مطالعہ کیجئے، لیکن ان کی وجہ سے لوگوں میں شرک و شرکیہ اعمال کو فروغ مل رہا ہے یہ سب سے زیادہ تشویک ناک چیز ہے۔

ان میں جو موٹی موٹی باتیں اس قبیل کی ہیں وہ یہ ہیں:

(۱) جنات سے استمداد و استعانت: بیشتر پیشہ ور عاملین کا عمل جنات و شیاطین سے استمداد و استعانت سے ہوتا ہے، یہ صریح شرک ہے جس کے بارے میں اوپر اسلام کی تعلیم گزر گئی۔

(۲) فال کھولنا: اکثر عامل غیب کی خبریں فال کی بنیاد پر بتاتے ہیں، اور لوگ ان پر اعتماد کرتے ہوئے ان سے جا جا کر غیب کی باتیں پوچھتے ہیں، کہ چوری ہوگئی ہے اس کے بارے میں بتایئے کہ چور کون ہے؟ فلاں شخص غائب ہوگیا ہے، بتایئے کہ کہاں گیا ہے؟ وغیرہ، اور اس کے لئے یہ عامل لوگ بعض وقت انجن دیکھتے اور بعض وقت کسی اور طریقے سے عمل کر کے بتاتے ہیں کہ چوری فلاں نے کی اور فلاں شخص وہاں ہے، یا تم پر فلاں نے جادو کیا ہے، اور پھر اس معاملہ میں بعض عامل لوگوں کو دھوکہ دینے کے لئے قرآنی آیات وادعیہ ماثورہ بھی پڑھتے ہیں، تا کہ عوام یہ سمجھیں کہ یہ قرآن و اسلامی عمل ہے، یہ سب کا سب دھوکہ ہے، قرآن و حدیث تو صاف یہ کہتے ہیں کہ غیب کی بات سوائے اللہ کے کوئی نہیں جانتا، اور جب جانتا ہی نہیں تو بتائے گا کیسے؟ ان جن تو صرف قوت خیالیہ کا اثر ہے حقیقت سے اس کو کوئی واسطہ نہیں، اسی طرح دوسرے طریقے وقت

خیالیہ کے زیرِ اثر کچھ بتا دیتے ہیں جس کا حق و واقعی ہونا کوئی ضروری نہیں، بلکہ بیشتر حالات میں اس میں جھوٹ ہی جھوٹ ہوتا ہے۔

بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ ہم نے فلاں سے ایک بات پوچھی تھی اور اس نے جو بتائی وہ اسی طرح ثابت ہوئی لہٰذا یہ سب سچ ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ کسی کسی بات کا سچ نکل آنا اس کی دلیل نہیں کہ سب کچھ حق ہے کیونکہ حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کاہنوں کے بارے میں بتایا کہ شیاطین ان کے کان میں فرشتوں سے سنی ہوئی کوئی بات اپنی جانب سے ننانوے جھوٹ ملا کر ڈال دیتے اور وہ کاہن لوگ جب بیان کرتے تو ایک دو سچی باتیں بھی ظاہر ہوتیں اور لوگ سمجھتے کہ سب حق ہی حق ہے۔( )

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کاہن لوگ بھی جب بیان کرتے ہیں تو کچھ باتیں ان کی بھی سچی نکل آتی ہیں، اس سے ان کا سچا ہونا ثابت نہیں ہوتا۔

(۳) شرکیہ اعمال کی تعلیم: ان عاملین کے پاس جو اپنی مصیبت و پریشانی لیکر جاتا ہے اس کو یہ لوگ شرکیہ اعمال بھی بتاتے ہیں کہ یہ کرو، مثلاً کچھ عجیب قسم کے اُتارے اور چڑھاوے، نیز مزارات پر حاضری، اور وہاں نذر و منت ماننا، وغیرہ، اس طرح یہ عاملین اس شرک کے کاروبار میں لوگوں کو ڈھکیلتے رہتے ہیں۔

وہم پرستانہ نظریات:

توحید کے خلاف ذہنیت نے عوام الناس میں عجیب و غریب وہی زمانۂ جاہلیت کی باتیں پیدا کر دی ہیں جس کو اسلام نے جڑ سے اُکھاڑنے کی تعلیم دی ہے، یہ بات اوپر بہت تفصیل سے پیش کی جا چکی ہے کہ بدفالی اور بدشگونی اسلام میں جائز نہیں بلکہ اس کو خلاف اسلام قرار دیا گیا ہے، مگر اس کے باوجود بہت سے جاہل طبقوں میں اور کم پڑھے لکھے لوگوں میں وہم پرستانہ مزاج پایا جاتا ہے، جس کی وجہ سے باطل باتوں پر یقین ہونے لگتا ہے۔ مثلاً:

(۱) دنوں اور تاریخوں کو منحوس جاننا: بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ فلاں دن یا تاریخ منحوس ہے، اس لئے اس میں کوئی نیا کام نہیں کرتے، جیسے بعض لوگ محرم میں نکاح و شادی کی تقریب کو منحوس سمجھتے ہیں، اسی طرح ماہ صفر کو منحوس سمجھتے اور اس میں تیرہ دنوں تک جن کو یہ لوگ ''تیرہ تیزی'' کہتے ہیں کوئی نیا کاروبار یا شادی وغیرہ نہیں کرتے، اسی طرح بعض لوگ بعض تاریخوں میں سفر کرنے کو منحوس و برا خیال کرتے ہیں اور ان ایام و تاریخوں میں ناکامی ہونے کا اعتقاد رکھتے ہیں۔ ہم یہ بات پہلے بتا چکے ہیں کہ اس قسم کے عقیدے کو اللہ کے رسول علیہ السلام نے باطل قرار دیا ہے کیونکہ اللہ کے حکم کے بغیر کوئی بات واقع نہیں ہوتی، نہ اچھی نہ بری، تو ان دنوں اور تاریخوں کو بلا دلیل مبارک یا منحوس ماننا شرک کا ایک شعبہ ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ایک ایمان افروز ارشاد و واقعہ ملاحظہ کیجئے، وہ یہ کہ مسافر بن عوف بن الاحمر نے ایک بار جب حضرت علی رضی اللہ عنہ اہل نھروان سے جہاد کے لئے نکلنا چاہتے تھے، کہا کہ آپ اس وقت میں نہ جائیں اور دن کے تین گھنٹے گزرنے کے بعد جائیں، حضرت علی نے پوچھا کہ کیوں؟ اس نے کہا کہ کیونکہ آپ اس گھڑی میں جائیں گے تو آپ کو اور آپ کے ساتھیوں کو بلاء و شدید نقصان پہنچے گا، اور اگر اس وقت میں جائیں جو میں نے بتایا ہے تو آپ کو کامیابی و غلبہ نصیب ہوگا۔ حضرت علی نے فرمایا کہ حضرت محمد ﷺ کا کوئی نجومی نہیں تھا اور نہ اب تک ہمارا کوئی نجومی ہے، کیا تو جانتا ہے کہ اس تیرے گھوڑے کے پیٹ میں کیا ہے؟ اس نے کہا کہ ہاں اگر میں حساب لگاؤں تو جان لوں گا، آپ نے کہا کہ جس نے تیری اس بات کی تصدیق کی اس نے قرآن کی تکذیب کی، کیونکہ اللہ تعالی تو یہ کہتے ہیں کہ "**إِنَّ اللّٰهَ عِندَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ وَ يُنَزِّلُ الْغَيْثَ وَ يَعْلَمُ مَا فِي الْأَرْحَامِ**" (اللہ ہی پاس قیامت کا علم ہے وہی بارش نازل کرتا ہے اور وہی جانتا ہے کہ ماں کے رحم میں کیا ہے) حضرت محمد ﷺ

نے کبھی اس چیز کے جاننے کا دعویٰ نہیں کیا جس کا تو نے دعویٰ کیا ہے، کیا تو گمان کرتا ہے تو اس گھڑی و وقت کو جانتا ہے جس میں سفر کرنے سے کوئی برائی لاحق ہوگی؟ اس نے کہا کہ ہاں! آپ نے فرمایا کہ جس نے تیری اس بات کی تصدیق کی وہ گویا برائی کے پہنچانے کے بارے میں اللہ سے مستغنی ہوگیا اور اس کو مناسب ہے کہ اللہ کو چھوڑ کر تجھے ہی اپنے معاملہ کا متولی بنادے، کیونکہ تو گمان کرتا ہے کہ تو اس کو اس گھڑی کی جانب ہدایت کرسکتا ہے جس میں سفر کرنے سے وہ برائی سے نجات پا جائے گا، پس جس نے اس بات کو سچ سمجھا مجھے اس پر اندیشہ ہے کہ وہ اللہ کے ساتھ شرک کرنے والے کی طرح ہے۔

پھر آپ نے فرمایا کہ اے اللہ! کوئی فال نہیں ہے مگر تیرا فال اور کوئی خیر نہیں ہے مگر تیرا خیر، پھر اس شخص سے فرمایا کہ ہم تیری تکذیب و مخالفت کرتے ہیں اور اسی گھڑی میں سفر کرتے ہیں جس سے تو نے روکا ہے، پھر آپ نے لوگوں کو دیکھ کر فرمایا کہ اے لوگو! تم علم نجوم سے بچو، مگر وہ جس سے خشکی و سمندر کی اندھیریوں میں راستہ پا سکو، نجومی تو کافر ہے اور کافر جہنمی ہے۔ پھر اس شخص سے کہا کہ اللہ کی قسم! اگر مجھے یہ بات پہنچی کہ تو علم نجوم میں غور و فکر کرتا اور اس پر عمل کرتا ہے تو میں تجھے تیرے یا میرے رہنے تک حبس دوام میں رکھ دوں گا اور جتنا میرے بس میں ہے اس قدر تجھ کو بخشش سے محروم کردوں گا۔

اس کے بعد آپ اسی وقت میں سفر پر نکلے جس میں نکلنے سے اس نے منع کیا تھا، اور اہل نہروان کے پاس آئے اور ان کو قتل کیا، پھر فرمایا کہ اگر ہم اُس وقت میں چلتے جس میں چلنے کا اس شخص نے حکم دیا تھا اور فتح و غلبہ پاتے تو کوئی کہنے والا یہ کہتا کہ یہ اسی وقت میں چلے تھے جس میں چلنے کا نجومی نے حکم دیا تھا۔ حضرت محمد ﷺ کا کوئی نجومی نہیں تھا اور نہ اب تک ہمارا کوئی نجومی ہے، مگر اللہ نے ہمارے لئے کسریٰ اور قیصر کے شہروں اور دیگر ممالک کو فتح کرادیا، پس تم اللہ پر توکل کرو اور اسی پر اعتماد کرو، کہ وہی اپنے ماسوا

سے ہمارے لئے کافی ہے۔(۱)

یہ ہے مؤمنانہ شان اور اسلامی اعتقاد جو توحید خداوندی پر ایمان سے پیدا ہوتا ہے، لہٰذا کسی دن و تاریخ، ماہ و سال کو منحوس نہیں سمجھنا چاہئے۔ اس روایت سے ایک بات یہ بھی معلوم ہوگئی کہ بعض تعویذ گنڈوں اور عملیات کی کتابوں میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حوالے سے جو یہ لکھا ہے کہ آپ نے کسی دن و تاریخ کو منحوس کہا اور کسی کو مبارک قرار دیا ہے، یہ سب جھوٹ ہے اور حضرت علی پر بہتان ہے۔

(۲) گھروں کو منحوس سمجھنا: اسی طرح عوام الناس میں عقیدہ ہے کہ گھروں میں بعض گھر مبارک اور بعض منحوس ہوتے ہیں، اور ان منحوس گھروں میں رہنے سے بے برکتی اور مصائب و آفات، بیماریاں و حوادث پیش آتے ہیں، یا وہاں رہنے سے گھر کے افراد مر جاتے ہیں، وغیرہ، یہ بھی غلط و باطل عقیدہ ہے۔ مومن کا عقیدہ یہ ہے اور ہونا چاہئے کہ موت و حیات، خیر و شر، صحت و بیماری، رزق کی فراوانی یا اس میں تنگی، نعمت و دولت یا مصیبت و مفلسی سب کچھ اللہ کے اختیار میں ہے، نہ کسی دکان و مکان سے کچھ ہوتا ہے نہ کسی زمین و جگہ سے کچھ ہوتا ہے۔

بعض لوگ گھروں کو منحوس سمجھنے کی ایک دلیل یہ سمجھتے ہیں کہ حدیث میں حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ : **"إنما الشوم في الثلاث :في الفرس والمرأة والدار"** (نحوست تین چیزوں میں ہے گھوڑے میں عورت میں اور گھر میں)۔(۲)

لیکن یہ استدلال ناقص ہے کیونکہ اس حدیث کے دیگر طرق کو سامنے رکھنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ کا ان تین چیزوں کو منحوس نہیں بلکہ اس کی نفی کرنا مقصود تھا، کیونکہ اسی حضرت ابن عمر کی روایت میں یہ الفاظ بھی نقل کئے گئے ہیں کہ آپ

---

(۱) مسند الحارث: ۲/۲۰۱، کنز العمال: ۵/۲۳۵ (۲) بخاری: ۵۴۳۸

نے فرمایا کہ : ” إن يكن من الشوم شيء حق ففي الفرس و المرأة و الدار“ (اگر کسی چیز میں نحوست میں سے کچھ ہوتی تو گھوڑے، عورت اور گھر میں ہوتی)۔(۱)

اسی طرح حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اگر کسی چیز میں نحوست ہوتی تو ان چیزوں میں ہوتی۔(۲)

اور اگر یہی مراد ہے کہ ان چیزوں میں نحوست ہوتی ہے تو بھی اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالی ان میں اپنی مشیت و مرضی سے جب چاہتا ہے نحوست پیدا کر دیتے ہیں ،لیکن ان کو بالذات منحوس یا مبارک ماننا صحیح نہیں۔

(۳) دھاگوں اور منکوں اور پتھروں پر یقین: اسلام کا بڑا محکم وا و لین نعرہ ہے کہ کسی سے کچھ نہیں ہوتا بلکہ جو کچھ ہوتا ہے وہ اللہ کی ذات سے ہوتا ہے، مگر عوام الناس میں اس سلسلہ میں بھی بڑے افراتفری پائی جاتی ہے، بعض لوگ بازو پر یا ہاتھ میں دھاگہ باندھ لیتے ہیں اور اس پر عقیدہ بنالیتے ہیں کہ یہ باندھنے سے ایسا ہو جائے گا، یہ مسئلہ حل ہو جائے گا، یا بیماری چلی جائے گی وغیرہ، بعض لوگ انگوٹھی میں بعض خاص قسم کے پتھر عقیق، فیرزہ وغیرہ لگاتے ہیں اور اس سے بھی عقیدہ جمالیتے ہیں کہ اس سے یہ ہوگا اور وہ ہوگا۔ یہ بھی اسلام کی رو سے غلط و باطل ہے۔آپ نے اوپر ملاحظہ کیا کہ ایک شخص کو نبی کریم ﷺ نے اس لئے بیعت نہیں کہ اس کے بازو پر درخت کے چھلکے یا جادو کی کوئی چیز بندھی ہوئی تھی ،اور یہ بھی آپ نے پڑھ لیا کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کو دیکھا جس کے ہاتھ میں پیتل کا ایک کڑا تھا، آپ نے پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ اس نے کہا کہ یہ ’واهنه“ (مردوں کے بازو میں ہونے والی ایک بیماری) کے لئے (گنڈا) ہے، آپ نے فرمایا کہ اس کو نکال دے، یہ تو تجھے (ایمان کے لحاظ سے) اور بھی بیمار کرے گا، نیز یہ فرمایا کہ اگر یہ تجھ پر رہا اور تو اسی حال میں مرگیا تو تو کامیاب نہ ہوگا۔اور یہ بھی

(۱) مسلم: ۷۱۱۷ (۲) بخاری: ۴۸۰۷، مسلم: ۲۲۲۶، ابن ماجہ: ۱۹۹۴، احمد: ۲۲۸۸۷

آپ نے پڑھ لیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو ودعہ لٹکائے اللہ اس کو راحت وسکون نہ دے۔

ان تعلیمات اسلامیہ کی روشنی میں یہ بات واضح ہے کہ کسی بھی قسم کی چیز کو مؤثر سمجھنا اور آفات وبلیات کو دور کرنے میں اس کو اثر انداز ماننا جائز نہیں، ہاں جو چیز کسی چیز کا سبب ہو اور اس کا سبب ہونا عقل ونقل کی دلیل سے ثابت ہو اس کو سبب کے درجے میں مانتے ہوئے اس کا استعمال جائز ہوگا، لیکن جس چیز کا کسی نقلی، عقلی وعلمی دلیل سے کسی چیز کے لئے سبب ہونا ثابت نہ ہو اس کو محض توہمات کی بنیاد پر ماننا بے کار ہونے کے ساتھ ساتھ غلط اور شرکیہ قسم کی بات ہے۔

(۴) **بدفالی کی جاہلیت:** بعض لوگ جاہلی لوگوں کی طرح راستے میں کسی بلی یا کالی بلی کے آڑے گزر جانے پر یہ خیال کرتے ہیں کہ اس سے ہمارا کام نہیں ہوگا، اور واپس ہو جاتے ہیں، یہ بھی باطل ہے اور اس کی تردید خود اللہ کے رسول ﷺ سے ثابت ہو چکی ہے، جیسا کہ ہم نے اوپر نقل کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ : "**الطیرۃ شرک**" (بدفالی شرک ہے)، نیز یہ بھی بتایا تھا کہ جاہلی دور کے لوگ اسی طرح بدفالی لیتے تھے کہ کوئی شخص اپنے کسی کام سے نکلتا اور کوئی پرندہ اس کی داہنی جانب سے اُڑتا نظر آتا تو اس کو اپنے حق میں مبارک خیال کرتا اور اس کام کے لئے آگے بڑھ جاتا اور اگر پرندہ بائیں جانب سے اڑتا دکھائی دیتا تو اس کو نامبارک ومنحوس خیال کرتا تھا اور واپس لوٹ جاتا۔

معلوم ہوا کہ اسلام نے اس بے ہودہ وبے اصل عقیدہ کی تردید فرمادی ہے اور بتادیا ہے کہ کسی پرندہ کے داہنے یا بائیں اڑنے سے کچھ نہیں ہوتا جو ہوتا ہے وہ اللہ کی ذات سے ہوتا ہے، اسی طرح بلی کے سامنے سے گزرنے یا درمیان راستے سے گزرسے یا کسی اور چیز کے کسی طرح جانے آنے سے کچھ نہیں ہوتا۔

(۵) گھر میں نحوست کا عقیدہ: اسی قسم کی ایک بات عوام الناس میں یہ بھی ہے کہ جب کوئی نیا گھر لیتے ہیں یا کسی نئے گھر میں منتقل ہوتے ہیں تو وہاں سب سے پہلے دودھ اُبالنے کی رسم مناتے ہیں، اور یہ سمجھتے ہیں کہ اگر یہاں دودھ اُبالا گیا تو یہاں گھر میں روپیہ پیسہ بھی دودھ کی طرح اُبلتا رہے گا، یہ بھی وہی باطل قسم کا عقیدہ ہے جس کو اسلام سے دور کا بھی واسطہ نہیں، دینا و لینا، رزق کا بڑھانا اور گھٹانا سب اللہ کے حکم و مشیت سے ہوتا ہے، کسی کے دودھ اُبانے یا گرانے سے اس کا کیا تعلق؟ پھر اس رسم میں اللہ کی ایک عظیم نعمت کی ناقدری بھی ہے کہ دودھ کو گرایا جاتا ہے، اور اسلام میں اس کی اجازت ہی نہیں کہ اللہ کی نعمت کو ضائع کیا جائے۔ الغرض یہ بھی ایک بے ہودہ رسم اور باطل عقیدہ ہے۔

(۶) عورت کے مبارک یا منحوس قدموں کا عقیدہ: اسی بدعقیدگی کی ایک کڑی یہ بھی ہے کہ بعض عوام الناس میں یہ رائج ہے کہ اگر گھر میں نئی دلہن آنے کے بعد انہی دنوں منافع حاصل ہو گئے، رزق میں فراوانی ہوگئی تو اس کو اسی عورت کی جانب منسوب کرتے اور سمجھتے ہیں کہ اسی کے مبارک قدم کا نتیجہ ہے، اور اگر خدانخواستہ ان ایام میں کوئی حادثہ بیماری کا یا موت کا پیش آ گیا تو یہ سمجھتے ہیں کہ یہ عورت منحوس ہے، اسی کے نامبارک قدموں کی وجہ سے یہ حادثہ ہوا ہے۔ کئی جگہ ایسے واقعات سننے میں آئے کہ شادی کے بعد جب دلہن گھر آئی اور اس کے چند دن کے بعد اس گھر میں کسی کا انتقال ہوگیا تو یہی کہہ کر کہ یہ منحوس عورت ہے اس کو طلاق دیدی گئی۔

یہ بھی انتہائی غلط و باطل عقیدہ ہے کیونکہ نہ کسی مرد سے کچھ ہوتا ہے نہ کسی عورت سے، سب اللہ کی ذات سے ہوتا ہے۔ افسوس کس قدر بدعقیدگی ہے کہ اللہ کی تقدیر کے فیصلے کو مخلوق کی جانب منسوب کیا جاتا ہے، کیا اللہ نہیں جو کسی کو موت دیتا ہے یا بیماری دیتا ہے، اسی طرح رزق کا دینا یا نہ دینا کیا اللہ کا کام نہیں؟ پھر اس کو ایک عورت سے کیوں

منسوب کیا جاتا ہے؟ معلوم ہوتا ہے کہ ایمان کی کمزوری اور توحید خداوندی پر ایمان کامل نہ ہونے کا یہ نتیجہ ہے۔

(۷) ''واستو'' کا بے ہودہ عقیدہ: آجکل ایک اور باطل عقیدہ لوگوں میں غیروں کی دیکھا دیکھی پیدا ہو گیا ہے، اور وہ ہے ''واستو کا عقیدہ''، جس کا مطلب یہ ہے کہ گھر کو ایک خاص انداز سے بنانے کو ضروری سمجھا جاتا ہے اور اس کے خلاف بنانے پر اس کو منحوس سمجھا جاتا ہے، یہ عقیدہ دراصل ہندؤں میں ان کے پجاریوں کی طرف سے ویدوں کے حوالے سے آیا ہے اور پہلے تو وہ اس کو اپنا ایک مذہبی نظریہ سمجھتے تھے اور اب خوامخواہ کھینچ تان کر اس کو ایک سائنسی نظریہ ثابت کرنے کی فکر کی جارہی ہے۔

واستو میں یہ بتایا جاتا ہے کہ گھر کا اصل دروازہ اس سمت کو ہونا چاہئے، کھڑکیاں فلاں جانب ہونا چاہئے اور پکوان کا کمرہ اس مقام ہونا چاہے اور سونے کا روم فلاں جگہ ہونا چاہئے، وغیرہ۔ اور اگر ایسا نہ ہوا تو کہتے ہیں کہ کوئی مر جائے گا یا حادثے ہوا کریں گے، یا یہ کہ مال میں ترقی نہ ہوگی، یا یہ کہ بیماریاں آئیں گی، وغیرہ، یہ عقیدہ بھی شرکیہ اور باطل ہے، اسلام میں اس طرح کی کوئی بات ثابت نہیں، بلکہ گزشتہ کے بیانات پڑھئے تو یہ معلوم کرنا کوئی مشکل نہیں کہ اسلام بنیادی طور پر اس قسم کی باتوں کا سخت ترین مخالف ہے، وہ تو یہی تعلیم دیتا ہے کہ کسی سمت میں کچھ نہیں رکھا ہے، جو کچھ ہے وہ اللہ کی مشیت کے تابع ہے۔

جیسا کہ ہم نے بتایا، یہ عقیدہ ہندؤں سے مسلمانوں میں داخل ہوا ہے، اور یہ اصل میں ویدوں کی تعلیم ہے، اس کو سائنسی تحقیق سمجھنا غلط ہے، کسی سائنس داں نے اب تک بھی اس نظریے کے بارے میں دعوے نہیں کیا کہ یہ سائنسی تحقیق ہے۔ میں نے بعض پڑھے لکھے مسلمانوں کو یہ کہتا ہوا سنا ہے کہ اس کے اپنانے میں کوئی حرج نہیں؛ کیونکہ ہوسکتا ہے کہ اس میں کوئی سائنسی فائدہ ہو، مگر محض کسی چیز کو فرض کر لینے سے مسئلہ

حل نہیں ہو جاتا جب تک کہ اس کو دلائل کی روشنی میں ثابت نہ کیا جائے اور یہ ثابت نہیں کہ یہ سائنسی نظریہ ہے۔

اس سے زیادہ حیرت ناک بات یہ ہے کہ ایک عامل نے اس باطل عقیدے کو اسلام کے موافق ثابت کرنے کی جسارت کی اور کہا کہ ''واستو'' کا عقیدہ اسلام میں بھی ہے، اسی لئے مسجد میں قبلے کے رخ پر امام کے لئے محراب بنائی جاتی ہے اور ایک خاص جگہ ممبر بنایا جاتا ہے، اسی طرح اگر گھر میں اس کا اہتمام کیا جائے کہ بیڈ روم فلاں جگہ ہو اور کیچن روم فلاں سمت ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ یہ دلیل سن کر مجھے ''مارے گھٹنا پھوٹے آنکھ'' والا محاورہ یاد آ گیا، کیونکہ مسجد میں قبلہ رخ امام کی جگہ بنانے اور کسی جگہ کو ممبر کے لئے مقرر کرنے سے یہ کہاں ثابت ہوا کہ اسلام میں کوئی خاص جگہ اس کے لئے مقرر ہے کہ اس کے علاوہ امام کے لئے محراب اور خطیب کے لئے ممبر بنایا نہیں جا سکتا؟ رہا یہ کہ قبلہ رخ ہی کیوں بناتے ہیں؟ تو اس کی وجہ واستو کا عقیدہ نہیں، بلکہ یہ در اصل کعبے کی جانب رخ کرنے کے لئے ہے کہ نماز اسی رخ پر پڑھنا حکم خداوندی ہے۔ اور یہ رخ کسی علاقے میں مغرب کی جانب ہے تو کسی علاقے میں مشرق کی جانب ہے اور کسی علاقے میں کسی اور جانب، اس کو واستو سے کیا تعلق؟

الغرض ''واستو'' کا اسلام سے کوئی واسطہ نہیں، بلکہ یہ عقیدہ اسلام کے سراسر خلاف ہے، لہٰذا اہل اسلام کو اس قسم کی بدعقیدگیوں سے دور رہنا چاہئے۔

خاتمہ الکتاب:

آخر میں اس دعوت پر اپنی بات کو ختم کرتا ہوں کہ اسلام کی توحید خالص کی دعوت کو ہر مسلمان کو چاہئے کہ عام کرے اور قبر پرستی اور پیر پرستی میں مبتلا مسلمانوں کو اس توحیدِ خالص کی طرف لانے کی کوشش کرے۔ آج قبروں پر جو خرافات اور شرکیات کا بازار گرم ہے اس کو دیکھ کر کون کہہ سکتا ہے کہ یہ سب کچھ کرنے والے اسی ''توحید

خالص'' کے ماننے والے اور اس پر یقین رکھنے والے ہیں جس کی دعوت اسلام دیتا ہے۔ محبت وعشق اولیاء اور عظمت اولیاء کے نام پر وہی سب کچھ ہو رہا ہے جس کی اصلاح کے لیے اسلام نے توحید خالص کا نعرہ لگایا تھا اور مشرکین مکہ اور یہود ونصاری کی غلو پسند طبیعتوں اور ان کی بے اعتدالیوں کا پردہ چاک کر کے حقائق کو واضح کیا تھا۔ لہٰذا ضروری ہے اور خاص طور پر ہمارے ہندوستانی ماحول میں اشد ضروری ہے کہ توحید خالص کا یہ اسلامی نظریہ قرآن وحدیث کی روشنی میں پیش کر کے ان بیمار ذہنوں اور مریض دلوں کی اصلاح کا سامان کیا جائے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے اور ہر مسلمان کو توحید خالص پر جینے اور مرنے کی توفیق عطا فرمائے اور اس کی دعوت کو عام کرنے میں مدد ونصرت فرمائے۔

شہر بنگلور میں ''مکتبہ مسیح الامت'' کا قیام

شہر بنگلور میں ایک دینی کتابوں کا مرکز بنام ''مکتبہ مسیح الامت'' قائم کیا گیا ہے۔ جس میں ہر قسم کی دینی کتابیں نہایت مناسب قیمت پر دستیاب ہیں۔ بالخصوص حضرت مولانا مفتی محمد شعیب اللہ خان صاحب مفتاحی دامت برکاتہم (مہتمم جامعہ اسلامیہ مسیح العلوم، بنگلور) کی تصنیف کردہ چھوٹی بڑی تمام کتابیں ملتی ہیں۔

حمد باری

از: محمد شعیب اللہ خان ظرفی

درگاہ تری یارب درگاہ ہے شاہانہ
سب شاہ وگدا جس میں جھکتے ہیں فقیرانہ

ہے ذات تری عالی، ہے وصف ترا شاہی
پائے تجھے کیوں کر پھر، یہ عقل کا پیمانہ

معبود نہیں کوئی عالم میں سوا تیرے
مختص ہے عبادت کا تیرے لیے نذرانہ

مخفی ہے تری ہستی پُرنور ترا ظاہر
روشن ہے اسی سے یارب ترا کاشانہ

سائل ہیں سبھی تیرے محتاج سبھی تیرے
ہو غوث وقطب کوئی اپنا ہو یا بیگانہ

ہے اخذ وعطا سب کچھ قبضے میں ترے یارب
ایک عدل کا پیمانہ ایک فضل کا پیمانہ

محبوب ہمارا تو معبود ہمارا تو

ہم سب ترے پروانے اے جلوۂ جانانہ
اقرار تیرا بے شک آواز ہے فطرت کی
انکار جو کرتا ہے کرتا ہے سفیہانہ

تیرا ہوا دیوانہ تیرے ہی کرم سے جو
وہ مست قلندر ہی دراصل ہے فرزانہ

جس دل میں میرے مولی تیری نہ تجلی ہو
وہ قلب حقیقت میں ہے دشت وویرانہ

اک جام محبت دے اپنے ہی کرم سے تو
بن جائے شعیبؔ اس کو پی کر ترا مستانہ

☆☆☆

پیغامِ توحید و سنت

از: محمد شعیب اللہ خان ظرفیؔ

جو سر خدا کے در پر، دل سے جھکا نہیں ہے
اس کے لئے کبھی بھی، رب کی رضا نہیں ہے

سجدہ کرو تم اس کو، معبود ہے جو سب کا
جھکنے کو در کسی کا، اس کے سوا نہیں ہے

غوث و قطب سبھی ہیں، ادنیٰ غلام رب کے
سجدہ ہے صرف اسی کو جس کا خدا نہیں ہے

در در پہ جو جھکائے، ذلت سے اپنا ماتھا
رب کی نظر میں کوئی، اس سے بُرا نہیں ہے

پیر و ولی ملنگ سب، محتاج ہیں خدا کے
پھر بھی جو اُن سے مانگے، یہ کیا خطا نہیں ہے؟

شمس و قمر ملائک، ارض و سماء و انساں
کوئی نہیں ہے ایسا، جس پر فنا نہیں ہے

حاجت روا سمجھ کر، غیروں کو جو پکارے
اس کے لئے جہنم، سے کم سزا نہیں ہے

نعمت خدا کی کھاکر، قبروں پہ مارے سجدے
تم ہی بتاؤ کیا یہ، رب سے جفا نہیں ہے

نذر و نیاز سجدے ، قبروں پہ کرنے والو !
نقشِ بتاں تمہارے ، دل سے مٹا نہیں ہے
اِیَّاكَ نَسْتَعِيْنُ و اِيَّاكَ نَعْبُدُ پڑھ
قرآں کے اس بیاں پر ، ایمان کیا نہیں ہے؟
رتبہ نبی ولی کا ، بڑھادیں جو خدا سے
ایسوں کو ذرہ بھر بھی خوفِ خدا نہیں ہے
وہ عاشقِ محمد ہرگز نہ ہو سکے گا
جس کو بھی پاسِ ناموسِ مصطفیٰ نہیں ہے
بدعت کی ظلمتوں سے باہر تو نکلو یارو!
بدعت میں ذرہ بھر بھی حق کی ضیا نہیں ہے
کیا جانے معرفت کے ، اسرار وہ فریبی
جس کو ذرا شریعت ہی کا پتہ نہیں ہے
سنت کی راہِ اکمل ، تم اختیار کرلو
بدعت کی راہ کوئی، راہِ ھُدیٰ نہیں ہے
عشقِ نبی کے دعوے ، بدعت سے پیار ایسا ؟
صد حیف کہ نبی سے ، تجھ کو وفا نہیں ہے
ہے بدعتی کو ہر دم ،دوری خدا سے ظرفی
چہرہ تو بدعتی کا ، روشن ذرا نہیں ہے

☆☆☆